

# سای خنجر لعلی

رحیم



## سارو پل کاوتھی

نے بیک کھنکھل کر چائی نکالی اور دروازہ کھول کر اندر آئی۔ عاقلہ صبح صفا کر کے جاتی تھیں۔ سو سارا گھر صاف ستھرا تھا۔ بیک رکھ کر ہاتھ منہ دھو کر وہ کچن میں آئی۔ پتیلی کاؤسکن اٹھایا تو سامنے بیگن نہ چڑا رہے تھے۔

”موسم بدل گیا، مگر یہ سبزی جان نہیں چھوڑے گی۔“ اس نے منہ ہٹایا اور کچن بند کر کے باہر آئی۔ دیوار کے دوسری طرف سے نکلیا کی گونج دار گواڑ ابھری۔

”میں نے کہا آج رات کا کھانا ملے گا نہیں۔“ عرشہ کے بیوی پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ دوسری طرف صحن میں بیٹھی باندھائی کھاتی تائی جی بھر کے بد مزہ

کالج وین مین دروازے کے سامنے رکی۔ وین میں ایک ہی لڑکی تھی جو فائل اور بیک تھا۔ باہر آئی۔ اس کے گھر تک آتے آتے وین پوری خالی ہو جاتی تھی اور آج تو مریم نے بھی چھٹی کی تھی۔ سفید یونیفارم پر میوون جرسی اور سفید دوشہ لوڑھے جس کے چاروں طرف میوون گوٹ لگی تھی۔ عرشہ کے ہر رانداز میں اللہ وین اور لاپرواہی نمایاں تھی۔

”اول۔ ای ای بھی تک نہیں آئیں۔“ دروازے پر لگا تھا، دیکھ کر عرشہ نے بے زاری سے سوجھا۔ وین فرار لے بھرتی چلی گئی۔ عام طور پر عاقلہ اس کے آنے سے قبل گھر پہنچ جاتی تھیں، مگر جی کھارور ہو جاتی تو انسانی چالی عرشہ کے پاس بھی موجود ہوتی تھی۔ اس

تاؤلیٹ





ہوئیں۔  
 "میں کی تو مت ہی ماری گئی ہے۔ دوسرے کے وقت رات کا کھانا یاد کر رہی ہیں۔"  
 "اس پر بھی کا بس چلے تو میری زبان ہی کاٹ دے۔" وہ چلائے۔  
 "ہاں۔ کسی دن اپنا نام برکت حسین کی جگہ برکت علی بنی تھا۔" وہ اپنی بات پر خود ہی نہیں اور دیر تک ہنسی بھری نگاہیں۔ "کیا کوئی جگہ لگ گئے۔"  
 "تجھ جیسی ہاتھ پاؤں عورتیں جنم میں جاسیں گی جو شوہروں کی سرعام بے عزتی کرتی ہیں۔"  
 "اے میں نے کون سا ڈانگہ ماری۔"  
 "اچھا۔ یہ حسرت بھی ہے یا اللہ! مجھے اٹھالے یا اس عورت کو۔"  
 "ہائے۔ ہائے۔ صرف اپنی بات کر رہی تھی تو ابھی زندگی میں بہت کچھ دیکھنا ہے۔" تلی بد گیس۔  
 "ہاں۔ تیری تو بیکس خواہش ہے کہ میں کسی دن سو تکی نہ انھوں۔" تلی بگنی ہنسی ہے۔  
 "ڈیوڑھی میں موجود سرادروان کھول کر عرشہ اندر آئی تو بیٹے بیٹے بے حال ہو رہی تھی۔ گویا ساری مذہب گفتگو وچار کے دوسری طرف بھی سنائی دی تھی۔ عین سامنے بیٹھک کا دروازہ کھلا تھا اور تلیا جتنے کی نے منہ میں دہائے چنگ پر درواز تلی پر بولی مٹنے کر رہے تھے۔  
 "تلیا بی بی! اتنا قصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔"  
 "چپ کر! استہنی کی اولاد! آجاتی ہے سیتل پڑھانے۔" انہوں نے ڈنٹا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر فیس دی۔  
 "استہنی کی اولاد تو ہوں۔"  
 "اچھا۔ اچھا تمہاری ماں نے کیا کیا ہے؟"  
 "بیٹنگن۔" اس نے برا سنا سنا دیا۔  
 "تیری ماں تو ہے ہی سدا کی تجوس۔"  
 "کیا! اسی لیے تو کوھر لگی ہوں۔"  
 "ہاں! کوھر بچن میں جا کوٹتے بنے ہیں خود

بھی کھار میرے لیے بھی لے لے کہ۔" انہوں نے اپنے تئیں سرگوشی کی تھی بھولائی ہوئی تلی تک پہنچ گئی۔  
 "ہاں۔ تمہارا چنورا پرنہ کیا اپنی بھوک نیت ہر کسی کو کھلایا کرو۔"  
 "زبان کھینچ لوں گا۔ زیادہ بک بک کی تو ایک کونڈہ تیرے منہ میں بھی ٹھوس دلاں گا۔" عرشہ۔ ہنسی ہوئی صحن میں آئی۔  
 "تلی صدمے۔ میری بی بی ابھی تک بھوک پھر رہی ہے۔ میں نہیں تلی؟"  
 "میں ہوں۔" وہ پاس بیٹھ کر ہنسیاں کھانے لگی۔  
 "جگہ تلی کر کھانے لگی تھی۔"  
 "قرین میں رکھ کر کھانا دے دے۔" انہوں نے کرا عرشہ کی طرف پڑھایا۔  
 "کیا کے لیے بھی بیٹے گا۔"  
 "ہاں۔" انہوں نے برا سنا سنا دیا۔  
 "نہ نہ میری روٹی پکاتے تو تیرے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ رہتے دے۔" تلی صحن میں وارد ہوئے اور اونچی اونچی آواز میں کہنے لگے۔ "قرین۔ لو۔ قرین!"  
 بارہ تھوہل کا قرین اس گھر کا سب سے چھوٹا بچہ تھا اور بے دراز آیا۔  
 "تلیا! تلیا!"  
 "ماں کے بچے تو اوپر کیا کر رہا تھا چنگ بازی؟"  
 "انہوں نے کھن پٹاڑا۔  
 "میں نے لوہا میں نے تو چنگ نہ دیکھی ہی نہیں۔"  
 "ہاں تو تو کن ہی پیدا ہوا ہے پورے کا پورا اپنی ماں پر کیا ہے۔"  
 "کیا کے اس بیٹے پر تلی نے گھور کر دیکھا مگر کما کما نہیں کیا۔ تھکے منہ میں گرسے کا کھڑا تھا۔  
 "پہل بھاگ کر جا ایک کلو گرم گرم دودھ میں آدھ کلو چلیسی ڈالو۔"  
 "عرشہ پاس برا شہر دیکھنے لگی جس میں چلیانی پھل بھی تھے۔ لگا تھا آج تل کھول کے قوت منگوا لیا تھا۔

کیا کے گھر کے ملازم بیٹھ سے ایسے ہی تھے جب چور آتا ہل کھول کے خرچ ہو تا اور مینے کے آخر میں اوجھار نکلتے پھرتے۔  
 "دودھ چلیسی سے جسم میں طہالت آتی ہے۔ ورنہ یہاں تو مجھے بھوکا مارنے کا ارادہ ہے۔" انہوں نے تلی کو قہار لگا ہوا سے گھورا۔  
 "ہاں انہوں نے پھولنی جو کرنی ہے۔" تلی بد گیس۔  
 "میں تیرا کھانا دے چھوڑ عورت۔"  
 "ہاں۔ کیا جی! ایسے تو نہ کہیں۔" عرشہ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا بیڑا دے ہوئے وہ بارہ بیٹھک میں چلے گئے۔  
 "تو کھانا نہ کیا دیکھ رہا ہے پہل جا دودھ چلیسی لے آ۔" انہوں نے قرین کو کھڑک۔ وہ تیزی سے باہر بھاگ گیا۔  
 "میری تو ساری عروا ان کی کلیاں کھاتے گزر گئی عرشہ! یہ قوت سنبھل کر قرین میں رکھ دے میں روٹی کھاؤں۔"  
 "مریم اور قاطرہ تلی کھا رہی ہیں؟"  
 "قاطرہ تو تھرا رہی ہے اور مریم کو سوائے رسالے پڑھنے اور سونے کے اور کون سا کام ہے۔ سب روٹی کی خوشبو سو گند کر آجائے گی۔ سارا کچھ تو قاطرہ کی وجہ سے ہے ورنہ اس عمر میں بھی بیڑا کھاتی پھرتی۔" وہ گفتگو پر زور دے کر گھڑی ہو گئیں۔ عرشہ نے سارا قوت سنبھل کر قرین میں رکھا اور تلی کے پاس ہی آئی۔ وہ بیڑے بھاری تھیں۔  
 "تلی! ہو گئیں میری برائیاں؟"  
 "تو کھانے کھانے کی خوشبو کھینچ لائی۔" تلی نے عرشہ سے کہا تو وہ مسکرا کر مریم کو دیکھنے لگی۔ مریم وہی تھی، لیکن ہی تھی۔ نقش اچھے تھے مگر رنگت زیادہ سفید نہ تھی۔ چہرے پر کس کس سیاہی بھی تھی۔  
 "دور عرشہ کاغذ لپیٹ بھی تھیں مگر مریم کا حیدر پڑھائی کی طرف زیادہ نہ تھا۔ اس کی نسبت عرشہ بیڑا اچھی

پوزیشن تھی۔ شاید اس کی وجہ علولہ کی سختی تھی کہ وہ سارے لاڈ لٹائیں مگر پڑھائی کے معاملے میں ایک نہیں سنتی تھیں۔  
 "لور جو محترمہ کو کوٹھن کی خوشبو دیا ارباب پہنچی۔" وہ۔ "مریم نے کھڑکیا تو عرشہ کھسکی سی ہو گئی۔  
 "کیسی فضول بات کر رہی ہو؟ اس کا لور ہمارا گھر الگ تو نہیں ہے۔ جاو عرشہ! اوپر سے توہن کو بلا لاؤ۔"  
 "تلی نے عرشہ کے لیے سامن نکالتے ہوئے کہا۔  
 "توہن کھاتی گھر رہیں؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔  
 "ہاں! آج تو بخیر تھی سے جلدی آیا تھا۔"  
 "میں ابھی بلا کر لائی ہوں۔" عرشہ باہر نکلی۔ مریم نے اس کی جگہ بیٹھ کر سامن کا بلا لاسا سنے کیا۔  
 "میں ہوں۔ یہ عرشہ کے لیے ہے۔" تلی نے ٹوکا۔  
 "تمہارے کوٹھنے اسی کی بیڈنگ میں بھر دیے۔" مریم نے عرشہ کی طرح حسد سے کہا۔  
 "بہر وقت بکواس نہ کیا کوٹھن ہی بھری ہوئی ہے۔" تلی نے گھر کا۔  
 "کنج کی بات نہیں ہے۔ آپ بیٹھ فوق کرتی ہیں۔" مریم کے اپنے ہی گلے تھے۔  
 "یہ سارا سامن اس کے باپ کے اسٹور سے آتا ہے۔" تلی نے جھپٹا۔  
 "کیوں منت تو نعمان کھاتی کرتے ہیں۔"  
 "تیرا اچھا بھلا بھلا کا پورا چھوڑ کر گیا تھا۔"  
 "اُمی! آپ کیوں شروع ہو گئیں میں نما کر بتانی دیتی۔" قاطرہ اندر آئی۔  
 "گھڑی رنگت والی قاطرہ کے چہرے پر چاکا ملاحظہ تھی تو انداز و اطوار میں سجادہ اور گھڑاؤ۔ ایف اے کے بعد اسے بڑھنے کی اجازت نہیں ملی تو اس نے گھڑاؤ سنبھل لی۔ بچپن ہی سے وہ اپنی چاکا علولہ کے زیادہ قریب رہی تھی سو اسی جیسی بیاری علولہ کی مالک تھی۔ کم از کم حیدر خاؤن کی بیٹی نہیں لگتی تھی۔  
 "تو جا کر اپنے بل کھالے۔ سارا دن تو لگی ہی

رہتی ہے۔ یہاں تو مربھوں نے جان کھائی ہوئی تھی۔  
 "اما! ہر وقت باتیں ہی سنا کر رہا کریں۔" مریم نے کہہ دیا۔  
 "تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔" وہ بھی حیدہ خاتون جیسی۔



ٹوپان اپنے کپیوٹر پر مصروف تھا۔ ٹوپان کا کمرہ پورے گھر سے الگ، خشک، پرسکون اور خوب صورت تھا۔ کمرے میں وہ کسی اور کو آنے بھی نہیں دیتا تھا۔ انجینئرنگ پڑھ رہا تھا۔ سوائی کے خاندان میں اس کی پڑھائی کی خاصی دھماک تھی، کیونکہ ان کے خاندان میں زیادہ تر دکان دار ہی تھے۔ وہ تو اب اگر لوگوں نے اپنے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تھا۔ ان میں سے بھی زیادہ تر میٹرک تک ایف اے سے آگے نہ گئے۔ ایسے میں حیدہ خاتون کا فخر تو بڑا تھا۔

دروازہ کھلا تھا۔ عرشہ کچھ لمبے دروازے پر ہاتھ رکھے ٹوپان کو دیکھتی رہی۔

ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے، جب دل کی سرزمین پر محبت کی پہلی کوئل چھوٹی تھی۔ اسے ٹوپان اچھا نہیں بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ اسے گھنٹوں سوچتی اس کی ایک جھلک کے لیے تلی کے گھر کی پتھر لگاتی۔ ٹوپان ایمان تھا، ایمان بن رہا تھا۔ سراسر جہاں کی طرف سے ابھی تک کوئی پڑیرائی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ کم عمر اور اطو سی عرشہ نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر جو کھلی کتاب بن گیا تھا۔

"اے عرشہ! تم کب آئیں؟" ٹوپان کی آواز پر وہ ہری طرح چوگی۔

"تھک گئی جان کہہ رہی ہیں" اگر کھانا کھا لیں۔"  
 "یہ پیغام اتنا مشکل تو نہیں کہ اس کے لیے چند روشت کھڑے ہو کر سوچنا پڑے۔" ٹوپان مسکرایا اور کہیو زبرد کرنے لگا۔ عرشہ ہری طرح جھل ہوئی۔  
 "تمہارا کالج کیا جا رہا ہے؟"

"کبیس نہیں جا رہا ہوں گھر ہے۔" عرشہ نے کہی۔  
 "اور تم؟" ٹوپان بھی مسکرایا۔  
 "میں تو بہت آگے نکل گئی ہوں۔" اس نے بے ساختہ کہا۔  
 "مطلب؟" ٹوپان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کچھ نہیں۔ جلدی کامائیں کھانا کھانا اور رہا ہے۔" عرشہ نظریں چرا کر نیچے اتر گئی۔ وہاں قافلہ دوڑ کے پالے میں جلیبیوں ڈال رہی تھیں۔  
 "عرشہ! یہ تو کیا کوئے تو۔"

عرشہ قافلہ کے ہاتھ سے پیالے کر بیٹھک میں گئی تو کیا دیکھتی ہی رہی۔  
 "ساری ڈال رہی ہیں؟" تمہاری تائی نے اپنے لیے بھی سنبھال لیں،

"جی نہیں کھانے سے پہلے قاف لیجیے گا۔" عرشہ نے پیالہ ان کے سامنے میز پر رکھا۔

"دیکھو۔ ان بے بدلتوں کے کروت خود کو کھاتے کھائیں گے اور کھاتے ہیں۔" عرشہ نے فرمایا۔

"اے آپ نے تو۔" حیرت سے عرشہ کا منہ کھل گیا۔ پھر کچھ جھمی کتاب کا فائدہ جانتے ہوئے جملہ اوچھرا چھوڑ کر بچن میں آئی۔ ٹوٹ کر کھانا کھانے کے بعد ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تائی! اب تو میں بھی بس تن کے سوؤں گی۔"

"اے عرشہ! یہ دن کون دھوئے گا؟" مریم نے لڑا کا انداز میں پوچھا۔  
 "جس نے آج چھٹی کی تھی۔" وہ مریم کا کھل کھینچ کر بھاگ گئی۔ پیچھے مریم ہنسیاتی رہ گئی تھی۔



دین نے اسے حسب معمول سڑک پر اتارا تھا۔ سامنے سرسبز زمینوں کا سلسلہ تھا۔ جیتوں کے درمیان قافلی گاڑیاں اور وہ لٹنی پھوٹی سڑک۔ جو روز اسے گاؤں تک لے جاتی تھی۔ یہاں سے اگرچہ گاؤں کے اندر نکل واضح ہو رہے تھے مگر گاؤں کے آخری کونے

تک پہنچے پہنچے اچھا خاصا فاصلہ بن جاتا تھا۔ اگر کوئی سائیکل سوار یا رزمی دلا ملتا تو وہ آرام سے اس کے چارے پر بیٹھ کر گاؤں تک پہنچ جاتا تھا۔ نہ ملتا تو چلتے چلتے پاؤں شل ہو جاتے۔ اس نے کھانے کھانے انداز میں دوڑ تک جاتی سڑک کو دیکھا۔ بھوک سے پیٹ میں اینٹیں پڑ رہی تھیں۔ آج کالج میں اتنا وقت کھانا ملا کہ دوستانہ سے نظر بھاگ کر ایک کھانا چارہ لیا تھا۔ یہ کھانا تھا۔ حالانکہ اس کے دوست بھی متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے مگر شاید ان کے گھر کبھی نہیں ہوتی تھی۔

کبریٰ بن! جلدی کر! تجھے پتا بھی ہے مجھے شر پہنچنے پہنچنے پر ہو جاتی ہے۔"

کبریٰ بھری ہوئی ہانپیاں اٹھا کر اس کے قریب چلی گئی۔ اس نے باپ کر دیا۔ اپنے ڈرم میں ڈالنا شروع کیا۔ جیلے نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"بھائی! اگر تم! تجھے آتے ہوئے میرا بلو نظر نہیں آتا؟"

کبریٰ نے کہا جاتے والی نظروں سے جھپٹائی کو

وہ تانہ پھیلا کر شہوت کے درخت تلے آ بیٹھا اور بیگ سے ٹفن نکال لیا۔ پراٹھا کھانا تھا۔ مگر چونکہ کھن سے بنا تھا اس لیے نرم تھا اور پھر بھوک کھلی دیکھتی ہے کہ کھانا گرم ہے یا کھانا۔

خوراک پیٹ میں جاتے ہی بچے نے بو جھل ہونے لگا۔ اس نے آٹا کھٹ سے اس قافلے کو دیکھا۔ روز کا معمول تھا۔ مگر آج نوٹے دن پر تھا۔ کھانا کا طلبہ کچھ زیادہ ہی تھا۔

"لگتا ہے خفا ہوئے والے۔" اس نے اپنا ہاتھ چھو کر دیکھا۔ پھر بیگ سر کے نیچے رکھ کر لپٹ گیا۔ خیال تھا کہ تھوڑی دیر سستا کر جائے گا۔ کھانا لیتے ہی خیر کا طلبہ ہو گیا۔ آخری خیال جو ذہن میں آیا۔ وہ یہی تھا کہ اس انتظار کر رہی ہوگی۔



جیلے نے سارا گور سمیٹ کر ایک طرف ڈھیر کر دیا۔ ٹھکا چلا چلا کر ساری بیٹھنوں کو پانی پلایا۔ تب ہی کبریٰ پھیلیاں اٹھائے آئی۔ دونوں بیٹھنوں کو پچا کر دیا۔ دھونا شروع کر دیا، مگر اس سارے کام کے دوران بھی جیلے کا سارا دھیان گھر کے دروازے کی طرف



"اس ویلے تو وہ کو کوئی کم ہے جو گھر واپسی کی جلدی ہو۔ صبح سویرے دھندلے دھندلے کے رستے نکلا کر چلا ہوتا ہے۔ تو تو شرمیلے کے بے فکر ہو جاتی ہے کہ پتھر کالج جا رہا ہے اب وہاں نہ جانے کیا کیا کل کھلا رہا ہو گا۔"

"کبریٰ! تو میرے پتر کے معاملے میں نہ بولا کر" تھی بڑی مہربانی۔ "جیلہ نے کھانا گ سے دونوں ہاتھ اس کے سامنے ٹوڑے۔ کبریٰ کا سن سن گیا۔

"ہاں پتنگی گل تجھ ساڑی ہی لگتی ہے۔ لوہر شمر کے لڑکے ایک نمبر کے توارہ ہوتے ہیں۔ چھپ چھپ کر پتا نہیں کیا کیا پیچتے ہیں۔ اللہ جانے یہ بھی پڑھتے جانا ہے۔"

"تو کیا اور پڑ میں بھی نہیں لگتی۔ اور ہر کے لڑکے سارا دن گلیوں میں گولیاں نہیں کھیلتے۔ لوہر سارے فرشتے جتے ہیں؟ دیکھ کبریٰ! میں تیری ساری کڑوی بات چپ کر کے سن لیتی ہوں۔ پر میرے پتر کے خلاف بات نہ کیا کر۔ اس جیسا پورے چنڈ میں کوئی نہیں چاہے اس سزا صاحب سے پوچھ لگوں ہے تو شمر کے کالج جا کر رہتا ہوں۔"

"اتنا دن بھی اچھا نہیں جیلہ! جب کوئی دھماکا کے تھیرے ہاتھ پر رکھے گا تب اچھا لگے گا۔ تو کلام کانہ کالج کا دشمن اناج کل۔"

"لو ہنو! نیبو! پہلے مجھے فارغ کر دو۔ میں نے دودھ لے کر شرمیلے جاتے ہیں۔ اگر مرنے لے اپنا سپرٹ لیا۔ کبریٰ نے فیس سے جیلہ کو دیکھا۔

"یہ ہی اپنے پتر کا صفحہ کھول کر بیٹھ گئی۔ بڑا ہی انوکھا پتر بنا ہے۔ دودھ ڈال کر جلدی آتا۔ ہانڈی چڑھائی ہے۔ کبریٰ غصے سے کہہ کر احاطے سے نکل گئی۔ جیلہ نے بیڑا تے ہوئے باقی دودھ اکرم کو دیا اور ساتھ ہی اپنا سوال دہرایا۔

"رستے میں کیسے پتھر نظر میں آیا؟"

"نہ۔ اور ہر سے ہی کیا ہوں مجھے تو کیسے نظر نہیں آیا۔"

"تج تو بڑی دیر لگادی کیا دوا ہو گیا ہے۔ جیلہ

کے لیے میں تشویش ہی تشویش تھی۔

"آجائے گا۔ یوں جہاں سمجھ واد پر ہے تیرا ہیوں نظر میں نہ لے۔"

"کیا کول ہلائی! پلو کے سوا میرا ہے ہی کون؟"

جیلہ نے آدھری۔ پھر ایک ہاتھ میں خلی پھلیاں اور دوسرے میں بھری پانی اٹھا کر اندر چلی گئی۔ فضا میں اکرم کے موٹر سائیکل کی کوڑکا ہوا آدھری اور معدوم ہو گئی۔ جیلہ نے ایلوں کی آگ جلا کر دودھ لپانے کے لیے رکھا اور خود چپکے سے باہر نکل گئی۔ ہل کے دل کو قرار میں تھا؟ تیرے قدموں میں اور پھولی سانس کے ساتھ سڑک تک پہنچی۔ دور دور تک سڑک خالی تھی۔ جیلہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس وقت تک شمر سے آنے والی آخری دھن میں بھی جا چکی تھی۔

"کمال رہ گیا میرا ابو۔" اس کا دل ڈوبنے لگا۔ کچھ لمبے یوں ہی کھڑی رہنے کے بعد چلی۔ اس کے سامنے کیاس کے وسیع کھیتوں پر پھیلی شام کی زردی سرخی رنگ میں کھل رہی تھی۔ آسمان پر غول کی دواہسی کا سفر شروع تھا۔ اسے لگا وہ اس پوری کائنات میں اکیلی ہے۔ بائبل قبرستان کے کنارے لہستہ لہستہ منڈ درخت کی طرح دور ان اور تھلا۔ تھلا کیلے احساس اتنا جان لیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ تب ہی اس کی بجھتی لگا ہیں شہوت کے درخت سے ٹکرا کر جھک گئیں۔

"ہائے میرا ابو۔" وہ کچھ پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف لپکی ہو کھٹنے سکولے اپنے ایک پر سر رکھے سورا تھا۔ جیلہ نے اسے سمجھو ڈیا۔

"وسے! ہوا! اٹھ۔ اور کھیل سورا ہے۔ ہائے میں مر گئی تھی تو مت تیرے تک ہے۔"

"لہ! تو میں کیا کر رہی ہے۔" وہ ہاتھ بٹھا۔

"میں صدقہ میں داری تھی دیکھنے آئی تھی" تیری آنکھیں تھی سرخ ہیں اور پڑا آگ پتا ہوا ہے۔ میرا دل اسی لیے رپ رہا تھا۔ چل اٹھ تیرے گھر لے جاؤں۔"

"ارے لہ! میں چل سکتا ہوں۔" اگرچہ اس کا

م ٹوٹ رہا تھا۔ مہل کی سلی کے لیے جس کر کھڑا ہو گیا۔ جیلہ نے اس کا ایک اور دوسرے ہاتھ سے ہانڈ پکڑ لیا۔ گویا وہ ابھی کر جائے گا۔

تھوڑی دور آگے جا کر اسے فضا اپنی ریز می کے ساتھ مل گیا۔ جو کھیتوں سے واپس جا رہا تھا۔ دونوں میں ڈنڈا ریز می پر سوار ہو گئے۔ جیلہ نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور پڑھ پڑھ کر پوچھنے لگی۔



علاوے آنکھوں پر بھروسہ اسان فرین میں رکھنا۔ برتن دھو کر ریک میں لگائے۔ اگرچہ وہ دوسری تھی پھر بھی کام لگتے رہتے۔ سلیب صاف کرتے ہوئے خیال آیا کہ سلیب یہ چھوٹے موٹے بچن کے کام انہیں عریض کے ذمے لگائے جائیں تاکہ وہ بھی تھوڑی بہت گھرواری سیکھ لے۔ کام کر تو لیتی تھی مگر انکوئی ہونے کی بنا پر لڑائی اور غزلی بہت تھی۔

وہ سلیب صاف کر کے کمرے میں آئیں تو عریض ہاتھ میں کتاب تھا۔ کسی غیر ملکی لفظ پر نظرس پڑے۔ بیڑ پر نیم دراز کسی گری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"عرشی! چاہے بیوی؟" انہوں نے ستر ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہی۔" تج تو لکھڑ بھی بہت ہے۔" وہ چو کی پھر کتاب رکھ کر کھڑی ہوئی۔ "میں بٹائی ہوں۔"

وہ دو کب بنا کر لائی تو علاوہ لطف اوڑھے لوگھ رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے لطف میں دیکھ گئی۔ حسب معمول میں بیٹھی نے سہ سی باتیں کرنا نہیں اور انہی باتوں کے دوران عریض نے اچانک سوال کر دیا۔

"اسی بٹائیے کیا رکھ کر آپ کی شادی اس خاندان میں کی گئی؟"

"کیوں؟" علاوہ نے حیرت سے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔

"بہت فرق ہے میرے انھیال اور وہ صیال میں۔ رہن سن بات چیت۔ علاوہ۔ وہاں سب پڑھے لکھے ہیں۔ یہاں سب کلن دار۔ صرف ٹوبان ہی ہے جو

اپنے کمرے کے پار سے میں کچھ دھندلا ہوا تھا۔ اس نے چل۔ کیا اوائے غور سے کھلے کچھ راہی ہیں؟

وہ بات کرتے کرتے گڑبڑائی۔ علاوہ اسے دیکھے جاری تھیں۔ تج انہیں احساس ہوا تھا۔ بیٹی باپ بڑی ہو گئی ہے۔ کالج جانے لگی ہے۔ سو سوالات کی نوعیت بھی بدل گئی تھی۔

"بہم چہ ہمیں جس۔ سفید پوش، مگر دھما لکھا گھراٹا۔ چہ۔ نہیں تھا اور اس فائنے کے ڈھنگ کچھ اور ہی تھے۔ سولیا نے شریف اور با کردار لڑکا دیکھا اور یاد دوا۔ جسمارے ابو واقعی ان لوگوں سے مختلف تھے۔ پھر میں نے بھی لکھ چنگ کر لی۔ ان کا جزل اسٹور بھی اچھا چلنے لگا۔ سو لپٹ کر بہت اچھا گزارا ہو جانا تھا۔ جسمارے ابو بہت شائستہ انداز و اطوار کے مالک تھے۔"

انہوں نے مختصر بتایا۔

"میری شادی کرتے ہوئے بھی آپ بھی دیکھیں گی؟" یہ سوال کرتے ہوئے عریض کے سامنے صرف اور صرف ٹوبان کا چہرہ تھا۔

"ظاہر ہے۔" وہ یہ کہ نصیب کی بات ہے۔ اصل چیز شائستہ اطوار اور مضبوط کردار ہے۔ لیکن عرشی! شرم کرو عزیزی! اپنی شادی کی بات خود نہیں کرتیں۔"

آخر میں انہوں نے گھورا۔

"آپ تو میری سہیلی ہیں۔" عریض نے مسک لکھا۔

"سب سوچا۔" پھر کتنی ہونید پوری نہیں ہوئی۔

کالج بھی جاتا ہے۔ انہوں نے خلی کپ اس کی سمت بڑھایا۔

"میں نہیں جاری۔ کالج میں پڑھائی تو ہوتی نہیں۔" وہ سستی سے بولی۔

"پڑھائی پڑھنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔ جب کلاسز ہی تک گروئی ہو تو پتا کیا پلے۔" استاد کیا کچھ پڑھا گئے ہیں۔" علاوہ نے لڑاؤ۔

"مگر بھی نہیں جاری۔" وہ منمنائی۔

"عرشی! اچھے خوشی ہوئی اگر تمہیں سول کی منتظر ہو جو سا کرنے کے بجائے اپنی عقل پر کرنا سیکھو۔"

”میک ہے۔ وہ بے زار ہو کر بیٹھی۔ پھر فوراً“  
 ”سیدھی ہوئی۔“ اسی لمحہ میں فن فیر ہے۔  
 ”تو؟“  
 ”کیا سوٹ لینا ہے۔“  
 ”نہیں ہونے دوئی؟“ انہوں نے اس کی بے وقت  
 فرمائش پر غور کر لیا۔  
 ”پنگ کمر میں۔“ اس کے لبوں پر شرم و شری  
 مسکراہٹ ابھری۔ علاوہ بھی مسکرا کر رہ گئیں۔

گھر میں ہل کے سوا کوئی بھی سا حقیقت تھا۔ سوچیں  
 سے عادت تھی اسکول سے آتے ہی لوجھ بھاگتی۔ اب  
 بھی کلچ سے آتی تو پہلے تیار کیا گھر جاتی۔ پھر آگے  
 کے تخت پر تکی کے فٹے سے لگی پٹو تیا کو دیکھ کر اس  
 نے سلام کیا۔ ان کی گود میں پٹو تیا کا فائدہ سورا تھا۔  
 ”کیسی ہو عرش! اپنی کیسی ہیں؟ ماشاء اللہ کیسا رنگ  
 روپ نکھار ہے! کیا لگتی ہو؟ اپنی مریم کو بھی کوئی ٹوٹا  
 بتا دو! کیسی عجیب سی شکل ہوتی جا رہی ہے۔“ پٹو تیا کو  
 شروع سے عادت تھی ایک ہی وقت میں کئی سوال  
 کر تیں۔ اگلا جواب سوچتی رہ جاتا۔ مگر وہ دوسرا  
 موضوع پکارتی تیں۔ چکن سے ٹرے لے کر تعلق مریم  
 نے فٹے سے مریم کو کھانا اور تنگ کر لیا۔  
 ”کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟“  
 ”ارے چھوڑو بھی اسے۔“ تکی نے بے زاری  
 سے ہاتھ ہلایا۔ ”تم کیا کہہ رہی تھیں؟“  
 ”وہی انا کی شادی ہے۔“ انہوں نے اپنی منہ کاٹیم  
 لیا۔ ”سب سسرال میں تاکتے کوڑا بنائے لگے۔“  
 ”پٹو تیا! اب ہر ایسے ہی کرتی ہیں! کبھی زندگی  
 شادی، کبھی دیور کی! اچھا خلاصہ خراج کروا دیتی ہیں۔“  
 مریم نے ٹرے درمیان میں رکھی۔ کلباب دہی بڑے  
 فروٹ چاٹ، پٹو تیا کی اچھی طرح خاطر تواضع نہ ہو تو  
 خفا ہو جاتی تھیں۔  
 ”نہیں کوئی حلقہ ہے؟ کل کو بیاہ کر جاؤ گی تو ہوتا  
 چلے گا سسرال میں جیکے کی قدر کیسے کروائی جاتی ہے۔“

دیور کی شادی میں میری ماس کا سوٹ نہیں تھا۔  
 پاس سے ہزار روپیہ ملتا پڑا۔ لیں! اس بار مقابلہ  
 دیور لائی کے ساتھ ہے۔ بڑے بچ کج کے ساتھ آگے  
 ہیں! اس کے میکے والے بڑے کھاتے جتنے لوگ ہیں  
 میری بیٹی نہ کرواؤ۔ کٹو کے ریڈی میڈ کپڑے لگاؤ  
 کیسے ٹوٹے نہ رکھو! چار سوٹ ہمارے کپڑے اور ساتھ دس  
 ہزار رکھو۔“  
 ”وہ کس لیے؟“ تکی ہلایا نہیں۔  
 ”مرا کر کی کوئی چیز نہیں دیتی؟“ پٹو نے ہل کا  
 حمل لٹا دیکھا نہیں۔  
 ”تیا! کلباب کھاتے۔“ اس سے قبل کہ وہ منہ لے  
 میں کچھ اور اضافہ کر تیں۔ مریم نے فدا اس کی گود سے  
 لے لیا۔ پٹو نے ٹرے سامنے کی دیور شروع ہو گئیں۔  
 کلباب ختم ہونے تک تکی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں  
 عرش نے اسی دیور کو اپنے فروٹ چاٹ کھائی رہی۔  
 ”تیا! اچھا کھانا! تو بیٹی بڑی کادھہ بھی نہ ہوا تھا۔“  
 فائلر بھی فائلر ہو کر رہیں آئی تھیں۔  
 ”سب میری دیور لائی نہیں لگی تھی۔“ وہ اطمینان  
 سے گویا ہو گئیں۔  
 ”تو اس کی سزا ہم کو بھگتی ہے؟“ مریم بڑبڑاتی۔  
 پٹو تیا کو تھکے لگے۔ عرش اسیں بھگتی چھوڑ کر اوپر  
 چلی تکی بھگت کر اٹھتی تھیں۔ عرش کو لگا کراہی تھیں اس کا  
 دل بھی خلی ہو گیا ہے۔ وہ یقیناً ”کیا بن اسٹڈی کے  
 لیے اپنے دوست کے گھر جا چکا تھا۔ پہلے ہی جا رہا تھا  
 تھا لیکن اس بار عرش کی بے چینی کا نام بھی کچھ اور تھا۔  
 ”یا اللہ! یہ محبت کتاب ہے! کس کی ہے۔“ عرش  
 نے آزدی سے سوچا۔ کچھ دیر فیلن کی کرسی پر بیٹھی  
 رہی۔ بچے تکی تو مطلع صاف ہو چکا تھا۔ مریم غائب  
 تھی۔ فائلر کام سمیٹ چکی تھی اور پٹو تیا کہہ رہی  
 تھیں۔  
 ”ہل! ذرا فیلن کر کے اٹھ کر بھی کھانے کا کہہ  
 دیں۔ انہوں نے مجھے لے کر آتھی ہے۔ آپ کو تو کبھی  
 خیال نہیں آیا کہ دلو کو کھانے پر ہی روک لیں۔ میری  
 دیور لائی کے میکے والوں نے۔“

تکی بو کھلا کر فیلن کرنے اٹھ گئیں۔ اٹھ کر ہل کے  
 کتے کا مطلب تھا کہ اب گھر میں اچھی خاصی بڑبڑنگ  
 ہے۔ کی۔ عرش چپکے سے کھک لگی۔ کیا ڈیوڑھی میں  
 پٹو رہے تھے۔  
 ”سارے کلباب خود ہی کار جاؤ! مجھے نہ پوچھنا۔“  
 ”ارے بیجی رتی ہوں! نہیں بھی۔“  
 ”تو نے اپنے میکے سے منگوائے ہیں! جو مجھ پر  
 رعب عانی ہے۔“  
 ”ہیل! لیا! فرد باہر سے ہمارا کیا۔“ وہ چاہا پتا سر کیا  
 ہے پٹو سورا پے اور ہارنگ رہا ہے۔  
 ”ہیل! اپنی ہل سے پٹو سولے کر اس کو دے۔ آ  
 ہے ہمارے گھر میں آئے کے لیے بھی پیسے نہیں  
 ہیں۔“  
 ”کھلیں سے دے دوں! تمہاری لٹائی تکی بیٹھی ہے۔“  
 شادی اور خرچے کا بل والے کہ۔ ان کا پورا کر لیں یا ان  
 غریب مفت خوروں میں بانٹوں۔“  
 ”اچھا ہل! دے دوے تو اب ملے گا۔“  
 ”میں نے کہا لیا تو اب میرے تو اپنے سپاے  
 پورے نہیں پڑتے۔ جا کہ دے! لیا گھر پر نہیں  
 ہیں۔“  
 ”ہل! اپنی بات ہے؟“ فرد نے پوچھا۔  
 ”نہیں! میں تجھ پر مہر لگا رہتی ہوں کہ کبھی بات  
 سے پاکی۔“ عرش نے جی اٹھائی تو وہ باہر کی طرف  
 بھاگا گیا تو آہ لیا۔  
 ”تیرے جیسی عورتیں جنم میں جاتی ہیں۔“  
 ”ہل! جنت تو تو نے ہی جا کر کبہ کر لی ہے۔“ عرش  
 بڑبڑاتی تھیں۔  
 ”تیرے گھر بیا چھلی بازار جب گھر کو میں شور شرابا  
 ہو نہ رہتا ہے۔“ عرش نے آتے ہی دھاڑا۔  
 ”کیا ظفر کے ساتھ ساتھ عیدہ تکی بھی دیکھ گئی  
 تھی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا لیا کہ وہ میں جس گیا۔“

”آئی! کھانا لگا دوں!“ عرش نے کمرے میں

بھاگا۔ آج کھانا اس نے بھایا تھا۔ سوہو رانی کے  
 چہرے پر بے زاری صاف دکھائی تھی۔ نیلے کتاب  
 بند کرتے ہوئے عینک اندری۔  
 ”محسن! کیا؟“  
 ”ابھی تک تو نہیں آیا۔“  
 ”آجائے تو آگے کھاتے ہیں۔“ وہ مسکرائیں۔  
 ”اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے بیٹھے رہیں گے! طیبہ  
 میں موت ہم کی کوئی چیز تھی ہی نہیں۔“  
 ”نہیں! بھوکے کیوں بیٹھو! کیا کو! تم کھانا میں  
 اور محسن آگے کھائیں گے۔“ نیلے نے زری سے کہا۔  
 تب ہی طیبہ کے قریب سے محسن نے بھاگا۔ وہ عینک  
 ہل کا آخری قلعہ سن چکا تھا۔  
 ”ہم حاضر ہیں۔ کھانا لگا دیا جائے۔“  
 ”تو! محسن بھی آئیے۔“ نیلے نے کلب اور عینک  
 ساتھ بھیل کر رکھی۔  
 ”مہا بھی لگت تھوٹ نکوٹ لگی ہے؟“  
 ”تمہارے آفس کے رستے میں کوئی ریٹورنٹ  
 نہیں ہے؟“  
 ”محسن نے منہ کھول کر کہا کو کھانا۔ مسکراہٹ بھا  
 گئی۔ طیبہ اپنی بات کہہ کر کمرے سے مل گئی تھی۔  
 ”لگتا ہے آج بھل بھلی کا فیلن نہیں کیا۔“ محسن  
 نے شرارت سے سر گھومی کی۔  
 ”جاؤ! فیلن ہو کر آہلو۔ میں میز پر انتظار کر رہی  
 ہوں۔“ نیلے بیٹے کے کندھے پر چپٹ لگا کر جانے  
 لگیں۔ محسن نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”سب کیسی طبیعت ہے؟“  
 ”ہل! ڈالے لی تھی۔ اب بستر ہوں۔“ وہ قہقہہ  
 دے کر چلی گئیں۔ محسن فیلن ہو کر آیا تو کھانا لگ چکا  
 تھا۔ صاف انتظار میں بیٹھی تھی۔  
 ”مہا بھی نہیں کھائیں گی؟“  
 ”شاید نہیں۔“ انہوں نے محسن کی پلیٹ میں  
 چاول ڈالے۔ وہ تو اہل کے بعد ہی محسن کا منہ بن گیا۔  
 کھانے کے معاملے میں وہ یوں بھی مت نخرتا تھا۔  
 کھانا اچھا بنا ہوا لگتا ہوا تو وہ بال بستی ہی کیوں



نہ ہو کچھ مل کے ہاتھ ہی کے کئے کھانوں کا علوی  
 تھا۔ سو کھانے میں کی دیکھ کر فوراً بول اٹھا۔  
 ”پہ کیا ہے اسی کا چاول گئے نہیں ہیں اور سبزی میں  
 ابھی پانی ہے۔ اچھی طرح سمجھتی ہیں۔“  
 ”آہستہ بولو بیٹا! آج کھانا طیبہ نے بنایا ہے۔“  
 ”جب ہی بھانگی خود نہیں کھا رہی۔ ہمارے  
 سامنے تو ساری چیزیں لپال کر کھک مچ چھڑک کر رکھ  
 دی ہیں۔ گویا کھانا انسانوں کو نہیں چاہو وہاں کو  
 کھانا ہے۔“ حسن نے چوہا بھر کر پکٹ کھ کھائی۔  
 ”اچھا۔ شور کیوں مچا رہے ہو۔ ہو جانا ہے کبھی  
 کھانا۔“ نبیلہ نہیں چاہتی تھیں کہ طیبہ کے کان میں  
 کوئی بات پڑے۔ وہ بات بڑھاپی اور پردیس میں بیٹھے  
 جمل کو پریشان کرتی۔  
 ”کبھی کھانا نہیں بیٹھ۔ جب بھی بھانگی کو کھانا  
 دیتا پڑتا ہے وہ یہی حرکت کرتی ہیں۔ مجھے نہیں کھانا  
 میں باہر سے کچھ کھاؤں گا۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔  
 نبیلہ کا دل خراب ہو گیا۔ بیٹا آٹس سے سارے  
 دن کا کھانا کھا رہا تھا اور دھنک کا کھانا بھی نصیب نہ  
 ہوا۔ انہیں طیبہ سے زیادہ خود غصہ آیا۔ اب اتنی  
 بھی طبیعت خراب نہ تھی کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔ بس  
 یوں ہی کبھی کھانا کسی ذمہ داری سے جان چھڑانے کو  
 دل چاہتا تھا۔ سوچا تھا۔ ہوا آئے کی تو سارا کھانا اس کے  
 حوالے کر کے بے فکر ہو جائیں گی۔ مگر یہاں تو گھروں  
 میں اشتعال ہی ہوا تھا۔ وہ پھر بھی طیبہ کو موقع دے دیتی  
 تھیں کہ اس کا شرہ یہاں نہیں رہتا تھا اور طیبہ خوب  
 ان کی نرمی سے قانع نہ ہوا تھا۔  
 ”اور یہ کچے چاول کھا کے آپ کی طبیعت ٹھیک  
 رہے گی۔ رہنے دیں۔ میں آپ کے لیے بھی کچھ لیتا  
 آؤں گا۔“ حسن کو خیال آیا۔  
 ”اے بیٹا! میں نے جتنا کھانا کھا کھا لیا۔ باہر کی  
 چیزیں مجھے یوں بھی ہضم نہیں ہوتیں۔ ضرورت  
 محسوس ہوتی تو کوئی چل لے لوں گی۔“  
 ”لو کہ۔“ حسن باہر نکل گیا پھر رک گیا پھوٹے  
 سے کیراج کے پار گیت کے پاس طیبہ پر دلو وصل کر رہی

تھی۔ گیت بند کر کے چلی تو حسن کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک  
 گئی۔ پھر چٹائی سے بولی۔  
 ”کھانے کے؟“  
 ”نہیں! آپ کے ہاتھ کا بنا مزے دار کھانا کھا کر  
 آ رہا ہوں۔“ وہ بڑبڑا ہوا طیبہ کھانے کے اندر گزر کر  
 گئی۔ حسن کھس کر وہ گیلہ پھر گیت کھول کر باہر نکل  
 آیا۔  
 \* \* \*  
 ”سب باہر بھی آجائے۔ اسو کھانے پڑے ہیں۔ پانی پڑی  
 پانی سے ہی کی رہے گی۔“ صغریٰ کے سامنے دھلی رکھتے  
 کبریا نے بے ڈاری سے ترواز لگا دی تو صغریٰ جھٹک گیا۔  
 وہ چہرہ تائیں سلا لیا تو کھانسی ہوئی رنگت والا منت  
 نکل کھن تھا۔ طبیعت کا اکھڑاؤ رکھنے کا کھانا تھا۔  
 خاص طور پر گھر کے معاملات میں کبریا کی آنکھوں  
 سے دھنکنا اور کبریا کے دلخ سے سوجنا تھا۔  
 ”بلو کو کیا ہوا؟“  
 ”ذرا سا تپ ہے۔ زبانیوں کی طرح چاٹ پانی پکڑ کر  
 بیٹھ گیا۔ اور ماں بیٹی سے کئی بیٹھی ہے۔ جیسے کھانا کا  
 ہے گوشت سے ہی نہیں نکل رہا۔“  
 ”جک جک کم کر۔ پانی نہیں دے کیا؟“ صغریٰ نے  
 جھڑک  
 ”ہی! میں تو کرائی مل گئی ہوں۔ مفت کی۔“ وہ  
 بیڑیا کی کھڑے سے پانی بھر لائی۔ ”سوچا ہوا نہ ہو گا تو  
 چائے کا ہالڈینے کا پڑا ہے تو بڑھاپوں نے لے لیا۔  
 نہ بڑھاپوں نے کھن نہ ہوں۔ نہ کسی کم گئے میں کتنی ہوں۔“  
 کوئی خبر بھی لے لو مگر میں پڑھنے سے جانتا ہے۔“  
 ”تاکیں اندھ نے زبانیوں کے منہ میں زبان کیوں  
 ڈالی تھی۔ کیا سچے کھانے والی مشین چلتی ہوئی بیوان  
 کی زبان چلتی ہے۔“ صغریٰ نے تھوڑے سے ہاتھ مارا۔  
 ”اچھا۔ جانتی ہوں۔“ میں اچھی کتنی تو۔“ کبریا  
 تھلا کر اٹھی اور کمر سے باہر نکل گئی۔ صغریٰ نے دھلی  
 کھائی گلاس میں بیچے پانی سے آنکھوں کی پوری  
 دھوئیں اور اٹھ کر اندر آیا۔ بلو کی آنکھیں بند تھیں

اور جیلہ اپنا ہنہ بھگو بھگو کر اس کے چہرے اور سینے  
 پھیر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ گویا روٹی  
 رہی ہے۔ بلو کا چہرہ بخاری شدت سے دھک رہا تھا۔  
 ”گم۔ اٹھ جو اٹھ! تو کیا ذرا سے بخار سے اٹھ گیا  
 ہے۔“  
 ”بلو نے بھٹل آنکھیں کھول کر چائے کو دیکھا۔  
 ”صغریٰ اس کا چاندو کچھ ٹپ کم تھیں اور۔“  
 ”دو لالی گئی؟“ صغریٰ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ  
 رکھا۔  
 ”جی! ڈسے دی ہے۔“ جیلہ نے دوتے ہوئے  
 کہا۔  
 ”دی ہے تو آرام آجائے گا۔ اور تو بھی مویاں مو۔“  
 ایسے چھوٹے موٹے بخار مویوں کا کچھ نہیں  
 لگتا۔ ”دو لالہ روٹی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ جیلہ کی  
 آنکھیں جھٹک پڑیں۔  
 ”اپنا پتر ہوتا تو دیکھتی۔ ایسے بے فکری سے جانا  
 ہے۔“  
 ”ہی! بلو آنکھیں کھول کر مسکرایا۔  
 ”جی! صدق۔“  
 ”سب تو ان کی باتوں اور دھوئیں سے پریشان نہ ہوا  
 کہ عرصہ ہوا ایسا کے مرنے کے بعد سے یہ ہی کچھ تو  
 دیکھ رہے ہیں۔“  
 ”بس چپ۔ ایسا باتیں نہ سوچ۔ دلخ پڑو  
 پڑے گا۔“ جیلہ کی تندی میں زندہ ہے۔  
 ”جی! بلو! اتنا لڑائی آسرا ہے۔“  
 ”نہ۔ آسرا صرف رب سوچنے کا۔“  
 ”تھوڑا پانی دے۔“  
 ”جی! لائی۔“  
 ”تک۔“ بلو کو کیا ہوا ہے؟“ جیلہ سولہ سال  
 کی عمر کی لڑکی دھپے کی ہل مارے چلتی ہوئی اندر  
 آئی۔ دھپے کے کچے سے ہاتھ کی لمبی اور مرل سی  
 چمکی بھانک رہی تھی۔  
 ”جیلہ! اندھ مرل تھی؟“ تندی میں کب سے صغریٰ  
 رہی ہے۔“

”میں نے کہہ کر جانا ہے۔ راتوں کے گھر تھی۔“ اس  
 نے لاپرواہی سے بتایا۔ وہ کبریا اور صغریٰ کی پھوٹی بیٹی  
 تھی۔ بیٹی روٹی نامہ کو کبریا نے چند مویوں میں لپی  
 پناہ دیا تھا۔ وہ اب اوپر تھکے کے تین بیچے کے پھر رہی  
 تھی۔ صغریٰ صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ اس ہاتھ بلو کو  
 گھر میں خاصی اہمیت ملنا چاہیے تھی۔ مگر کبریا کچھ نہ  
 کچھ ایسا کرتی رہتی کہ دونوں ہل بیٹے کوئے میں گئے  
 ہوئے تھے۔  
 ”نواہ بخار ہے؟“ جیلہ نے ہمدردی سے بلو کو  
 دیکھا۔ اسے اپنا تپا زانو اٹھا لگا تھا کیونکہ اس کی  
 سکیاں کتنی تھیں اس کی ماں اس کی شادی بلو سے  
 ہی کروائی تھی۔  
 ”جیلہ! ایک پالا دودھ کا لاؤ۔“ بلو کو پاپے کھلا  
 کے دو اسے دے۔  
 ”جب سے ان کی بیٹیس نے دودھ دینا چھوڑا تھا۔  
 جیلہ کو یوں ہی منتوں سے شے مانجی پڑتی۔ بیٹے کے  
 لیے مانگنے میں اسے کوئی شرم بھی نہ آتی تھی مگر کبریا  
 کی باتیں سنائی۔ جیلہ شری کی بات اور تھی۔  
 ”جی! لائی۔“ جیلہ باہر بھاگ گئی۔  
 ”جیلہ! اس طرح فقیر کی طرح نہ مانا کر زمین  
 میں یہ ابھی حصہ ہے۔“ بلو کو مل کا لہجہ ناگوار گزرا۔  
 ”جی! پڑ۔“ جیلہ نے کبریا کی ہے۔ دانج میں لائی  
 تھی۔  
 ”جی! مگر۔“  
 ”جی! چپ۔ کھانا ابھی دھلی پڑو نہ دے۔ تپ سر  
 کو چڑھ جائے گا۔“  
 جیلہ نے پیار سے ڈانٹا تو اس نے لب بھج کر  
 آنکھیں موند لیں۔  
 \* \* \*  
 ساری رات نبیلہ کی طبیعت خراب رہی۔ بہت میں  
 وہ نہ کروڑا تھا۔ رات میں انہوں نے حسن کو نہیں جگایا۔  
 خود ہی کھلے لوٹے آنا ہی رہیں۔  
 ”جی! آج ہشتا نہیں گئے گا؟“ حسن اٹس چلنے

کے لیے تیار تھا۔  
 "طلب نہیں اٹھی؟" وہ کچھ محض سی تھیں۔  
 "نہیں۔ بھائی تو۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" محسن نے تشویش سے دیکھا۔ پاس آکر تھا چھوڑا۔  
 "میں ٹھیک ہوں، چلو تمہارے لیے ناشتا بنادوں۔"  
 نبیلہ اٹھنے لگیں۔  
 "آپ بالکل ٹھیک نہیں ہیں، مت اٹھیں۔ پہلے ہی کھانا کھا لیتا ہوں۔ کھائیں، مگر آپ بھی کب کئی دن تک یہ اہم طے کی۔"  
 "محسن! تم خواہو اور بٹھان ہو رہے ہو، ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔" وہ نہیں چاہتی تھیں کہ محسن اس میں بھی پریشان رہے۔  
 "آپ لیٹ جائیں، میں آتا ہوں۔" وہ انہیں زبردستی اٹاکر چلا گیا۔ اور جب واپس آیا تو ناشتے کی ٹرے ساتھ تھی۔ انہیں بیٹھے پر پیار آیا، وہ فصیلا منہ پھٹ سا لڑکا بہت حساس اور محبت کرنے والا تھا۔ چائے کے ساتھ لٹے ہوئے فرانی انڈے اور سلاٹس تھے۔ دونوں میں، پینا ناشتا کر رہے تھے جب طیبہ آئی۔  
 "خیریت۔" نبیلہ جگہ جگہ کھانے کے برتن لے کر پچھنے کے خلاف تھیں۔ ناشتا کھانا سب میز پر ہوتا تھا۔  
 "کچھ نہیں، بس ذرا پیٹ میں گڑبڑ تھی، معدہ بھی۔"  
 "تو مجھے جگا دیا ہوتا، میں کوئی دلیہ وغیرہ بنا دیتی۔" احسان دھنا سرسری لہجہ۔  
 "ہو آپ بتائیں، وہ دلیہ ہو گا؟" محسن نے تکی سے کہا۔  
 "کیا طلب؟" طیبہ کو آگ لگ گئی۔  
 "پلیز ای! اگر آپ کھانا نہیں بنا سکتیں تو کسی عورت کا بندوبست کر لیں۔" اس نے چائے کا آخری گھونٹ پھرا۔  
 "تمہاری شادی نہ کروں؟" طیبہ کے تیر دیکھ کر

نبیلہ نے ہلکتے ہوئے لڑکی کو پیش کی۔  
 "ہاں مگر پہلے لڑکی کے ہاتھ کا کھانا ضرور کھا لیجے گا۔" وہ طنز انداز میں کہہ کر اس کے سر پر ہوس دیا اور چلا گیا۔  
 "یہ اپنے آپ کو بھٹا کیا ہے؟" طیبہ بھڑکی۔  
 "کچھ نہیں بیٹا! بس جذباتی ہے، بنا سوچے کچھ بول رہا ہے۔" نبیلہ نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ "چھوڑو سمجھ کر نظر انداز کر دیا کرو۔"  
 "آپ بھی چھوڑنا نہیں ہے۔" وہ بڑی سخت کمری تھی اور نبیلہ اک طویل سانس لے کر رہ گئیں۔  
 \* \* \*  
 ساجد نے صبح صبح چھپ چھپا ہوا گھر سے خبر مل گئی تھی کہ باپ کی زندگی شادی میں لیں کیا خیرہ لاری کر رہی ہیں، اور یہ اطلاع دینے والی خود باپو تھی۔ سو اب گھر چھلی بازار بنا تھا۔ ساجد کے دونوں بچے آپس میں قسم قسم کھاتے تھے۔ خیرہ کو میں بھلی بھلی کر رہا تھا۔ اور ساجد باپ کے کھنے سے کئی جگہ دل کے پھوٹے پھوڑے رہی تھی۔ گھر میں سب سے بڑی ہونے کے باعث اس کی باپ سے زیادہ نفی تھی، اور باپ کی اپنی ماں سے اس لیے تھیں میں دونوں کی نفی رہتی۔  
 "ساری زندگی یہ باپو لیں کی جیتی رہی ہمیشہ اسی کا سوچا اور وہ بھی جب دل چاہتا ہے تو نہ بھاڑ کے مانگ لیتی ہے۔ اس کا چیز بھی مجھ سے اچھا تھا۔ فرمائش کر کے ہر شے پائی۔ مجھے آج تک میرا میاں ملنے دیا ہے میں کیا سوتلی ہوں؟"  
 "تمہارے سارے کام سوتیلے والے ہی ہیں، اب بیٹھی ہے، باپ کے کھنے سے کئی میری شکایتیں کرنے لگی آتی ہے۔"  
 "تو آپ کیا اپنے باپ سے بھی دکھ سکھ نہ کروں؟"  
 اس نے گود والے کو بھرتی پر سید کیا۔  
 "نہ مجھے کیا نہ دیا؟" وہ بھڑکی۔ "میں یہ دیکھ کر بولیں۔"  
 "میرے دیو اور زندگی شادی ہوئی آیا دلو۔ وہی ۵۵

مڑے ہوئے سوٹ وہ بھی گھر سے نکل کر۔  
 "اس وقت حالات ہی ایسے تھے میں کیا کرتی۔" عید نے جواب دیا۔  
 "دیکھا البتہ آپ کیا قانون کا ٹرانز نکل گیا ہے؟" فرق کرتی ہیں لیں، ہم دونوں بیٹیوں میں۔" اس نے ہلکے ہلکے کر دنا شروع کر دیا۔  
 "بڑی سنگ دل عورت ہے، بھی یہ صاف کے دے رہا ہوں میں باپو کے لیے جتنا کیا تھا، اتنی ساجد کے لیے ہو گا۔" کیا نے حکم صادر کیا۔  
 "تو کیا تم نے میری پہلی پر پیسے رکھنے ہیں؟"  
 "تمہی زبان تو۔"  
 ساجد کی بات اندر کسی گم ہو گئی۔ دونوں آپس میں تو نہیں لڑنے لگے، تو بچ کر تیار ہو کر مڑا آیا۔  
 "اسلام علیکم آپس آپ؟" وہ مختصر سے سوال کر کے چچی کی طرف آیا۔  
 عریشہ کپڑے دھو کر پھیلا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی چہرے پر رو فنیوں بکھر گئیں۔  
 "آپ کھل غائب ہو گئے تھے؟" اس نے علولہ کا سوٹ ہاتھ میں ہی چھوڑ دیا۔  
 "یار! گھر میں پڑھا نہیں جاتا، سواک دوست کے ساتھ بائبل شفٹ ہو گیا تھا اور تم یہ اتنی لفظ میں کپڑے کیوں دھو رہی ہو؟" تو بچ نے اس کی سرخ ہوئی آجیلاں دیکھیں۔  
 "آپ کپڑے دھونے کے لیے گرمیوں کا انتظار کروں؟" وہ کھلکھلائی۔ اسے دیکھتے ہی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔  
 "میری جانب ہو گئی تو سب سے پہلے ایک ملازمہ کا بندوبست کروں گا۔" وہ تار پکڑے عین سامنے کھڑا تھا۔  
 "وہ تو اپنے گھر کے لیے رکھیں گے۔" عریشہ نے غل بھند کیا۔  
 "تم ہم سے الگ ہو؟" تو بچ کا لہجہ کبیر اور دم ہو گیا۔ تب ہی اندر سے علولہ نکلیں تو تو بچ ان کی طرف مڑ گیا اور عریشہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنبھالتی رہ

گئی۔  
 "گھر میں شور کیسا ہے؟" علولہ پوچھ رہی تھیں۔  
 "ساجد آئی اور ان کے بچے آئے ہیں، میں تو آج خواہو لو کہہ گیا۔"  
 "ایسے تو نہ کو، ہمیں کبھی کبھار تو آتی ہیں۔"  
 "آپ بھی جانتی ہیں، میرا فاضل ایہ ہے، آپ کوئی کی نہ تھی وہ کئی تو وہ ساری زندگی پر محیط ہو جائے گی اور مجھے اس ماحول سے لگتا ہے۔"  
 "صرف خود لگتا ہے۔ اور خود تم سے وابستہ لوگ ہیں۔" علولہ مسکرائیں۔  
 "میری زندگی میں تبدیلی آئی تو ان پر خود بخود اثر انداز ہوگی۔"  
 دونوں باتیں کرتے اندر چلے گئے، عریشہ نے بے اختیار اپنی پینر پر نظر کیا۔ تو بچ سارے گھر سے مختلف تھا۔ اس میں کچھ خاص تھا، شاید آگے بڑھنے، کچھ بدلنے کا جذبہ۔  
 "لیکن کیا وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے؟" کیا وہ جانتا ہے کہ میں عریشہ بیکسل اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ بے چین سی ہو گئی۔  
 "تم ہم سے الگ ہو؟" اسے تو بچ کی بات یاد آئی تو کچھ ڈھارس سی ہو گئی۔  
 "یقیناً" وہ مجھے پسند کرتا ہے، لیکن اس جملے سے یہ تو میں بچا پٹا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، اگر وہ کسی اور کو پسند کرتا ہوا تو؟ وہاں پوچھو رہی میں تو اتنی ساری لڑکیاں ہوتی ہیں، خوب صورت، طرح دار۔ بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ سب چھوڑ چھاڑ اندر چلی آئی۔ علولہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔  
 "عریشہ! چائے بناؤ۔"  
 "چائے کی ضرورت تو اس وقت عریشہ کو ہے، دیکھیں ایسے ہیگ رہی ہے۔"  
 عریشہ نے بے اختیار تو بچ کو دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ عریشہ کی نگاہ جھک گئی۔  
 (کچھ تو ہے یہ جوان کئی سی ہے وہ میرے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچتا ہے، نظر کرتا ہے، ایک وقت





گھبرائے لگتا ہے۔ "جھنجھلا نہیں۔  
 "ہاں! طیبہ بھابی کے ساتھ رہتے ہوئے یہ ممکن ہے۔"  
 "شرر۔" خبیلا نے گھور اتوار دیکھ دیا۔  
 "مہم تم گاڑی نکالو۔ میں طیبہ کو بتاؤں۔" وہ  
 دوشہ چمک کرتے ہوئے طیبہ کے بیڈ روم میں  
 آئیں۔ وہ رہیچر کھن سے لگائے بات کر رہی تھی۔  
 "دل لگانے کے لیے میں ہے کیا؟ جیل میں جگ  
 آگئی ہوں۔"  
 خبیلا لا شعوری طور پر روک سی گئیں۔  
 "گھر کے کام کیسے گول۔ جو کام بھی کرتی ہوں۔  
 اس میں سو سو لکھ لگائے جاتے ہیں۔ ہر کام پر  
 اعتراض کیا جاتا ہے۔ اسی تو ایک طرف۔ محسن بھی باز  
 نہیں آتے۔ میں بدی بھابی ہوں مگر جیل ہے جو ذرا  
 عزت کرتا ہو۔ ہر بات منہ پر مار دیتا ہے۔ روٹیاں ایسی  
 کھلی ہیں۔ چاول کچے ہیں۔ پڑی نہیں۔ یعنی  
 بتائیں کیا میں پھونڈ ہوں؟ اپنے گھر میں کو کھانے کی  
 ماہر بھی جاتی تھی اور سہل۔"  
 وہ رک کر جیل کی بات سننے لگی۔  
 "جانتی ہوں! پھر گھر کے اپنے طور طریقے ہوتے  
 ہیں مگر آپ کے گھر کے طریقے میری سمجھ میں نہیں  
 آتے۔ خبیلا ایک طویل سانس لے کر دلیس پلٹ  
 گئیں۔ محسن ان کا گاڑی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ  
 خاموشی سے جا کر بیٹھ گئیں۔  
 "کیا ہوا؟" محسن نے چونک کر پوچھا۔  
 "کچھ نہیں چلو۔" وہ بدقت مسکرائیں۔



"مریم! عرویش نے پکارا۔  
 "ہوں۔" مریم اپنے باتوں اور خیالوں پر اپنی  
 نیند میں مصروف تھی۔ دونوں بچت پر تھیں۔  
 "صحت کیسے ہوتی ہے؟"  
 "ایم۔" مریم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ کسی  
 گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔

"تہا۔۔۔ محبت کیسے ہوتی ہے؟" عرویش نے اصرار  
 کیا۔  
 "تم نے رس ملائی بنانے کی ترکیب تو بھی ہوتی تو  
 میں بتا دیتی۔ سب کچھ کیا بات محبت کیسے ہوتی ہے۔ ویسے  
 تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" مریم نے مشکوک نظروں سے  
 اسے دیکھا۔  
 "ویسے ہی معلومات میں اضافے کے لیے عرویش  
 نے کندھے اچکا کر کہا۔  
 "عرویش! جانتا ہے میرا بھی دل چاہتا ہے کوئی مجھ سے  
 محبت کرے۔ ہاں قلمی بیوہ جیسی مجھ پر مرتے نہیں  
 لے سب کچھ کرنے کو تیار ہو۔ میں راتوں کو اٹھ کر  
 آہیں بھول۔۔۔ چوری چوری باتیں ملاقاتیں کروں اور  
 آخر میں ہم دونوں گھر سے بھاگ جائیں۔" وہ جوش  
 سے بولتی ملی تھی۔  
 "ریش۔ ایسی سڑک چھاپ جسم کی محبت کرتی ہے  
 نہیں؟" عرویش نے گھورتے ہوئے کہا۔  
 "جیسے پسند نہیں آتی تو نہ سی۔" مریم نے  
 کندھے اچکا کر پھر اپنی دلالتی رفتار اٹھا کر بچے جھانکا۔  
 "خاطر! اچانک کی کیا؟"  
 "ہاں میں کراؤ دینے کی دلی قہمی۔ آج تہا۔۔۔ خاطر  
 نے جواب دیا۔  
 "دونوں بچے آگئیں۔ خاطر نے برآمدے کے تخت  
 پر چائے اور گھر کے بچے بسکٹ رکھے تھے۔  
 "اپنے باپ کو دے دی؟" عرویش نے پوچھا۔  
 "نئی امی! خاطر نے جواب دیا وہ اپنا باپ لیے فریڈ  
 کو گلابو کیے بیٹھی تھی۔ جو بے زار چہرے کے ساتھ  
 کتابیں کھول رہا تھا۔  
 "خاطر! آئی امی میں بھی آپ سے بسکٹ بیٹا سیکوں  
 گی۔" عرویش نے کماؤ نلی صحت سے بولیں۔  
 "جو سیکنا کیا ہے؟ جب دل چاہے خاطر ہٹا دے  
 گی۔"  
 "سیکے دیں مسرال میں کام آئے گا۔" مریم  
 نہیں۔  
 "لو! عرویش کو کھل جاتا ہے۔ میں رہے گی میرے

پاس۔" عرویش نے چار سے عرویش کو دیکھا۔  
 عرویش کے ہاتھ سے بسکٹ چھوٹ کر کپ میں گر  
 گیا۔ اس نے نالی کو دیکھا وہ آرام سے چائے میں  
 بسکٹ ڈبو کر کھا رہی تھیں۔ عرویش نے باری باری  
 سب کو دیکھا۔ خاطر اسے دیکھ کر مسکرائی  
 تھی۔ عرویش نے گڑبڑا کر سر جھکا لیا۔ دل نے خوش گوار  
 دھڑکنوں کا کاراگ بھیڑ دیا۔  
 "تو کیا نالی بھی یہی جانتی ہیں؟"  
 تب ہی دروازے پر تپن ہوئی خیر کتب پبلیک کر  
 بھاگ۔ خاطر اسے اسے کہتی وہ گئیں۔ اس نے  
 بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔  
 "جو آگئیں صحت لی لی! عرویش نے ہاتھ پر ہاتھ  
 مارا۔ پچھو خبیلا کے ساتھ محسن کو دیکھ کر تپن لڑکیوں  
 نے سر ہڈ پٹے لے لیے۔ عرویش نے بھی زبردستی کی  
 مسکراہٹ لیل پر چلا۔  
 "بچے دونوں کے بند پکڑ لگایا۔ اور یہ محسن۔  
 اسے تو بھی مای کی یاد ہی نہیں آتی۔" عرویش نے شکوہ  
 کیا۔  
 "کی دونوں سے آنا چاہو رہی تھی۔ کبھی محسن فارغ  
 نہیں ہوتا تھا تو کبھی میں بیٹا رہ جاتی۔ آج سوچا ہوں  
 کوئی موسم بدل گیا ہے۔ کی دونوں سے لڑکیوں کے  
 لیے کپڑے خرید رکھے تھے۔"  
 خبیلا کی پیشہ سے عروت تھی۔ ان کے لیے کچھ نہ  
 کچھ خرید لی رہیں۔ بقول ان کے اس طرح وہ بیٹیوں  
 کی فکر فل شاپنگ کا مزاجی ہیں۔  
 "محسن بھائی! آپ بیٹھیں۔" مریم کو خاموش  
 کھڑے محسن کا خیال آیا تو اس نے جلدی سے کرسی  
 سامنے کی۔  
 "شکر ہے پچھو کے علاوہ کچھ نظر تو آیا۔ ورنہ میں  
 تو سوچ رہا تھا کھڑے کھڑے واپس جانا پڑے گا۔" وہ  
 شرارت سے کہہ کر بیٹھ گیا۔ "اور ستائیں عرویش بی بی!  
 کیا مہل چل ہیں۔" وہ عرویش سے مخاطب ہوا۔  
 "نٹ فائٹ۔" وہ مسکرائی۔ محسن سے زیادہ فری  
 نہیں تھی۔

"عرویش بی بی! آج چائے نہیں پئے گی؟" محسن  
 نے عین سامنے بیٹھی خاطر کو چھیڑا جو کالی پر نظریں  
 جمائے بیٹھی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر محسن کو  
 دیکھا۔  
 "محسن! میری بیٹی کو تنگ مت کرو۔ خبیلا نے  
 گھور ل۔  
 "میں نے اسے اکبری تو نہیں کہا؟ عرویش کہا ہے  
 تعریف ہی کی ہے۔ کھلی بچو! اس نے عقب میں  
 کھڑی عرویش اور مریم سے تائنہ چلی۔  
 "میں ملاتی ہوں۔" خاطر مسکراہٹ نہائی اٹھ گئی۔  
 "مور لڑی! تم ابھی تک نہیں کھڑی ہو۔ پھولی مای  
 کو بلاؤ گے چائے پیتے ہیں۔" عرویش محسن کی بات سن  
 کر کھ کوبالے چل دی۔  
 "بھائی جان کہہ رہی ہیں خبیلا نے پوچھا۔  
 "نہاڑہ سننے لگے ہیں۔ پتا نہیں پوری آتی ہے  
 یا نہیں۔" عرویش کے جواب پر محسن کو زور سے ہنسی  
 آئی۔



توبہ۔۔۔ توبہ ایسی منگلی کہ مت پوچھو۔ بیٹھے  
 بٹھائے ہوئے چند ہزار خرچ ہو گئے۔ اوپر سے  
 لڑکیوں کے جو ٹھیکے اگر کاروبار لوہار نہ دیتی تو پتا نہیں  
 کیسے پورا ہو گا۔ نعمان نے تو کہہ دیا تھا اور ایک بیڑا  
 نہیں دل گا۔  
 خبیلا نے بے اختیار حلالہ کو دیکھا۔ وہ نظریں  
 چرا گئیں۔ خبیلا نے طویل سانس لے کر عرویش کو دیکھا۔  
 جو ابھی تک منگلی کے دوسرے دوری تھیں۔  
 "ہاں! پتہ تو کچھ ایسی ہی ہے۔ اسی لیے انسان کو چاہو  
 دیکھ کر پاؤں پھینا جاتا ہے۔ سب کچھ ہاتھ تو سمجھا چکی  
 ہوں کہ سوچ کچھ کر خرچ کیا کریں۔ تھوڑی بچت کی  
 عادت ڈالیں۔ ابھی دو لڑکیاں بنائیں ہیں۔ تو بنانے کی  
 قلعہ۔۔۔ نعمان کی شادی۔ خواہشات کا کیا ہے۔ جو حکم  
 کی طرح متنازعہ بنی پھرتے جاؤ۔ آخر میں بد مزاجی کرتی  
 ہیں۔ اب دکھاوے کے چکروں میں بچت تو نہیں



خواب کرنا چاہیے، لڑکیوں کو بھی سمجھایا کریں۔ اس مقابلے بازی میں شیعہ والوں کا کہاؤا نہ کریں۔  
 نبیلہ نے رسالت سے سمجھایا۔ جیدہ دل ہی دل میں فکس کر رہی تھیں سب ہی بات بدل دی۔ "یہ حسن کمال چلا گیا۔"  
 "مے آفس جانا تھا۔ واپسی پر مجھے لے جائے گا۔"  
 "چھ ماہیں کچھ کھانے کا بندوبست کر لیں۔" جیدہ اٹھیں۔  
 "نئی۔" نبیلہ نے انہیں اندر غائب ہونے تک دیکھ کر پھر بلادی کی طرف مڑیں۔  
 "میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ اس طرح ادھار مت دیا کرو۔" جہیں رہا بھی ہے کہ وہ کسی واپس نہیں کرتیں۔  
 "میں کیا کروں نبیلہ! انکار کر کے ان کے طعنے کون سنے۔"  
 "علاؤ مد کرتی ہو۔ خود غار ہو۔ اپنے گھر میں رہتی ہو۔ اپنا خرچ کرتی ہو۔ پھر اتنا دینے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جھنجھکیاں مٹیں۔  
 "نبیلہ! تم جانتی ہو۔ جہالت کا مقابلہ میں کیا جاسکتا۔"  
 "یہ کوئی لایک نہیں ہے۔ عرشہ کی شادی مقصود کیا بندوبست کیا ہے تم نے۔ تاجوہم میں اور جیدہ میں فرق کیا ہے وہ اس طرح ڈاڑھی ہیں کہ اس طرح۔"  
 "چھاپا چھوڑو اس قصے کو۔" علاؤ نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔  
 "میری ماؤ تو سمیٹی ڈال کر عرشہ کا زور و نفوہ بنواؤ۔ ورنہ اس طرح تو کچھ جمع نہیں کر پاؤ گی۔" نبیلہ کا مشورہ علاؤ کے دل کو لگا۔  
 "ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔"  
 "تو بس اسی مینے سے شروع کرو۔" نبیلہ کے لیے علاؤ کو سمجھانا آسان تھا۔

☆ ☆ ☆  
 "بلو کا انٹار اتر گیا؟" صفر نے پراٹھے پر کھینچے کھن

کو دیکھتے ہو چھل۔ کبریٰ مونے مونے پراٹھے بنا رہی تھی۔ جب سے سوئی کا آفتان ہوا تھا۔ سب چلے گئے پاس بیٹھ کر ناشتا کرتے تھے۔  
 "نہیں فعلع کو چہہ گیا ہے۔" کبریٰ نے چپ کر کہا۔  
 "ہیں؟ مجھے بتایا کہیں نہیں۔" وہ اٹھنے لگا۔  
 "بیٹھ جا کیے تجھے کے لیے بڑا ہے۔ کچھ نہیں ہوا۔ اسے جس دماغ خراب ہے۔"  
 "تو سیدھی طرح نہیں بتا سکتی۔ پچی مت ہے تیری بھی۔" صفر کرچا۔  
 "چار عاتیں کیا بڑھ لی ہیں۔ ہمارے سر جھٹنے لگا ہے۔ بڑھ بڑھ کر پائیں سناتے لگا ہے۔ بشری کو بلا کر پوچھ لے لیا کیا طعنے دیتے ہیں۔" اس نے کرا کر م پر اٹھا چٹیر میں رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔ ساتھ میں وہی کا پالا اور مٹی کی کنوری میں اچار بھی موجود تھا۔ صفر اس میں سے مرغ کا ٹکڑا الگ کرنے لگا۔  
 "کیا کتا ہے؟"  
 "بشری کو کتا ہے۔ تیری ماں مجھے طعنے دیتی ہے۔ اس زمین میں میرا بھی حصہ ہے۔ چاہا اکیلا نہیں ڈکار سکتا۔"  
 "اس نے کیا؟" صفر کی تیوری چڑھی۔  
 "نہیں میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"  
 "بلو! بلو! صفر حجاز۔"  
 "پچی طرح دماغ درست کرنا۔" کبریٰ کو موقع مل گیا تھا۔  
 "نئی چاہا! بلو پوری خانے کے دروازے میں آکر اہولہ لگ جائے کے لیے تیار تھا۔  
 "نکل بشری سے کہہ دو اس کی بھی؟"  
 "بلو نے کبریٰ کو دیکھ کر پیچھے ہٹا۔" پچی خاصی لگائی بھائی کی تھی۔ کل فیس میں جو کچھ کا تھا اس پر چھٹا بھی تھا۔ فی الحال اسے چاہا کی ضرورت تھی۔ اپنا حق، عتبات سمجھ کر لینا منظور تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک وہ خود کمانے کے قاتل نہ ہو جائے۔  
 "تیرا زمین میں حصہ ہے؟" صفر نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہے؟" برار نے سنبھل کر کہا تھا۔  
 "کوئے تیری۔"  
 "چاہا! لگتی مست رہے۔" برار نے انگلی اٹھائی ایک لمحے کے لیے صفر کو احساس ہوا۔ صفر بوڑھا ہو گیا ہے اور بلو جوان وہ اب بے عزتی نہیں سارے کا اس احساس نے اسے جھنجھایا۔  
 "مجھے انگلی دکھانا ہے۔" چھپا کر کنوری اڑتی ہوئی برار کے سینے سے ٹکر لائی اور اس کی سفید شرت کو دل سے ڈال کر مٹے کر کرکٹ مٹی۔ بار بار اس کی جیسے کو لڑکھڑایا۔ ایک لمحے کو کبریٰ بھی ششدر رہ گئی۔ اسنے شدید درد مٹ کی توقع نہ کی۔ یوں تو کئی مرتبہ شکستیں لگا کر بار بار کو وائٹ ڈو لئی تھی۔  
 "مگر آج کچھ نیا ہوا تھا۔"  
 "آج برار نے سر جھکا کر چھاپیں نہیں سنی تھیں۔ اس کی انگلی اٹھی تھی۔ آج انگلی اٹھی تھی تو کل۔" کبریٰ تو سہ پر بار بار اٹھا بول گئی۔  
 "صفر فضیلت تک پہنچا اور برار۔"  
 "کبریٰ کو برار کی شرارے برساتی آنکھوں سے خوف کیا۔  
 "شور سن کر جیلہ اور بشری بھاگتی ہوئی آئیں۔"  
 "کیا ہوا؟"  
 "سمجھا لے۔ سمجھا لے۔ اس سنا کہ مجھے انگلی دکھانا ہے۔ میں تو اس کی۔" صفر کا کبریٰ نے تیزی سے اٹھ کر آئے سے بھرے ہاتھوں سے صفر کا بازو پکڑ لیا۔  
 "جائے دے۔" رینے نے پتے پتے۔  
 "جیلہ دل پر ہاتھ رکھے پھر پھر کتاب رہی تھی۔ بار بار کی سفید شرت سرسوں کے تل میں تقویٰ تھی۔  
 "بلو! تو چل باہر۔ چل اوجر سے۔" جیلہ اسے سمجھنے لگی تو بلو نے اپنا بازو چھڑا۔ ایک نفرت بھری نگاہ سب ڈالی اور لے لے ڈک بھرنا ہر نکل گیا۔  
 "جیلہ اس کے پیچھے بھاگ کر گھر کے ٹھوں میں جھونکی دروازہ پار کر گیا۔ وہ وہیں چوکھٹ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

کبریٰ صفر کا قصہ لفظ اکوری تھی اور بشری ایک طرف پھر کتاب رہی تھی۔  
 "اگر بلو کھرنے گیا تو۔"  
 ☆ ☆ ☆  
 "نہیں۔ نہیں اپنے پیارے پورے کر لے۔ میرا کیا ہے؟ کسی نے جوئے پر پاش پھیرنے کی زحمت سوار بھی نہیں کی۔ گھر میں رکھی کوئس کے ڈوری پتی اہیت نہیں۔"  
 "لما غفر کو دیے بھی بہت شوق تھا۔ ایسے کسی بھی موقع پر گھر والوں کے ہاتھ پاؤں پھلانے کا فطر سب کا چھوڑ کر بھاگتا تھا۔ میں جیتے جیتے جوتے تھے۔ تو یہ نہیں نالبا! میں نے توج سے آپ کے جوتے چکا کر رکھے ہیں۔"  
 "تو چھپا کر گئے کی کیا ضرورت تھی؟" انہوں نے مھوڑا۔  
 "پھیلے نہیں وہ تو لوہر۔"  
 "تالہ! میں نی بیان لایا تھا۔" نعمان کی آواز پر وہ لوہر لگی۔  
 "میں پہلے ان کو دھک لہا ہوا۔ جتنا کانا ہے اس سے دھکی آنکھیں دکھانا ہے۔" وہ بڑھانے لگے۔ گھر میں عجیب سی ہڑونک مچی ہوئی تھی۔ ٹوہان لوہر سے تیار ہو کر خوشبو میں ڈسائے کیا۔  
 "نشاؤ اللہ! امیر ایذا ہو لگا ہے۔ آج تو لوگ جل مریں گے۔" بے کوئی اس جیلہ نے جیدہ سارے کلام چھوڑ کر اس کی بلانیں لینے لگی۔ نعمان نے مڑ کر ٹوہان کو دیکھا اور مسکرایا۔  
 "میں اللہ! یہ تو قصہ اتیرا! اسرینا! اسی کی بلانیں لے گی۔"  
 "نہیں۔ تو بھی کسی سے کم نہیں۔" تل نے قسلی دی۔ ساتھ ہی پکارا۔ "مریم! اور مریم! جلدی سے مر جیں ملا کہ پتے میں سے وارہوں۔"  
 "تل! میں عرشہ سے جوتے لینے جا رہی ہوں۔" مریم نے جواب دیا۔ "لور عرشہ کی طرف آگئی۔"

وہ میک اپ کردی تھی۔ مریم ٹھک گئی۔ میون اور گلابی اس حراج کے جدید اسٹائل سوٹ میں وہ قفسب ڈھاری تھی۔

"تم نے سوٹ کب لیا؟"

"اسی کے ساتھ جاکر لائی تھی۔" عرشہ مڑ کر مسکرائی۔

"شادی کے لیے؟"

"جی۔"

"مجھے دکھایا ہی نہیں۔" اس کے لمبے میں حسدی حد تھا۔

"ابھی کل ہی تو لائے ہیں۔ تم اس وقت مسندی لگوانے لگی تھیں۔" عرشہ نے کالوں میں دی ٹاپس ڈالنے ہوئے بتایا "جو عداوت نے اسے میٹرک پاس کرنے پر بنا کر دیے تھے۔"

"تم تیار ہو گئیں؟"

"ہوں۔" تم سے اسٹریپ والے بلیک سینڈل لینے آئی تھی۔

"لوہہ تو میں نے پہن رکھے ہیں۔" عرشہ نے پاؤں سامنے کیا۔ "تم کوئی اور دیکھ لو راکون۔"

"نہیں سوٹ پرانا ہے تو میں سینڈل بھی پرانے پہن لوں گی۔" مریم کا مزاج مکمل طور پر بے رحم ہو چکا تھا۔ اسے اپنی ساری تیاری بے کار لگنے لگی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" عرشہ کدھے اچکا کر میون اور گلابی چوڑیاں پہنے لگی۔ مریم پاؤں جانتی وہاں سے چلی گئی۔

"عرشی! اب جلدی آجائو میں جاری ہوں۔" عداوت اندر آئیں پھر ٹھک گئیں۔

"برہی بات عرشہ! اتواری لڑائیاں اتنا میک اپ نہیں کر تیں۔" انہوں نے نرمی سے ٹوکا۔

"اسی راز وہ تو نہیں ہے۔" عرشہ نے آئینہ دیکھا۔

"ہاں۔ بس لپ اسٹیک ہلکی کرلو۔ زیادہ میک اپ سے نیچل بیٹنی رہ جاتی ہے اور میری بیٹی دیے ہی بہت پیاری ہے۔"

"لوگ۔" عرشہ اپنی تعریف پر خوش ہو گئی۔

"پچھلا میں جاری تم بھی جلدی کو۔"

"بس چوڑیاں پہن لو۔" وہ جلدی جلدی چوڑیاں پہنے لگی۔ تھوڑی تک تیس اس لیے وقت ہو رہی تھی۔ دوسری طرف اٹھنے والا شور تیار تھا کہ سب گاڑی میں بیٹھنے والے ہیں۔ چوڑیاں پہن کر عرشہ نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔

"آج قفسب ڈھاری ہو۔" آئینے نے سرکوشی کی۔

"پچھلا تو کیا آج کچھ بولے گا؟"

آئینہ خاموش ہوا "مگر اس میں تو میں کا عکس بولے لگا۔"

عرشہ گھبرا کر بھاگ۔ تو میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کچی کلیوں کی بازگ لڑکی گلابی رنگ کا ڈھسے آنکھوں میں خوابوں کی دھندلک لپوں پر شریلی مسکرت۔

جنگی نگاہ تھی مگر وہ تو میں پر اپنا آہ بارہنگی ہے۔ اس کی اتار اور خود پسندی بند ہوئے لگی۔

"آج تو اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ کوئی بھی ساری دنیا کے خزانے میرے لئے کو تیار ہو جائے۔" وہ لپٹ کر ڈرنگ ٹیبل پر رہی اشیاء کو آٹھوا چھیننے لگی۔

"مجھے کسی کے خزانے کی ضرورت نہیں۔" عرشہ کو لگا جی لہو ہے۔ اگر اس لمبے میں تو میں بندھ گیا تو ساری عمر کے لیے قید ہو جائے گا۔

"تو۔" وہ قریب آیا اتنا قریب کہ اس کے پٹوم کی میک عرشہ کے حواس پر طاری ہونے لگی۔

"کبھی کبھی کسی کے کچے چہرے الفاظ انمول خزانوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔"

"کون سے الفاظ؟" وہ مستقل انجان بن رہا تھا۔

"آپ کے پاس میرے لیے چند الفاظ بھی نہیں؟" عرشہ نے ایک اداس کلمہ۔

ایک پل کو تو میں حیران رہ گیا۔

اتنی بے باکی اتنی جرات اتنا کھلا اظہار۔

"تو سنو۔" وہ اس کے کان پر جھکا۔

"کوئی وعدہ نہیں ہم میں۔"

نہ تپس میں بہت تپیں نہ ملنے میں بہت شرفی نہ آخر شب مٹا جائیں مگر اک ان کی سی ہے جو ہم دونوں جگتے ہیں۔

"عرشی! وہ۔" عداوت اپنی دھن میں اندر آئیں۔ تو میں بدک کر چپکے ہٹا۔

عرشہ گھبرا کر مڑی تو ہاتھ لگنے سے پٹوم کی شیشی نیچے گر گئی۔

عداوت ششدر سی کھڑی بھول گئیں کہ کیا کہنے آئی تھیں۔

پٹوم نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔

خوشبو چار سو بھرنے لگی۔

خوشبو جو سارے راز افشا کر رہی ہے۔

"کب سے کہہ رہا ہوں اب کھلو بھی۔" مگر ان لڑکیوں کی تیاری بھی تو میں بول کھلا کر رہا ہر گھل گیا۔ عداوت ہکا بکا تھیں "بچپن سے ایک ساتھ ملے رہے تھے۔ یوں کھڑے ہو کر بات کرنا انوکھا نہ تھا مگر انوکھے تو دونوں کے اندر تھے۔"

"گور کتنی دیر ہے؟" عداوت نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں آ رہی ہوں۔" عرشہ دھونے لڑتی رہا ہر ٹھک گئی۔ شادی میں انجوائے کرتے اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ وہ اپنی ماں کے لیے گھروں کے بجائے کون کون سے در کھول آئی ہے۔



گڑبڑ والی چائے کی پیالی سے اچھی بھاپ معدوم ہو گئی تھی۔

ابھی ایرار نے ایک گھونٹ نہیں لیا قفسب سائبر صاحب عشاقی نماز پڑھ کر آئے تو ٹھک گئے۔ وہ ابھی تک نہیں گیا قفسب سائبر نے بتایا تھا۔ اس نے نماز بھی نہیں پڑھی اور کھانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

"کیا بات ہے بلوینا! ٹھیک تو ہو۔" انہوں نے لڑکی اتار کر کھونٹی پر ٹانگی۔ گھٹوں کی راتیں گھنٹی ہونے لگی تھیں۔

لگی تھیں۔ رات کو گرم کپڑوں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

"جی ماسٹر صاحب! ایرار نے کہا اور پیالی اٹھائی چائے میں ہلکی سی گرائس تھی۔ وہ ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔

"گھر نہیں جانا؟" انہوں نے چار پیالی پر بیٹھ کر کہیں ناگھول پڑا لیا۔

ایرار خاموش رہا۔

"ہاں انتظار کر دیں ہوگی۔" انہوں نے پھر کما تو ایرار کھڑا ہو گیا۔

ماسٹر صاحب نے اسے بنوور دیکھا پھر نرمی سے بولے۔

"بلو! نہیں جی چاہو رہا تو بیٹھ جاؤ۔ گھنٹی رات کو گھوٹوں میں پھرنے کی ضرورت نہیں۔" ایرار اسی طرح بیٹھ گیا۔

"چائے نے کچھ کہا ہے؟" وہ اس کے گھر کے حالات سے بتاتی آگے تھے۔

"کچھ۔" ایرار نے غصہ اٹھا کر انیس دیکھا۔ "بہت کچھ۔ سب کچھ چائے کا ہے۔ بس میں چتا اس کا کہ میرے ہاتھ سے کتابیں چھین کر کہیں بیٹھ گئے۔ وہ چاہتا ہے میں کالج چھوڑ کر اس کے ساتھ زمینیں سنبھالوں۔"

"اس کا بیٹا نہیں ہے اس لیے چاہتا ہے کہ تم اس کے بازو جو سہل کالج چھوڑنے والی بات لفظ ہے۔ زمین سونا آگتی ہے تو علم و دین کو ذریعہ کرتا ہے۔" ماسٹر صاحب نے رسالت سے کلمہ۔

"جیال کیا جانیں علم کی قدر۔"

"تم خود کو عالم سمجھتے گئے ہو۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔

ایرار کو اپنی لفظی کا احساس ہوا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ چھاپی کی ہر شکایت پر چاہا بار بار بے عزتی کرتا ہے۔ خرچہ کچھ پورا نہیں دیتا۔ دودھ بھی کراہ دیتی ہے۔ ایک ایک پیے کے لیے ہاتھ پھیلاتا پڑتا ہے۔ کیوں میرا اس زمین میں



حصہ نہیں ہے کیا؟ آج وہ صحت کر رہا ہے تو کل کو میں بھی کمزور تھا۔ گاہ کہیں لے جاؤں گا؟ اسی گھر میں لاؤں گا۔ ۱۹۹۱ء پر اردل کی بھڑاس نکالنا چاہا گیا۔

”صفر کو اسی بات کا تو جین نہیں ہے۔ اسے لگتا ہے کہ جب تو بڑھ لگے کر کسی ملازمت پر لگے گا تو میں نہیں رہے گا۔ گھر چلا جائے گا۔ اس کے ساتھ۔“

”جیسا اس کا سلوک ہے۔ یہی کہوں گا۔“

”دیکھو چرتو میرے شاگردوں میں سب سے ہونما شاگرد قتلہ تھے۔ بہت آگے جاتا ہے۔ پر ابھی تیری منزل دور ہے۔ میرا دور قتل سے یہ وقت گزرا۔ اسے اسے یہی لگتا ہے کہ تو اس کا ہاتھ نہیں مٹاتا۔ تو اس وقت نکال کر کھیتوں میں چلا جایا کر۔ اس کے شکوے بھی دور ہو جائیں گے۔“ ماسٹر صاحب نے رسائی سے سمجھایا۔

”اس کے شکوے کبھی دور نہیں ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں۔ شہر میں سے قتل دور ہے۔ وہ دو گینیں بدل کر جاتا رہتا ہے۔ کالج شہر کے آخری کھڑے ہے۔ آتے آتے شام ہو جاتی ہے۔ میں کیا کروں اور چاہتے ہیں کہ کون سا میرا خرچا اٹھا رکھا ہے ایک ایک پیسے کے لیے ترسنا ہے۔ جس دن کراچی کے رقم کم ہو گئے پیدل کالج تک جانا پڑتا ہے۔“ وہ جی سے کہتا چلا گیا۔

”اور ماسٹر صاحب! آج میرے ساتھ جو یہ سلوک کر رہے ہیں۔ میں کل ان کے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ یہی کچھ لوٹاؤں گا۔“

”ہولہ نہت ایک رک۔ اللہ سارے رستے کھول دے گا۔ مشکل وقت ٹل جانے کے لیے ہوتا ہے اسے میرے گزراؤں کا تو بیٹھا پل پائے گا۔ میں تجھے ہمیں قصہ اولوں پر تیری مایہ دوزاؤں سے لگی ہلک رہی ہوں گی۔ جاؤں کو اتنا نہ ستاؤں دنیا میں اللہ کے بعد تو ہی اس کا سارا ہے۔ جا میرا اللہ تمہیں۔“

ایبار ست روئی سے اٹھ کر مایہ کے انتظار کا خیال نہ ہوتا تو ابھی کھر کا شہ نہ کرنا۔ مگر اب جانا تھا۔

رات کافی بیت گئی تھی۔ مگر سب لوگ ابھی بھی باہر تھے۔ تیروں میں مصروف تھے۔ چائے کے دور چل چکے تھے مگر کپ شپ جاری و ساری تھیں۔

”تو! اچانک کسی سستی پر تیش سے میک اپ کر دیا تھا۔ سارا منہ لالوالا کر دیا اور اتنی شیف۔ تو یہ!“

مریم نے قانون کو ہاتھ لگایا۔

”اور اس کے سر پر والے دیکھتے تھے؟ ساری عورتیں اپنی شادی کے جوڑے پن کر کئی تھیں۔ چند ہندو سال پرانے۔“ ساجدہ بھی ان کے ساتھ ہی آگئی تھی۔

”مرے لوگ بڑے سیانے ہیں۔ میرے ہمارے جیسے نہیں ہیں۔“ مریم نے جل کر کہا۔ ”ہاتھ لائی دیو دلی کو ہوا بیٹا تھا۔ کیا لے کر آئے اس کے میکے والے؟ کئے تے سولہ۔ اور کہہ کر ہمارا اتنا خرچ کر دیا۔“

”کپ ہی فوراً!“ اس کی باتوں میں آہاٹی ہیں۔ ان کی بات کا پلے میں رہا تھا کیا؟

ساجدہ ترخ کر رہی تھیں۔ عجلانے طویل سانس لے کر عرشہ کو دیکھا۔ وہ اب بھی قافلہ اور مریم کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔ پوری شادی میں انہوں نے بہت کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا۔ جی کے بدلے ہوئے انداز ان کے نظرات میں اضافہ کر رہے تھے۔

انہوں نے بہت فور سے عرشہ کو دیکھا۔ وہ واقعی بڑی ہو چکی تھی۔

”عرشہ!“ انہوں نے گہرا کر پکارا۔ کواڑ اتنی بلند تھی کہ سب مڑ کر انہیں دیکھنے لگے۔

”کتنی دیر ہو گئی ہے عجب چلو مچ کالج کے لیے لیت ہو چلو گی۔“

”میں تو صبح بالکل میں جاری کالج ساعی تو تھیں ہو رہی ہے۔“ مریم نے آرام سے کہا۔ عجلانہ عرشہ کو اشارہ کرتے کھڑی ہو گئیں۔ مگر آکر بھی عرشہ نے کپڑے نہیں بدلے۔ یہی مسوری کھوتی رہی۔

آخر عجلانہ کو کوئی تیار نہ ملا۔

”اب کیا ہو گئی پکراتی رو گی۔ کپڑے بدل کر کو۔“

عرشہ نے ٹھٹھ کر کہا۔ وہ کچھ ابھی ہوئی لگ رہی تھیں۔

اسے صبح والا مہر یاد آیا تو کپڑے بدلنے کے بدلے کھٹک گئی۔ دوا لیں کئی تو عجلانہ جاگ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے کپڑے اوڑھ کر لٹ گئی۔

”عرشہ!“ وہ ہم غنڈی میں بھی جب عجلانہ نے پکارا۔

”جیسی تو بن کر گیا لگتا ہے؟“

عرشہ کی ساری غنڈی اڑ گئی۔ ”اچھا ہے۔ اچھا لگتا ہے۔“

”ہولہ۔“ عجلانہ کسی کمری سوچ میں مگن ہو گئیں۔ عرشہ ہنسنے لگی کہ وہ کچھ اور پوچھیں تو وہیں سے دل کا مال کمرہ کے کمرے میں داخل خاموش ہو گئی تھیں۔ عرشہ نے کمرے بند نہتے ہوئے سوچا۔

”اچھا تو انی کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔ اللہ خیر کرے دیکھ تو بن میں کس چیز کی ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنا ہے۔ میں بیوہ ای کی نظر کے سامنے رہوں گی۔“

اپنی ہی سوجھ بوجھ نے اس کے لبوں پر پھل کھلا دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

جیلہ کب سے دلیز پکڑے جیسی تھی۔ رات کمری ہو گئی تھیں میں پھر تے کواڑ کتے بھی منہ چھانگے کمری خاموشی پورے کھوں پر سائے کی طرح چھیل گئی۔ ہاتھ میں چاقو گر دن ہلاتے تو گردنوں میں بندھی گھنٹیں گنگناہ لگتیں۔ تاریک رات کی گود بے حد روشن ستاروں سے بھری ہوئی تھی۔

”تالی! تم ابھی تک سوئی نہیں۔“ جیسی آنکھیں ملتی سر کھڑی تھی۔ وہ پانی پینے کے لیے اٹھی تھی جو صحن کے آخری گوشے میں تھا۔

”میں کا کچھ گھمبیر میں دل ہل رہا ہے۔ خیر کہیں آئے۔“ جیلہ نے بڑے سے آنکھیں شگ کیں۔

”ہائے اللہ! ابو ابھی تک نہیں آیا؟“ جیلہ نے کہا جیلہ والی نظروں سے بڑی کو دیکھا۔

”سارا سیلا تو نے لگایا تھا یا ضرورت تھی جیسموت کی لگنے کی۔ چاہے جیسموت میں یہ گرم جلخ کے ہیں۔“

”موا میں نے کوئی جیسموت بولا تھا۔ بلونے مجھ سے خود یہ سب۔“ جیسی نے ٹک کر کچھ کتنا چاہا۔ جیلہ نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”جیسموت میں بلونے کچھ کمرہ ہی دیا تھا تو بی نہیں سکتی تھی۔ ذرا سی بات اور۔“

”ہاں سارا قصہ تو میرا ہے۔ جیسی رو ہا ہی ہو گئی۔“

”ہائے دیالی! تو جی رات کو دوواڑے پر پارٹ کیوں کھڑی ہے۔“ کبری کی کیا شاندار آواز پر جیسی نے مڑ کر دیکھا۔

”اللہ! ابو ابھی تک گھر نہیں آیا۔“

”ہائے۔“ کیا تھا کالے! ابو گھر کا راستہ بھول گیا۔ کس پھر پڑا ہوگا کواڑ۔ تو کیا اس کی رو تک رہی ہے۔ چل دھو ہو اندر۔ اب میں بیٹوں کے تماشے تو چلتے رہیں گے۔ دن کو کچھ نہ رات کو سکون!“

کبری نے کہا جیلہ والی نظروں سے جیلہ کو دیکھا۔

”جیلہ کبری! خواہ تو امیرا جی نہ جلا۔ میں نے نہیں کہا، اس سے میرے پاس دوواڑے پر کھڑی ہو۔ میں اپنی پتی کر لہو کچھ رہی ہوں۔“

”ہونہ پتر۔“ جیسی نے ہل کی فکر ہے نہ خیال۔ چلی گئی۔ ”وہ بڑی کو شو کا کراؤ رہی گئی۔“

جیلہ نے طویل سانس لے کر گفتگوں پر سر جھکا لیا۔

بلونے ناموں کی روشنی میں دوواڑے پر ایستادہ اس سائے کو دیکھ لیا تھا۔ شرمندگی سے اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ سارے دن کی جیسی ہادی میں کو اس وقت گرم ہستہ میں ہونا چاہیے تھا اور وہ اس کی

خاطر سہری میں غصہ رہی تھی۔

ایرا کو خواہنا غصہ آنے لگا۔

”اُمی! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟“

جیلہ جھنگے سے اُمی گور اس سے پٹ کر رونے لگی۔

”صدے جاؤں پتا تو کہاں چلا گیا تھا۔“

”اُمی! کہاں جاؤں گا؟“ کوہری تھا گھوس میں۔ تو

آرام سے سو جاتی۔“

”آرام سے۔“ جیلہ نے سر اٹھا کر بیٹے کو

دیکھا۔ وہ اس سے اونچا ہو گیا تھا، ایسا مشورہ دے سکتا

تھا۔ تاروں کی اجلی روشنی میں جیلہ کے آنسو

جھلکار رہے تھے۔

”تجھے دیکھے بغیر تو مجھے سلا نہیں آتا پڑاغید کیسے

آتی۔“

”جھا، سہری ہے۔“ اندر چلی۔ ایرا کو دعا مست

ہونے لگی۔

”دیکھ سکتا لکڑا ہو رہا ہے۔ چل لطف لوٹھ کے

لیٹ میں تیری لیے دودھ پیلائی ہوں۔“

وہ منع کرتا چاہتا تھا مگر جیلہ تیزی سے پورچی

خانے میں چلی گئی۔ تب ہی بشری پورچی خانے سے

نکل آئی۔

”آئیادلیس۔ بیادلی اقرار ہے۔ اسے کی باتیں نہ

سن سکا۔“ وہ چلتی ہوئی اس کے سامنے نکلے۔ ایرا نے

لب بھینچ لیا۔ ”ویسے اتنا ہی غصہ تھا تو واپس کیوں

آیا؟“

”تو مجھے سمجھتی کیا ہے؟“

”میں تو تجھے کچھ بھی نہیں سمجھتی۔“ ایرا نے ایک

دم اسے بازوؤں سے دبوچا اور غرایا۔

”اپنے آپ میں رہ ورنہ تیرا وہ حشر کون کا کہ یاد

کرے گی۔“

وہ ایک دم ڈر گئی۔

ایرا نے اسے جھنگے سے چھوڑا اور اپنے کمرے

میں چلا گیا۔

وہ کئی قدم لاکھڑا کر دی اور ساکت سی رہ گئی۔ شاید

اسے بلوے اس چار حانہ دوسرے کی توقع نہ تھی۔

”کہا ضرورت تھی اتنا غصہ کرنے کی۔“ کبری لطف

میں دیکھے اصرار کے باوجود پاری تھی۔

”شباب شے پہلے میرے کھن بھرتی ہے۔ سنا سنا

کے غصے کو ہوا دیتی ہے۔ بعد میں کیا ضرورت تھی؟“

اصرار نے کبری کے ہی انداز میں کہا۔

”بس میں نے تیرے کون سے کھن بحر

دیرے؟“ کبری نے غصے سے ہاتھ سمجھنے لیے۔

”بھئی یہ زبانتوں میں دل پھیرے بندے کی سمجھ

میں نہیں آتے۔“

”بھئی تھا تجھ سے وہی کہا تھا۔“

”تو میں نے بھی وہی کیا، بھئی کتا ہے۔“ اصرار

ترکی پر ترکی بولا۔

”ہوں خون ہے۔“ تجھے اس پر یوں ہاتھ نہیں اٹھاتا

چاہے تھا۔ اس طرح تو وہ بالکل ہاتھ سے نکل جائے

گد۔“ کبری نے جی پٹ کی۔

”آخر تو چاہتی کیا ہے؟“ اصرار جھنجھلایا۔ کبری نے

بسب کی پتلی روشنی میں شوہر کا چہرہ دیکھا۔

”اصرار! نہ بول، بول تو بول دمی کھاپ ہے۔“

”کیا مطلب؟“ اصرار کی طرح جھنجھلایا۔

”میں پر بس اتنا رعب رکھ کہ وہ تیرے کہنے میں

رہے بشری کے لیے اس سے اچھا بر کمال سے ملے

گد۔“

اصرار کا نہ حیرت سے کھل گیا۔

(بقی آئندہ نمبر میں شائع)



# سارو پری لہو لہو

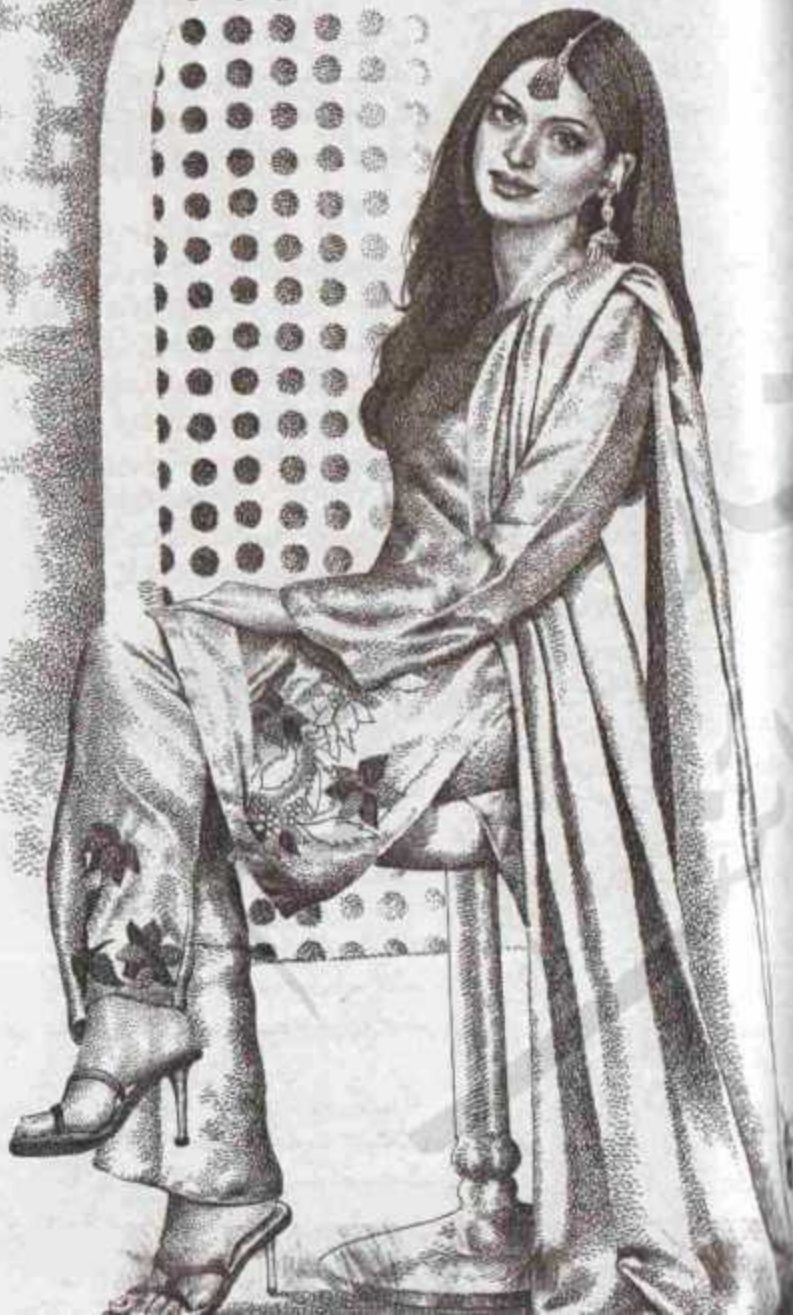
کاولیٹ

عرشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں، مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جھانی اپنے بچوں نعمان، ثوبان، فرید، فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں، ہانوا اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں، عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ عادلہ اور حمیدہ کی مندر ہیں، ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال، جمال ملک سے باہر ہے مگر اس کی بد مزاجی بڑی طبیعت میں رہتی ہے۔

ایراد جیلہ کا بیٹا ہے شہر میں پڑھتا ہے، باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چچی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے، اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑواتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس بیٹی بشری کی ایرار سے شادی ہو جائے۔

دوسری قسط





”کل تک وہ نہانے بھر کا آواز تھا۔ اب وہ تجھے بشری کے لیے ٹھک لگ رہا ہے۔“  
 ”وہ تو اس لیے کہتی ہوں کہ تو اکیلا ہے۔ وہ بھی تھوڑا بہت ہاتھ بٹلا سے سائرس صاحب بتا رہے تھے، پڑھنے لکھنے میں اچھا ہے۔ کل کو کسی اچھی نوکری پر لگا تو فائدہ بھی تو اپنا ہی ہے۔“ کبری نے محل سے سنبھالیا۔

”اصغر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔“  
 ”تو پھر میں جمیلا سے ابھی بات کر لیتا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ وہ کچھ اور سوچ لے۔“  
 ”جلدی کس بات کی ہے۔ کر لیں گے۔ بس ذرا بلوے نرم بات کیا کہ زیادہ سختی بھی اچھی نہیں۔“  
 ”بھل ٹھیک ہے۔ اس معاملے میں زمانہ کی عقل کچھ زیادہ ہی چلتی ہے۔“ اصغر کہہ کر لیٹ گیا۔  
 ”کبری نے دل میں سوچا۔“  
 ”ابھی سے بات کر کے جمیلا کو اپنے سر پر بٹھالوں۔ پہلے ہی پتھر برلمان کرتی ہے۔“

نبیلہ بچن میں کھانا بنا رہی تھیں۔ صبح سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن وہ ہر تک جب کھانا بننے کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو مجبوراً انہیں اٹھنا پڑا۔ ورنہ محسن نے اگر شور مچا دیا تھا۔ طیبہ نے دیکھا مگر نظر انداز کر گئی۔

”جب میرے ہاتھ کا کھانا پسند ہی نہیں آتا تو مجھے کیا ضرورت ہے اٹنا کھینے کی۔“  
 ”بیکم صاحب! جب طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو جا کر لیٹ جائیں۔ میں جیسا تیار بنا ہی دوں گی۔“ ملازمہ نے انہیں ہمدردی سے دیکھا۔ وہ بار بار پانی کا گھونٹ بھر رہی تھیں۔

”وہ جیسا تیار کھانا محسن کو پسند نہیں آتا بتول! انہیں تو چاہیے۔ وہ کھانے کے معاملے میں کتنا غریبا ہے۔“ انہوں نے بتول کے ہاتھ سے کٹے ہوئے ٹکڑے لے کر میڈیا میں ڈالے۔

”آپ میں بھی تو دم خم نہیں رہا۔“  
 ”یہ سیدھے محسن صاحب کی شاوی کر دیں۔“  
 ”ہاں۔ سوچ تو میں بھی ہی رہی تھی۔“  
 ”ہاں پر یہ دیکھ لیجئے گا۔ لڑکی کو گھر داری کا شوق ہو۔ ورنہ تو۔“ اندر آنی طیبہ نے بتول کا ہاتھ سن لیا تھا۔ کڑے تیوروں سے صبور۔  
 ”تمہیں صرف باتیں بتانی آتی ہیں۔ کب سے تمہارے کپڑے استری کرو۔“  
 ”وہ چھوٹی بی بی! تب لائٹ نہیں تھی۔ تو میں صاحب کی مدد۔“  
 ”نبیلہ! مدد تو اب جا کر کپڑے استری کرو۔“  
 ”جابل لوگ۔“ بتول نبیلہ کو دھمکتی چلی گئی۔

”برہی بات ہے بیٹا! ملازموں کے ساتھ بھی ذرا۔“ انہوں نے رسالت اور نرمی سے سمجھا دیا۔  
 ”طیبہ نے بات کاٹ دی۔“  
 ”مجھے تو آپ ہر وقت۔ نصیحتیں کرتی رہتی ہیں۔ کہ گھر کی باتیں باہر نہیں کرے اور خود ملازمہ کے سامنے میری برائیاں کرتی رہتی ہیں۔“

”نبیلہ! دھکنا پٹیلی پروے کر حیرت سے مڑیں۔“  
 ”میں نے تمہاری کون سی برائیاں کی ہیں؟“  
 ”میں رہنے دیں امی! میں سب جانتی ہوں۔“  
 ”گھر کے کام نہیں کرتی، کڑوں تو بے دلی سے کرتی ہوں۔ آپ کا اور گھر کا خیال نہیں رکھتی۔ شوہر محنت کی کمانی شاینگ میں اڑاتی ہوں۔ مجھے نظر آتا ہے اور ستائی بھی دیتا ہے۔“ طیبہ بدتمیزی کرتی چلی گئی۔

”اگرچہ اس میں سے کوئی ایک بات بھی مجھے نہیں۔ لیکن اتنی تہذیب ہے مجھ میں کہ گھر کی باتیں دو سروں پر خاص طور پر ملازمہ کے سامنے کر دوں اور دوسری بات اپنی فرسٹریشن نکالنے کے طریقہ انتہائی غلط ہے کہ تم بھول سے بات کر رہی تھیں۔“  
 ”تیز بھی بھول جاؤ۔“  
 ”انہوں نے ہلکی آواز لیکن سخت لہجے میں تنبیہ کی۔ طیبہ کانٹہ کھل گیا۔“

”آپ مجھے فرسٹریشن دے رہی ہیں؟“  
 ”طیبہ! اپنے کمرے میں جاؤ۔“ انہوں نے حملہ کیا۔

”میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہی باتیں آپ محل سے بھی کہتی ہیں۔ تب ہی وہ مجھے اپنے پاس لے گیا۔“ وہ غصے سے پاؤں پختی چلی گئی۔ اندر آئے محسن نے حیرانی سے طیبہ کو دیکھا۔  
 ”نبیلہ! امی! ابھی کو کیا ہوا؟ اندر سے تیل کی طرح پھرتی پھر رہی ہیں۔“

”محسن۔“ نبیلہ نے سارے کے لیے ہاتھ دھوئے۔ محسن نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں گھسیٹا۔  
 ”امی! کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں، چکر سا آیا۔ مجھے میرے کمرے تک نہ لے سکی۔“ وہ چلتی تو بھی محسن کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ جذباتی سا لڑکا تھا۔ خواہ مخواہ طیبہ سے اچھے لگاؤ ہو جاتا۔

”نبیلہ! بار بار کھانا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مت کر۔“  
 ”میں بچن میں لیکن آپ ہیں کہ سختی ہی نہیں۔“  
 ”میں سارا دے کر کمرے تک لایا اور آرام سے لٹا۔“  
 ”نبیلہ نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل بہت سی دھڑکتا تھا۔

”امی! کیا بات ہے؟“ محسن نے آہستہ سے پوچھا۔  
 ”نبیلہ! کوئی حساس سے بے پروا کر رہا تھا۔ تو میں کھول دیں، ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھل گئی۔

”ہاں بیٹا! کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔ بتول سے کہو۔“  
 ”نبیلہ! دال دے۔“

”امی! میں بچہ نہیں ہوں، جو آپ میرے کھانے کے لیے اتنی پریشان ہوتی ہیں۔ کھانوں گا۔ آپ آرام سے لیٹی رہیں۔ بلکہ ایسا کرتا ہوں۔ یہیں آؤں۔“  
 ”انہوں نے کچھ مل کر کھائیں گے۔ وہ پہلے کھانا کھا کر خیال آنے پر لہجہ بدل کر لڑا تھا۔  
 ”نبیلہ! مجھے بالکل بھوک نہیں لگ رہی۔ تم۔“

”لوگ۔“ وہ آرام سے بان گیا۔  
 ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ طیبہ کے دل میں میرے خلاف اتنی کدورت اور بغض ہے۔ لیکن کیوں۔“  
 ”میں نے تو بھی اسے ہوس نہیں سمجھا۔ بیشہ بنی ہی جانا۔ اور وہ۔“  
 ”جبل کا خیال آتے ہی وہ بے چین ہو گئیں۔“

عادل اسکول سے گھر آئیں تو عرشہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ انہوں نے پریشان ہو کر تیز رفتاری پر پارک کو دیکھا اور جھٹلی کی طرف آگئیں۔ جہاں فاطمہ پکڑے بنارہی تھی اور مریم مڑے سے چٹکی میں ڈوب ڈوب کر کھا رہی تھی۔

”مریم کالج نہیں گئیں؟“ وہ مریم کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئیں۔ اس کا مطلب تھا عرشہ کالج میں اکیلی ہے۔  
 ”ج سے موسم خراب تھا میں نے تو عرشہ سے بھی کہا تھا چھٹی کر لے۔ مگر وہ مانی نہیں۔“ مریم نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

”مجھے تو لگتا ہے دن والا نہیں گیا۔ موسم بھی اتنا خراب ہے۔“ وہ قدرتی طور پر پریشان ہو گئیں۔  
 ”بچی! آپ ٹوبان کو فون کریں، وہ عرشہ کو پک کر لے گا۔“ فاطمہ نے مشورہ دیا تو وہ سر ہلاتی فون کی طرف آگئیں۔ ٹوبان نے تسلی دی کہ وہ عرشہ کو لے لے گا۔

”اب خدا کرے وہ کالج سے نہ نکلی ہو۔“ عادل نے زیر لب کہا فاطمہ ان کے لیے وہیں چائے لے آئی۔  
 ”ارے عرشہ آجائے تو اٹھنے کی باتیں گے۔“  
 ”بچی! آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ ٹوبان لے آئے گا۔ آپ آرام سے بیٹھ کر چائے پیئیں اور گرامر کم پکڑ لیں گے۔“ فاطمہ نے تسلی دی۔  
 ”کیا کہیں ہیں؟“

”ہاتھ روم میں ہیں۔“ تب ہی باہر کے دروازے پر زور کی دھمک ہوئی۔



”کہا ہوں گے۔ وہ بھی رنج کے نکلے ہیں۔“ قاطمہ نے ٹرے ان کے سامنے رکھی اور دوپٹہ سر پر رکھتی بھاگتی ہوئی صحن عبور کر گئی۔ بارش کا پانی ڈبو ڈھکی میں بھی اٹھا ہونے لگا تھا۔ قاطمہ نے دروازہ کھول دیا، پھر صحن کو دیکھ کر ٹھنک گئی۔

”آپ!“

”اللہ کی ہندی اندر آنے دو گی، میں بارش میں کھڑا ہوں۔“

”اوہ سوری۔ آجائیں۔“ قاطمہ نے کھسیا کر رست دیا۔



دوب کب سے شیشے کے نیچے کھڑی برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ رکشے، دیکھیں اس کے سامنے آتے اور گزرتے رہتے۔ تب ہی ایک گاڑی اس کے پاس آئی۔ ٹوبان کو دیکھ کر وہ اندر تک رسکون ہو گئی۔

”تن تو کچھ اور بھی مانتی تھی۔“ لیکن کچھ اور کیوں مانتی تھی۔“ وہ دھاتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔

”آپ کیسے آگے؟“

”پچی کا لون آیا تھا۔“

”بہت اچھا ہو گیا۔ میں کب سے وین کا انتظار کر رہی تھی۔“

”وین والے کا دلخ خراب ہے، جو اس موسم میں روڈ پر نکلے گا۔“ ٹوبان نے گاڑی بڑھائی۔ ”اور موسم تو رنج سے خراب تھا۔ جب مریم نے چھٹی کی تو تم کیوں آئیں۔“

عریشہ کو اس کی ڈانٹ خاصی بری لگی۔ ”میرا بہت ضروری ٹیسٹ تھا۔“

”ہو گیا؟“

”نہیں۔ مس آئیں ہی نہیں۔“

ٹوبان نے بے ساختہ اسے دیکھا اور ہنس دیا۔

”آپ کو اتنا برا لگا ہے تو نہ آتے۔ میں پہنچ ہی جاتی گھر۔“ وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔ تب ہی گاڑی میں کسی خوشبو کا احساس ہوا۔ اس نے چونک کر ٹوبان کو، پھر

پچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہاں سرخ گلابوں کا گلدستہ پڑا، منک رہا تھا۔

”یہ کس کے لیے ہے؟“

”ایک دوست کی عیادت کو جا رہا تھا۔“

”اچھا۔“ دل خوش قسم کو ٹھیک سی لگی۔ ”میں کبھی شاید کسی دوست سے میرے لیے گاڑی اودھا مانگی ہے۔“

”بہت خوش فہم ہو ویسے یہ گاڑی بھی اسی کی ہے جس کی عیادت کو جا رہا ہوں۔“

”تو آپ کے پاس کیوں ہے؟“

”درکشاپ میں تھی اس نے کہا آتے ہوئے لے آؤں۔“

”کوئی خاص دوست ہی ہوگا۔“ عریشہ کے لیے میر ہلکی سی جھکن گئی۔

ٹوبان مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ عریشہ کچھ لمے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ پھر پیچھے مڑ کر بوسے سے ایک بڑا سا گلاب کھینچ لیا۔

”ارے۔ ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو، سارا بوسے خراب ہو جائے گا۔“

”ہو جائے۔“

”بہت ہی اوٹ پڑا ٹانگ لڑکی ہو۔“ ٹوبان گھور کر گیا۔ عریشہ گلاب کو انکھوں میں کھمانے لگی۔

”مجھے گلاب بہت پسند ہیں۔“ کچھ دیر کے بعد عریشہ نے دھجے لیے میں کہا۔ ”میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے بھی سرخ گلاب دے۔“ عریشہ کے لیے اس نے آنکھوں سے اس کی خواہش مترشح تھی۔

”تمہارا دل ایک سیڈنٹ کروانے کو چاہ رہا ہے۔“

”اللہ نہ کرے۔“

”میں جس کے لیے لے جا رہا ہوں، وہ کسی ایکسیڈنٹ کے بعد ہی اسپتال پہنچا ہے۔“

”غالباً آپ جانتے نہیں، سرخ گلاب بہت علامت ہوتا ہے۔“

”سوری،“ مجھے پھولوں کے بارے میں اتنا فاریش نہیں۔“



”بیلہ کو بھی لے آتے۔“ عاقلہ نے تیسری بار اس سے کہا تو حمید افسانہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہا۔

”ای! ای کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں تھی۔ اسی

”شاعرانہ مزاج رکھنے والا بندہ پھولوں کے بارے میں نہیں جانتا؟“

”شاعرانہ مزاج؟ کم آن عریشہ! میں تو اچھا خاصا پیکل بندہ ہوں۔ ہاں تم! لگتا ہے خواب بہت کھینچ رہی ہو۔“ وہ ہنسا۔

”اچھا۔ اور وہ جو مجھے لٹمنٹائی تھی؟“

”کون سی؟“ ٹوبان کے سرسری لہجہ پر عریشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جو کچھ اس کی ساری زندگی پر لکھا ہو گیا تھا۔ ٹوبان کے خیال سے بالکل محو ہو چکا تھا۔

تو کیا وہ صرف اک وقتی سی انزیشن تھی۔ صرف ایک بل کے جذبات۔ اور میں۔ خواب نگری میں اس ایک لمحے کو تھا۔ ان لفظوں کی پائل چھٹکانی اب اب خور قفس ہوں۔

اس نے ٹوبان کو دیکھا۔ وہ انہماک سے گاڑی چلا رہا تھا۔

عریشہ نے ہاتھ میں پکڑے گلاب کو دیکھا۔ اور اس سے اپنی محبت کی تصدیق چاہی۔

ایک ایک جی پھول سے الگ ہو کر امید و ناامیدی کے درمیان ڈوٹی اس کی گود میں گرنے لگی۔

محبت ہے۔

محبت نہیں ہے۔

محبت ہے۔

گاڑی آگئی۔ گھر کے سامنے رک گئی اور عریشہ اٹھا اٹھ میں پکڑے گلاب کی آخری تپتی پرائنگ گئی۔

”جو نہیں ہے۔“ پر جا کر رک گئی تھی۔ اس نے گلاب کو اسے باہر اچھل دیا اور خود تیزی سے اتر کر اٹھا لگا۔ گئی۔ ٹوبان وہیں سے واپس چلا گیا تھا۔

”لے انہوں نے قاطمہ کو لایا ہے۔“

”کیوں؟ تمہاری بھانجھی کہاں گئی۔ دو دن ساس کی دیکھ بھال بھی نہیں کر سکتی۔“ حمید افسانہ چمک کر بولیں۔

”وہ کرتیں تو مسئلہ کس بات کا تھا۔“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر راہ راست قاطمہ سے پوچھنے لگا۔

”کیوں قاطمہ! چل رہی ہو؟“

قاطمہ گھبرا کر کہاں کو دیکھنے لگی۔ تو مریم فوراً بول اٹھی۔

”صحن بھائی! میں چلوں۔“

”میں قاطمہ کو ای کی دیکھ بھال کے لیے لے جا رہا ہوں۔ تمہاری دیکھ بھال کون کرے گا۔“ مریم منہ بنا کر اٹھ گئی۔

”ارے۔ مگر قاطمہ کے بغیر میں۔“

حمید افسانہ نے کچھ کتا چاہا، مگر اس سے قبل ہی ہرکت صاحب کی آمد ہوئی، مشو منی قسمت کہ انہوں نے من بھی لیا تھا۔

”ہاں۔ ابھی تمہارے میکے سے بلاوا آجائے تو فوراً پہنچ دو گی۔ اب میری بن کو ضرورت ہے، تو اتنا کافی کر رہی ہے۔“ انھو قاطمہ جاؤ۔ بارش بھی رک گئی ہے۔ کل میں پتا کرنے آؤں گا تو تمہیں لے آؤں گا۔“ انہوں نے ساری بات ہی ختم کر دی۔ سب کے سامنے کچھ کتا اپنی بے عزتی کروانے کے مترادف تھا، سو حمید افسانہ دل ہی دل میں غص کر رہ گئیں۔ عاقلہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

”پچی! عریشہ کے لیے پکڑے لے جائیں، کہہ رہی تھی، کپڑے بدل کر آتی ہوں، آتی ہی نہیں۔“ قاطمہ نے کہا تھا۔



نعمان اپنے اسٹور کے دروازے میں کھڑا برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے اوپر ”نعمان پیر اسٹور اینڈ جی سی او“ کا بورڈ لگا تھا۔ چچا جب فوت ہوئے تو یہ اسٹور اتنی اچھی حالت میں نہ تھا۔ نعمان نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کی تھیں اب یہ علاقے کا صاف ستھرا



اور خوب چلتا ہوا سنور تھیلہ برقی پارک میں کسی گاڑی کے آنے کی توقع نہ تھی، سو وہ اطمینان سے کھڑا موسم کے تیور دیکھ رہا تھا۔

”نئی بھائی! اگر مگر جلیبیاں اور سموسے لے کر آؤ گے۔“ اس کے ساتھ کام کرنے والا لڑکا سر پر آکھڑا ہوا۔

”جلے دے یا رپارش تیز ہے۔“  
 ”اب اتنی بھی تیز نہیں۔ وہ پیر کا کھانا بھی نہیں  
 کھایا۔“ وہ مسکے فلک ہٹا کر یوں انعمان پر دیا۔  
 ”تیرا عیدہ پن میں چلے گا چل جا لے  
 آ۔“ نعمان نے پیسے نکال کر دیے تو وہ ہٹا گیا۔  
 نعمان نے سی ڈی پلیئر کی آواز اونچی کی اور شیڈ کے  
 ساتھ نیکسٹ ڈاکٹر ابھویا۔  
 وہ بے رنگ سا منظر تھا۔

تو اتارے برستی پارش۔ بھیکتی ٹٹنی، چھوٹی سڑک  
اور سڑک پر جمع ہو تپائی۔  
اسی پانی میں ایک دم رنگ سے ابھر آئے نعمان کا  
دل اسی ٹٹنی چھوٹی سڑک کے کھڑے پانی میں دھماکا سا  
ڈالنے لگا۔

چند منٹ تھے اور اسے یہاں سے گزر جانا تھا۔ اور یہی چند منٹ نعمان کی زندگی کا حاصل تھے مگر خود پر چھتری اُٹانے، سیاہ چادر میں لپی لڑکی یہاں سے گزری نہیں بلکہ اس کے سین سامنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس نے بوکھلا کر رستہ دیا۔ وہ تیزی سے اندر آئی۔  
اور چھتری بند کر دی۔ چھتری کے باوجود اس کی سیاہ  
چادر کہیں کہیں سے پھینکی ہوئی تھی۔  
”مجھے فون کرنا ہے۔“

نعمان نے بوکھلا کر فون سیٹ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ تیزی سے نمبر ڈال کر رہی تھی اور نعمان چپکے چپکے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ عام سے خدو و نال کی عام سی لڑکی۔ اس کے لیے کتنی خاص تھی۔ صرف نعمان کا بل جانتا تھا۔ ہر روز بیس سے زبردستی اور

”انہوں نے رسائیت سے سمجھایا۔ تو اس نے  
 ”آپ کھر جائیں اپنی والدہ کے پاس“ میں عیسیٰ  
 لے کر آتا ہوں۔“ تمہارے نے غلط میں کہا۔

”خدا کرتے ہو محسن! مجھ سے تو بوجھ  
 ڈالو، انا قاتلہ کو تکلف دیں۔“ نبیلہ نے پیار  
 سے پاس بیٹھی قاتلہ کو دیکھا جو جھل سی ہو رہی  
 تھی۔ محسن ہنسنا ہلکے قریب بیٹھا۔  
 ”آپ نے تو کبھی زندگی میں تسلیم نہیں کیا کہ آپ

”مومنوں کو کیا تو بتایا گیا۔“  
اب ان کو کیا تو بتایا گیا۔“  
”اور جو میں بتاتا کہ قاتل کو اپنے جارا ہوں تو آپ  
شوہر دیتیں۔ اور نہ ہی مملکت اسے بخشیں۔“  
”آپ کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ قاتل نے  
گواہی سن کر۔

”عنفری بی بی! میں آپ کو یہاں بھیجتی ہوں۔“  
 ”اب جلدی سے پہن میں جاؤ اور چار اچھی  
 اور اشرے بنا کر فرزند کریں اور ہاں۔ رات کے لیے  
 ہاں اور ضرور بنانا۔“  
 ”تینبہ! اچھی میں، جاؤ اپنے کمرے میں،  
 اپنے بچے کے ساتھ بہت سے باتیں کرنا  
 ”نبیلہ! اے انا کو وہ آرام سے اٹھ گیا۔“

میں نے کہا کہ تم اتنی دور کیوں بیٹھی ہو۔ یہاں

اپنا اٹھ کر ان کے قہقہہ آگئی۔  
 "اپنا اٹھ ہی ہو گیا۔ میں بھی سارا دن کسی سے  
 ملنے کے لیے ترس جاتی تھی۔"



فکر نہیں ہے۔ ارے دماغ کمزور ہوتا ہے۔ بل جھڑپ لگتے ہیں۔  
 "لہذا تمہیں بھی تو ساری فکریں عریضہ کی رہتی ہیں۔ کبھی اتنے پیار سے میرے سر میں تو تیل لگایا نہیں۔" مریم نے چڑ کر کہا۔ حمید نے آنکھیں نکالیں تو نہ سنا تالی پاس بیٹھ گئی۔  
 "تم کیوں جھلس رہی ہو۔" عریضہ نے ناز سے کہا۔

"جھلس رہی ہے میری جوتی۔"  
 "زناہ یک کب نہ کہ چل رہی ہے۔ بیٹیا میں ڈوٹی چلا کے آ۔ ایک فاطمہ وہاں جا کر بیٹھ گئی ہے۔" مریم غصے سے دھب دھب کرتی کچن میں چلی گئی۔

"پاکل! خواہ مخواہ جتنے لگتی ہے۔ تو تو مجھے بچپن ہی سے پیاری ہے۔ یاد ہے جب تیری ماں تجھے کچھ کھانے کے لیے لے جایا کرتی تھی تو تو بھاگ کر میری گود میں آ جھپتی تھی۔" تالی کی زبان پھر سے شدید کانٹے لگی۔

عریضہ کی یادداشت میں ایسا کوئی لمحہ نہیں تھا۔ ہاں یہ یاد تھا کہ اپنی وفات کے بعد تالی اس سے کچھ زیادہ ہی محبت کرنے لگی تھیں۔ کرنے لگی تھیں کہ جتنے لگی تھیں۔ عریضہ کا ذہن ان باتوں کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ ہاں کبھی یہ محبت تالی کی محبت کے مقابل کھڑی ہو جاتی۔ یہ صورت حال عریضہ کے لیے تو نہیں البتہ علولہ کے لیے ضرور تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔

"تمہاری ماں اور پوچھو بھی نے ہمیشہ مجھے کتہری جانا۔ میں ان پر زہ جابل وہ پڑھی لکھی عورتیں میرا ان کا مقابلہ کیا؟"

"تالی جان! ایسی بات کہیں کر رہی ہیں۔"  
 "بات تو یہی ہے۔ میں تو ساری زندگی ان کی عقل کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ میں کتنی مہسنی نہیں ہوں۔ جو دل میں وہی زبان پر۔ تیری ماں نے بڑی کوشش کی کہ مجھے مجھ سے دور رکھ سکے۔ مجھے کچھ کر لے جاتی تھی۔ پابندیاں لگاتی تھی۔ اور میں ایسی پاکل۔ جب تک تیرے منہ میں نوالہ نہ ڈال

دل۔ اپنے حلق سے کھانا نہیں اترتا تھا۔"  
 انہوں نے اک طویل سانس بھری۔ عریضہ ان لمبے سے بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ تب ہی پلٹ کر ان کا تھیل والا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 "جانتی ہوں تالی جان! کہ آپ مجھ سے بہت ہی کرتی ہیں۔"

"لے لے لے! اپنا ہاتھ کیوں خراب کر لیا۔"  
 "کچھ نہیں ہو گا۔ تیل ہی تو ہے۔"  
 "ایسے نمل جیسے ہاتھ ہیں تیرے۔" ان کی حفا کہ کیا کر۔"

"اوکے۔ اب جلدی سے بل سمیٹ دیں۔ امی کی آواز آجائے گی۔"

"جھما عریضہ! اپنی ماں سے پوچھنا۔ وہ ہزاروں مینے کے آخری دن ہیں۔ پہلے ہی شادی پر اتنا خرم ہے۔ نعمان سے ملنے۔ تو جان کھالے گا۔ کہہ ایک ہوئی نہیں اور تمہارے تلیا کے حلق سے غنا سبزی اترتی نہیں۔"

"ہاں! امی کے پاس پڑے ہیں۔ میں ابھی ادا ہوں۔"

"درا جلدی لانا۔" انہوں نے غلت میں اس پال سینے۔ تو وہ اپنے گھر کی طرف آگئی۔ علولہ سبزی رہی تھیں۔ اسے ڈانٹنے لگیں۔

"نہ اسٹینڈر کی فکر ہے۔ نہ گھر کے کسی کام کی۔ ہو تو بیٹھ ہی جاتی ہو۔"

"جھما میں آ کر کرتی ہوں۔ ابھی تو وہ ہزاروں۔" وہ گئیوں؟ علولہ نے حیران ہو کر دیکھا۔

"تالی کو ضرورت ہے۔"  
 "کس لیے؟" علولہ نے غصہ دہاتے حمل پوچھا۔

"پتا نہیں۔ اب دے بھی دیں۔ پرس میں میں نکال لوں؟" وہ جھنجھلائی۔  
 "تمہارا دماغ خراب ہے۔ مینے کے آخری ہیں۔ میں نے اپنے خرچے کے لیے رکھے ہیں۔ انے بتادیا ہو گا کہ ماں کے پاس ہیں۔"

"ہاں۔۔۔" اس نے کان کھجلیا۔ "امی ہمارا کون کر چاہے۔"

"ہاں۔ ہم تو ہوا کھا کر اور پانی پی کر زندہ ہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو۔۔۔" نہیں غصہ آگیا۔

"تو انہیں بھی تو ضرورت ہے۔"  
 "وہ دیتی اگر مجھے یقین ہو گا کہ انہیں واقعی ضرورت ہے۔"

"امی! پلین۔ اب تو میں ان سے کہہ آئی ہوں۔ بعد میں مت بچکے گا۔" وہ منتوں پر اتر آئی۔

"عریضہ! تم سب بچ بہت بے وقوف ہو۔ دو بول میت لے ل جاتی ہو۔ اچھا جاؤ۔ ایک لیتا۔" انہیں بادل دھوا جازت بنا دی۔

"تالی! کون؟" نیلہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ مجھے کوئی لالہ لینی چاہیے۔ شاید اسی طرح بچت ہو سکے۔ کی۔ کیا کون اس کا۔ خوبصورت لہجوں کے لیے رویوں کو پچھان ہی نہیں پاتی۔" وہ واقعی اس کا شکار ہو گئی تھیں۔

"جھما سنو! جلدی واپس آؤ اور آکر برتن دھو دو۔" ایک تو پتا نہیں یہ امی کو میرے نمل جیسے ہاتھ

ماں میں آتے۔ عریضہ جھنجھلا کر دروازہ پار کر



نعمان نے بے چینی سے پہلو بدلتے اندرونی کی طرف دیکھا۔ وہ کب سے آیا بیٹھا تھا۔ مگر ایک جھک بھی دکھائی نہ دی تھی۔

"ساری بڑی مسکینی بیٹا! اگر اس دن تم دونہ اس طوفانی بارش میں عاتشہ ایلی کہاں کہاں ہو۔" ماسٹر صاحب کی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔

"مہرا فرض تھا۔ آخر برسوں کی محنت داری اس نے سود بے میں کہا۔"

"اور سناؤ کاروبار ٹھیک چارہا ہے۔"

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"

"ٹوہان تو ایم بی اے کر رہا ہے غالباً۔"  
 ٹوہان کے ذہن پر وہ بد مزہ موزیک۔ ٹوہان اور اس کی تعظیم خاصا ناگوار موضوع تھا۔

"بس ماسٹر صاحب! اب پیار ہو گئے تو مجھے کاروبار سنبھالنا پڑیگا۔ لی اے میں پڑھ رہا تھا۔ پھر سوچا۔ کسی ایک کو تو قربانی دینا ہی ہے۔ چھوٹے بہن بھائی کسی منزل تک پہنچ جائیں۔ تو یہی کافی ہے۔" اس نے حتی الامکان خود انعامی طاری کی۔ ظاہر ہے اب انہیں یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ شروع سے ہی پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا۔

"باشاء اللہ! ورنہ آج کل کون کسی کے بارے میں سوچتا ہے۔"

"ابو۔" دروازے کے دوسری طرف سے عاتشہ کی آواز پر اس نے بے ساختہ دیکھا۔ وہ ذرا اوٹ میں کھڑی تھی۔

"لے آؤ بیٹا! اندر ہی لے آؤ۔"  
 نعمان کا دل چاہا ماسٹر صاحب کا منہ چوم لے۔

عاتشہ نے اندر آ کر سلام کیا اور درمیانی میز پر بے رکھ دی۔ جس میں چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکونہ وغیرہ موجود تھے۔ اس نے ہنر دہانے سے دیکھ کر چرو جھکا لیا۔ محبت میں پہلی شرط احرام ہے اس کے دل و دماغ نے پہلی بار سر تسلیم خم کیا تھا۔ وہ معطر ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور گزرتی۔ وہ سر جھکانے چائے کے گھونٹ بھرنا ماسٹر صاحب کے سوالوں کے جواب دینے لگا۔ ماسٹر صاحب کو یہ لڑکا اچھا لگا تھا۔



فاطمہ کچن میں مصروف تھی۔ اور گرد انواع و اقسام کے کھانے اور ڈبے بکھرے تھے۔ اس کا ارادہ آج واپس جانے کا تھا سو کچھ کھانے بنا کر فریز کر رہی تھی۔

"کمال ہے! آج گھر میں دعوت ہے اور مجھے خبر ہی نہیں۔"

طلیبہ کی آواز پر فاطمہ ہلٹی اور مسکرا دی۔ وہ بظاہر

فرخ کھولے اس کا جاترہ لے رہی تھی۔  
 ”دعوت کہاں بھائی! وہ تو آج مجھے واپس جانا تھا تو  
 سوچا کچھ کھانے پینا کر فریز کر دیتی ہوں۔“  
 ”ہاں بھئی اب تمہارے ہاتھ جیسا ذائقہ ہمارے  
 ہاتھ میں کہاں؟“ اس کا لہجہ سراسر طنز تھا۔  
 ”نہیں وہ محسن کہہ رہا تھا تو۔“ فاطمہ ٹھٹھکی سی  
 گئی۔ وہ سیدھی سادی لڑکی تھی۔ طیبہ کے مزاج کی  
 وجہ سے ویسے ہی اس سے دور رہتی۔  
 ”محسن کی بڑی مانتی ہو۔“  
 فاطمہ تیزی سے پٹی۔ طیبہ مسکرا کر باہر نکل گئی۔  
 ”بھائی نے اے کیوں کہا۔“  
 ”فاطمہ بیٹا! بس کہہ۔ تھک جاؤ گی، صبح سے کئی  
 ہو۔ نیلیہ پچھو نے آکر اسے چونکا دیا۔  
 ”جی پچھو! ہو گیا ہے۔“  
 ”چلو پھر بازار چلتے ہیں۔ تمہارے لیے اچھا سا  
 سوٹ لے کر آتے ہیں۔“  
 ”اس کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس بہت کپڑے  
 ہیں۔“  
 ”کچھ ہاتھیں ضرورت کے لیے نہیں دل کی خوشی  
 کے لیے کی جاتی ہیں ڈیر کزن۔“ محسن کو غالباً نیلیہ  
 نے اسی مقصد کے لیے بلایا تھا۔  
 نیلیہ دھن موڑ کر ڈیے فریزر میں رکھنے لگی۔ وہ ابھی  
 تک طیبہ کی کئی بات میں الجھی تھی۔ محسن اور نیلیہ  
 کے اصرار پر اسے جانتی رہا۔  
 طیبہ نے انہیں جانتے دیکھا تو کھری کر رہ گئی۔  
 ”بہت ناز اٹھائے جا رہے ہیں۔“ بیٹی کے اور وہ  
 بھی کتنی گھٹی اور مہسنی ہے۔ پچھو پچھو کتنی  
 آگے پیچھے پھرتی ہے۔ کوئی غرض ہے تب ہی اتنی  
 جان باری ہو رہی ہے سورنہ کون اتنا کرنا ہے۔“  
 طیبہ کی خود غرض فطرت اس کے دماغ میں خنہیں  
 بھرنے لگی۔ حالانکہ فاطمہ کی فطرت میں ہی خدمت  
 گزاری اور غلوں میں شامل تھا۔ مگر طیبہ کو عادت تھی ہر  
 کسی کو اپنی عینک سے دیکھنے کی۔ اور عینک بھی وہ جس  
 کے پیشے بے حدود ہند لے تھے۔

\*\*\*

بانو آئی تھی۔ مریم کے لیے اپنے دیوہ کار شہر۔  
 ”لیکن مریم کیوں؟ فاطمہ اس سے بڑی  
 ہے۔“ حمید نے اعتراض کیا۔  
 ”میں کیا کہوں گے تو مریم ہی پسند ہے حالانکہ  
 میں نے کہا بھی کہ فاطمہ سے کرواؤ جی ہوں۔ اب مریم  
 کو دیوہ دانی بنانے کا مطلب ہے خود اپنے پیروں  
 کھماڑی مار لوں۔“ بانو نے مزے سے کہا۔ مریم  
 تو ہلک گئی۔  
 ”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری دیوہ دانی  
 بننے کا اور تمہیں میرے لیے وہی ملا ہے۔ پختہ  
 کھرک۔ جس کے دانت چوہیں کھٹے منہ سے باہر  
 رہتے ہیں۔ کیا کرے اسٹریٹری ایسا ہے۔“  
 ”اپنا چو کھنا دیکھا ہے۔ ہر نقش فریم سے  
 باہر۔ اور منہ پر بے کھلے ہوئے گل بونے۔ ایسی  
 پری نہیں ہو جو کوئی شہزادہ تمہیں بیابنے آئے گا  
 ہمارے جیسے گھروں میں بیکی دکان دار کھرک  
 جھانکتے ہیں۔“  
 ”تمہارا دیوہ اگر دنیا کا آخری مرد بھی ہوا تو میں  
 طرف سے صاف انکار ہے اور اہاں! اگر آپ نے  
 کرنے کی کوشش کی تو میں کچھ کھالوں گی تمہارے  
 ہوں۔“ وہ تن فرن کرتی اندر کمرے میں کھسکی۔  
 ”دیکھا اہاں! اس کی زبان دیکھی ہے۔ اور اسے  
 میں پھانساؤ۔“ بانو نے ہاتھ پٹ لیا۔  
 ”تھوڑا قہقہہ رکھ بانو! مجھے بھی بس مل کھل کر  
 شوق ہے۔ ضرورت کیا تھی اس کے سامنے  
 کرنے کی۔ اور ویسے بھی جب تک فاطمہ کی  
 ہو جاتی میں تو مریم کے بارے میں سوچوں کی  
 نہیں۔“ حمید نے صاف کہہ دیا۔  
 ”اچھا مریم کی رہنے دو ابھی۔ نعمان کی  
 کرنی۔“  
 حمید نے ہاتھ میں پکڑا کپڑے میں پٹا۔



”جب تک دونوں لڑکیوں کی نہیں ہو جاتی۔ میں تو لڑکوں کا نام بھی نہیں لوں گی اور اگر تو اپنی وہ مونی بھینس جیسی منہ میرے سر چھونے کا سوچ رہی ہے۔ تو میری کی طرح میری طرف سے بھی صاف انکار ہے۔“

”ہو تو میری ماں پر کام اور ارادے سارے دشمنوں والے ہیں۔ کوئی ایک بلا تو میرے سر سے لٹے گی۔“

”اپنی بلا میں میرے سر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ معاف کر دیں لی۔“ عہدہ نے دونوں ہاتھ پٹاخ سے اس کے سامنے جوڑے مارے غصے کے بانو کو روٹائی آیا۔

”ٹھیک ہے جاری ہوں میں۔ اب نہیں آؤں گی۔ اب اسے سلام کہہ دینا۔ اس گھر میں میری یہی عزت ہے۔“ جو باپن کر چاور اوڑھتی بولتی بولتی دروازے سے نکل گئی۔

”عزت کروانے والے کام بھی تو ہوں۔“ عہدہ بڑبڑاتی۔ پھر رُے پر نظر گئی۔ ”ایک نمبر کی بھوکی ہے اس غصے میں بھی سارے ہسکت چکا کی۔“

”ہاؤ ڈنا طیبہ کو بھی بلا لاؤ۔“ جب سے وہ لوگ بازار سے آئے تھے۔ طیبہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اب رات کا گھانا تو نبیلہ نے فاطمہ سے کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں۔ فاطمہ ملازمہ نہیں ہے۔“ محسن نے سختی سے کہا۔ ”بھابھی کو خود تو احساس ہی نہیں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند۔ دو گھڑی مہمان کے پاس بیٹھنے کی بھی توجہ نہیں۔“

نبیلہ چپ سی ہو گئیں۔ وہ کہہ تو ٹھیک رہا تھا۔ ”چھوڑو۔ اب اتنی سی بات کے لیے بد مزگی کیوں کروائیں۔“ فاطمہ اٹھ گئی۔ نبیلہ نے توصیفی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔

”مشاء اللہ بہت سی سمجھ دار بنی ہے۔“

”جی۔ بڑی مای کی تو نہیں نکلی۔“ محسن نے معصومیت سے کہا۔

”بہت بد مزہ ہوتے جا رہے ہو۔“

”معا میں ہاتھ دھو آؤں۔“ وہ بٹتے ہوئے چلا گیا۔ عمر واپسی پر ریلواری سے گزرتے ہوئے رک گیا۔ فاطمہ طیبہ کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر تھا۔ مگر بت کی مانند ساکت و صامت۔ کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوتے ہی وہ آہستہ سے اس کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ ادھ کھلے دروازے سے طیبہ کی سسکیاں باہر آرہی تھیں۔

”بھلا اب میری بس ہو گئی ہے۔ کسی فالتو مسلمان کی طرح گھر کے کونے میں پڑی ہوں۔ نہ کوئی حیثیت ہے۔ نہ اہمیت۔ اور کل جب اتنی ملازمہ کے سامنے میری برائیاں کر رہی تھیں۔ کچھ نہ پوچھو میرے دل پر کیا کڑی۔“ مجھے نہیں پتا اتنی نے مجھ سے کس بات کا بیانیہ حاسب کیا صرف اس لیے کہ میں آپ کی پسند ہوں۔“

محسن کو فاطمہ کا تو نہیں پتا چلا لیکن خود غصے سے برا حال ہو گیا۔ لیکن طیبہ کی آگئی بات نے اس کے قدموں تلے سے زمین ہل گئی۔

”اور وہ فاطمہ سارے گھر میں یوں دندنا تی پھر رہی ہے۔ گویا وہ اس گھر کی ہو ہو۔ اور بھلا! تم نہیں کرو نہ کرف۔ محسن کا کوئی نہ کوئی چکر فاطمہ کے ساتھ۔“

فاطمہ لڑکھائی۔ عقب سے محسن نے اسے قہقہہ لیا۔ فاطمہ نے تپ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں لالہ باتیوں سے بھری تھیں۔ اس نے ایک جھٹکے سے محسن کے ہاتھ ہٹائے اور بھاگی چلی گئی۔ محسن کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس نے تیزی سے پورا دروازہ کھول دیا۔ طیبہ نے بوکھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ طیبہ کا رنگ ایک لمحے کو زرد ہو گیا۔

”میں نے آپ جیسی ٹھیکیا عورت ساری زندگی نہیں دیکھی۔“

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ دوسری طرف جمل نے بخولی سی۔

”ڈرامہ باز عورت۔“ محسن نے نفرت سے کہا اور مزہ لیا۔ کچھ لمحے اور کھڑا رہا تو شاید اس کا گلا دبا رہا۔

”طیبہ۔ طیبہ کیا ہوا؟“

بھل کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔

”تم نے مجھے سنا بھلا۔ یہ اوقات ہے میری اس گھر میں۔ مجھے اس طرح نکالیاں دی جاتی ہیں۔“ محسن آندھی و طوفان کی طرح کھانے کی میز تک آیا۔ جمل فاطمہ روٹی جاری تھی۔ اور نبیلہ پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔ ”کیا ہوا ہے؟“

”انھو فاطمہ! تمہیں کھر چھوڑ آؤں۔“ محسن نے کہا۔

”کیا ہوا محسن؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ فاطمہ روکیوں رہی ہے۔“

”واپس آکر بتا ہوں۔ انھو فاطمہ۔“ وہ سختی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ اپنا چہرہ صاف کرتی فاطمہ اس کے کچے تھی۔



”میری ہی غلطی ہے۔ مجھے فاطمہ کو لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ کیسی کینہ پرور عورت ہے۔ آپ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں بھلا بھلائی سے کہہ رہی گی۔“ وہ غصے میں پورے کمرے میں چکر رہا تھا۔

نبیلہ سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

”اب پتا چلا۔ بھلا بھلائی مجھے فون کیوں نہیں کرتے۔ ایسا ہی کچھ میرے بارے میں بھی کہتی ہو گی۔“

”محسن! بیٹھ جاؤ۔“ نبیلہ نے بارے ہوئے انداز میں کہا۔ ”مجھے تو فاطمہ کی فکر ہے۔ تجھے کیا سوچتی ہو گی۔ طیبہ کو ذرا شرم نہیں آتی ایسی قسمت آگے۔ کیسی شرم لحاظ اور رکھ رکھاؤ والی لڑکی ہے۔ اس نے تو بھی تم سے کھل کر بات بھی نہیں کی۔“

”تجھ یا سوچ رکھنے والوں کو بات برصا نے کے لیے رالی کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ پہاڑ کھڑا کر لیتے۔“ محسن تھک کر ان کے قریب بیٹھا۔

”ایسے کون سے پہاڑ کھڑے کرے میں

نہ۔“ طیبہ دروازے میں اکھڑی ہوئی۔ بالکل بدلے ہوئے تیر کے ساتھ۔ نہ کوئی خوف نہ جھجک۔ ”کچھ دیکھا ہے۔“ کچھ محسوس کیا ہے تو ہی بات کی ہے۔“

”ہی! اس سے کہہ دس کہ یہاں سے چلی جائے۔“ محسن نے دانت چس کر کہا۔

”جاری ہوں۔ اس گھر سے میں نے شادی بھلا سے کی تھی۔ جب وہی یہاں نہیں۔ تو یہاں رک کر آپ کے طعنے سننے کا قاعدہ۔“ وہ کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی۔

”خس کم جہاں پاک۔“ محسن نے کہہ کر مں کو دیکھا۔ وہ کم کھم کھم بھی تھیں۔

”آپ کو زیادہ مینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بھلا بھلائی سے بات کریں۔“

نبیلہ نے اک طویل سانس لے کر بیٹے کو دیکھا جو اس پکوشن پر بوکھا ہوا بھی تھا اور غصے میں بھی تھا۔ وہ بویں تو لہجہ خلاف معمول پر سکون تھا۔

”میں مینشن نہیں لے رہی۔ میں جانتی ہوں۔“ مجھے اس مسئلے کو کیسے ہینڈل کرنا ہے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ طیبہ یہ سب کیوں کر رہی ہے۔ جب تک بات لحاظ کے پروے میں چھپی تھی چل رہا تھا۔ اب فیصلہ تو کرنا پڑے گا۔ تم جاؤ۔ آرام کرو۔“ آفس کے لیے نکلتا ہے۔“

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔“ محسن نے تشویش سے ماں کو دیکھا۔

”فکر نہ کرو۔ تمہاری ماں اتنی کمزور نہیں ہے۔“ وہ قصداً ”مسکرائیں۔“ محسن کو ان کی مسکراہٹ سے وہی کشمی ہوئی جو غصے بچے کو چوٹ کھانے کے بعد ماں کی حوصلہ برحقائی مسکان سے ہوتی ہے۔



ٹوبان نے رائٹنگ ٹیبل پر پڑی پرچی اٹھا کر دیکھی۔

اک ذرا ہاتھ برصا میری طرف



خود کو میرا تو ہم سفر کر دے  
تم میری ذہنت کا حاصل ہو  
اتنا کہ اور معتبر کر دے

ٹوبان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اسے  
اک ٹین ایگریجیٹ جہاز سمجھ کر نظر انداز کرنے کو تھا۔  
اس سے قبل کہ اسے ڈسٹن میں چھینکے۔ اس نے  
دروازے میں کھڑی عرشہ کو دیکھا تھا۔ جس کے ہاتھ  
میں دو سفید مک تھے۔ جن پر سرخ اسٹرابیری بنی  
تھیں۔ یہ عرشہ کے فورٹ مک تھے۔  
"او عرشہ۔" اس نے پرچی سائڈ پر رکھ دی۔

"کافی۔"  
"شکر ہے اس گھر میں کسی کو تو کافی پینا آتی  
ہے۔" ٹوبان نے ہاتھ بڑھا کر مک پکڑا اور ریلیکس سا  
ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"  
"کچھ نہیں۔ یونہی موڈ ہو رہا تھا۔ آپ کے ساتھ  
کافی پیے باتیں کرنے لگا۔" وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی  
ہوئی۔ جملہ حلقہ پوری کردی بھری تھی۔  
"آپ کا دوست کیسا ہے؟"  
"گون سا۔"

"وہی جس کے لیے سرخ گلاب لے کر گئے  
تھے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی رقابت در آئی۔  
"تم سرخ گلابوں سے اتنا الرجک کیوں ہو؟" ٹوبان  
مسکرایا۔ اب تو اسے بھی اس آنکھ پھولی میں مڑا آنے  
لگا تھا۔  
"میں کیوں پھولوں سے الرجک ہوں گی۔" عرشہ  
نے کندھے اچکائے۔

"تو پھر میری دوست سے جھگڑیں ہو۔"  
"میری دوست؟" عرشہ نے ٹھنک کر اسے دیکھا۔  
"وہ لڑکی کئی؟"  
"میری یونیورسٹی فیلو۔"  
"آپ کی لڑکیوں سے دوستی ہے؟"  
"ہاں بھی۔" ساتھ بڑھتے ہیں۔ تو دوستی بھی ہو ہی  
جاتی ہے۔ ٹوبان نے لاروائی سے کہا۔ عرشہ کچھ لمبے  
اسے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے

مک جھپٹ لیا۔

"ارے کافی تو پیئے دو۔"  
"اسی کے ساتھ پیئیں، جس کے لیے پھول لے کر  
گئے تھے۔" عرشہ نے چپا چپا کر کہا اور تیزی سے نکل  
گئی۔  
"اسے کس بات پر غصہ آیا۔ حد ہو گئی۔ یہ کوئی  
بات تھی خفا ہونے والی۔" بجائے کب پیو  
ہوگی۔" عرشہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے  
آئی۔ چارپائی پر بیٹھی حمیدہ نے حیرت سے اسے  
دیکھا۔

"کیا ہوا عرشہ؟"  
"آئی جان! یہ ٹوبان ہے نا بالکل بھی اچھا نہیں  
ہے۔ بہت برا ہے۔" اس کی آنکھیں پھلکنے کو سہ  
تاب تھیں۔  
"کیا کہہ دیا میری بچی کو؟" ابھی بلا کر پوچھتی ہوں۔"  
انہوں نے پیار سے ہتے بازو سے پکڑ کر قریب بٹھالیا۔  
"وہاں یونیورسٹی میں پڑھنے تھوڑی جاتا ہے۔"  
لڑکیوں سے دوستی کرنے جاتا ہے۔ اور وہ بتا رہا تھا  
تو پھول لے کر عیادت کے لیے اسپتال پہنچ جاتا ہے۔"  
"تو تو کیوں پریشان ہو رہی ہے۔ وہاں دس ہزار  
لڑکیاں ہوں۔ میری عرشہ جیسی تو ایک بھی نہیں  
ہوگی۔"

(یہ بات وہ کیوں نہیں کہتا)  
"آئے دے نیچے" ابھی اس کے تلتے لوں گی۔  
کے تجھے رلا دیا۔"

\*\*\*

عائشہ ابھی ابھی اسکول سے لوٹی تھی۔ سیدھی  
ماں کے کمرے میں آئی، مگر دروازے میں ٹھنک کر  
رک گئی۔ آمنہ خاتون کے پاس نعمان بیٹھا تھا۔  
"موصوف روزنی چلے آتے ہیں۔"  
نعمان نے اسے دیکھا تو آنکھوں میں چار سو چالیس  
والٹ کا بلب روشن ہو گیا۔ مگر دوسرے پل وہ سرخ  
چمکا تھا۔

"السلام علیکم! اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ آمنہ  
خاتون مسکرا دیں۔ سلام کا جواب دے کر کہنے  
لگیں۔  
"عائشہ! کھانا کھا کر نعمان کے لیے ایک کپ چائے  
تیار دو۔ مجھے تو اس نے اٹھنے نہیں دیا۔"  
"نہیں خالہ! چائے کی ضرورت نہیں ہے۔"  
عائشہ سر ہلا کر چادر اور بیگ کمرے میں رکھ کر کچن  
میں آئی۔ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ چائے بھی  
پالی۔ کپ لے کر اندر آئی تو آمنہ خاتون بے حد  
گھبراہٹ سے کہہ رہی تھیں۔

"ایک ہی حسرت ہے میری عائشہ! کارشتہ اچھی جگہ  
ہو جائے تو میں سکون سے مر سکوں۔ پتا نہیں کیا بات  
ہے کہ کہیں بات آگے بڑھتی ہی نہیں۔"  
عائشہ کو دیکھتے ہی وہ فوراً خاموش ہو گئیں۔  
عائشہ نے بڑے ضبط سے کپ نعمان کو تھمایا اور  
کمرے میں آئی۔  
"وہ فرید اور اکرم۔" نعمان نے ان کے بیٹوں کے  
بارے میں پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ فرید تو پچھلے سال دو بی چلا گیا  
فدا اکرم ابھی ایف ایس سی کر رہا ہے۔ بمالو نظر اپنے  
ماں کے پاس رہتا ہے۔ میرے بھائی کی اولاد نہیں  
ہے۔ بچپن سے اسے گود لے لیا تھا۔ کتنا  
سہل سال کوئی نہیں ہے۔ والدین آجائیں گے۔ مگر  
اس کے ابو نے منع کر دیا۔ وہاں اس کلاموں بھی تو تھا  
ہے۔ ہمارے پاس تو عائشہ ہے۔ ہمارا ارادہ تو یہی ہے  
کہ عائشہ کی شادی کے بعد وہیں بمالو نظر چلے جائیں  
گے۔ عائشہ کے ابو کی ریٹائرمنٹ بھی قریب  
ہے۔ اس کرایے کے گھر سے بھی جان چھوٹے  
گے۔"  
آمنہ خاتون کو بھی بڑے عرصے کے بعد سامع ملا  
تھا۔ نعمان بہت جلد ان کے گھر کے تمام حالات  
میں واقف ہو گیا تھا۔  
"اچھا خالہ! اب اجازت دیں۔ کوئی کام ہوا تو مجھے  
ضرور بتیے گا۔" آمنہ خاتون اسے دعائیں دینے

لگیں۔

اس کے جانے کے بعد عائشہ شیری طرح کمرے  
میں آئی۔  
"امی! آپ بھی حد کرتی ہیں۔ کیا ضرورت تھی،  
ایک ایسی شخص کے سامنے میرے رشتے کی بات  
کرنے کی۔"

آمنہ خاتون نے دیکھا اس کا چہرہ غصے اور غجرات  
سے سرخ ہو رہا تھا۔  
"مجھے کس قدر انسٹلٹ لیل ہوئی۔ میں اتنی مٹی  
گزدی ہوں کہ مجھے کوئی پوچھنے ہی  
نہیں آ رہا۔ ہزاروں لڑکیاں ہیں، جن کی شاہیاں نہیں  
ہوئیں۔ تو وہ کیا زندہ نہیں رہیں گے۔ ہر آنے گئے کے  
سامنے ہی ذکر آپ چھلکی نہیں میری بے عزتی  
کرواتے کروا لیتے۔"  
"عائشہ! تو کتنی تلخ ہونے لگی ہے۔" انہوں نے  
حیرت اور دکھ سے اسے دیکھا۔

عائشہ کو اپنے لہجے کی تیزی کا احساس ہوا۔ تو جیسے  
تھک کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔  
"جانتی ہوں، میں ایک معمولی شکل و صورت کی  
لڑکی ہوں۔ میرا باپ کوئی بڑا جیزر بھی نہیں دے  
سکتا۔ تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کسی پر بوجھ تو  
نہیں۔ اپنا کمائی اپنا کھاتی ہوں اللہ نے کسی کا محتاج تو  
نہیں کیا۔"  
"عائشہ! مجھے یہ لڑکا بہت اچھا لگتا ہے۔ گھر اپنا بھی  
ہمارے جیسا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے وہ لمبی تجھے پسند  
کرتا ہے۔"

عائشہ نے حیرت سے ماں کی شکل دیکھی۔  
"چوک میں کھڑا کر کے نیلا لگا دیں۔ جس کا بی  
چاہے لے جائے۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر چلی  
گئی۔ آمنہ خاتون ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔  
"یہ تو نہیں، وقت کی تکفیل بول رہی ہیں، میری  
بچی۔" انہوں نے آنکھوں پر دوشہ رکھ لیا۔

\*\*\*

پڑھتے پڑھتے اس کا دل بوجھل ہونے لگا۔ اس



نے گردن موڑ کر مال کو دیکھا۔ سارے دن کی تھکی پاری سواری تھی۔ وہ چائے بنانے کے ارادے سے چکن میں آیا۔ شکر تھا چکن میں سلزڈرگس موجود تھی۔ ورنہ وہ کہاں آگ سلگاتا۔ چائے بنا کر پیالی میں ڈال رہا تھا۔ جب کبری چلی آئی۔

”چھتاوے میں بھی ملتی ہے۔“

”چھاتی بڑی خیروار خند ہے تیری“ وہ ہنس۔ خیال تھا وہ ابھی کوئی نہ کوئی طعنہ مارے گی۔

”چھاوہ! اچھی طرح ڈھک کے اور دروازہ بند کر کے جا۔“ وہ جالی لٹکتی چلی گئی۔

”حیرت ہے“ آج تو راولی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔ وہ پیالی اٹھا کر اندر آیا۔ چارپائی پر بٹھا تو وہ چرچرائے لگی۔ جمیلاں نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

”کیا ہوا اب؟“

”کچھ نہیں اہل۔“

”اب سو جاؤ، ساری رات پڑھتا رہے گا۔“

”اہل! آپتے ہو رہے ہیں۔ ویسے بھی میرے اس چائے پر میرے مستقبل کا آکھار ہے۔“

”اللہ ڈھیر ساری کامیابیاں دے۔ تیری راہیں آسان کرے۔“ وہ دعا میں دیتے دیتے سو گئی۔ ابرار نے اس کے سوتے ہوئے چہرے کو پار سے دیکھا۔

”اہل! سفر تو تم نے کیا ہے۔ لیکن اب تھوڑا ہی عرصہ ہے۔ اللہ نے چاہا تو تمہاری مشقت ختم ہونے کو ہے۔“

اس نے چائے کا گھونٹ بھرا اور کتابیں کھول لیں۔ دھیرے دھیرے بتی رات میں وہ مستقبل کے چراغ جلا تا جا رہا تھا۔

\*\*\*

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا“ آپ کچھ کہتی ہیں“ طیبہ کچھ اور کہہ رہی ہے۔“

جیل بخت ابھرا ہوا تھا، مئی ماہ سے طیبہ روٹھ کر بیٹے بیٹھی تھی۔

شادی بات کرتا ہے۔“

\*\*\*

حب معمول وہ کالج سے سیدھی تائی کے پاس لگتی تھی۔

”آج امیری بچی! فاطمہ نے آلوپنے کی چاٹ بنائی ہے۔ چائے بھی دہم پر ہے۔“

عریشہ چکن میں چلی مٹی، فاطمہ اس کے لیے چاٹ ڈال رہی تھی۔

”لے جاؤ میں چائے لاتی ہوں۔“

وہ چائے لے کر تائی کے پاس آئی۔

”بات سن عرش! یہ تیری ماں پیے کو چھپانے لگی ہے۔“ تھوڑی دیر کے بعد حمیدال نے رازداری سے کہا۔

”کیوں؟“

”ابھی تھوڑا آئی کووری کتنی ہوئی ہے، کلک پانچ سو لاکھ تو صاف انکار کر دیا کہ ختم ہو گئے۔ اتنی جلدی لیے ختم ہو گئے۔“ انہیں یہ بات ہضم ہی نہیں

اور ہی تھی کہ عادل نے انکار کیے کر دیا۔

”تیا نہیں۔ کسی کو ادھار دیے ہوں گے۔“ عرشہ نے لاپرواہی سے چاٹ کھاتے کہا۔

”ہاں۔ ہمیں ادھار دیتے تو جان تھکتی ہے۔“ وہ

کہا۔

”ہو رہی ہیں“ شادی کی تاڑ بڑا ریاں! اہل! میں اہل کالج سے آئی ہوں۔“ مریم حسب عادت چڑ گئی۔

”مریم! تو عرشہ سے نہ جلا کر یہ تو مجھے شروع ہی ہے۔ بہت پیاری ہے۔“ حمیدال نے دلار سے عرشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”ابھی پاؤں پاؤں چلتی تھی تب ہی سوچ لیا تھا اسے اپنی بیٹی بناؤں گی۔“

”کیوں اپنی چار بیٹیوں سے جی نہیں بھرا تھا۔“ مریم جمل کر رہی۔

”ارے بھئی! ہموی تو بات ہی کچھ اور ہے۔“ پانی پیتی عرشہ کو اچھو لگ گیا۔ ایسا واضح اظہار اہل کی طرف سے پہلے بھی نہ ہوا تھا۔

”ارے کیا ہوا؟ سنبھل کر کھاؤ۔“ حمیدال گھبرا کر اس کی پیٹھ سے ملنے لگیں۔

”توالہ نہیں! آپ کی بات حلق میں پھنسی ہے۔“ مریم ہنسی۔

”ہاں تو اس کی ماں نے کون سا سے بتایا ہو گا۔ اس کے باپ کی بھی بی بی خواہش تھی۔ اب نہ باپ رہا نہ اس کی خواہش۔“

عریشہ نے سنا کر تائی کو دیکھا۔

”اب تو سب کچھ اس کی ماں کے ہاتھ میں ہے میں تو اب بھی ذکر نہ کرتی، بس دل بھر گیا۔ سنا ہے بالائی پالا اس کا رشتہ ڈھونڈ رہی ہے۔“

”نہیں تائی جان۔“ عرشہ نے گلاس ہاتھ سے رکھ دیا۔ ”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”تو جی ہے میں نہیں۔“ عرشہ کا دل ایک دم ہرجے سے اچاٹ ہو گیا۔

\*\*\*

”آپ بہت اچھے ہیں نعمان صاحب! لیکن میں نے اب تک کی زندگی بہت احتیاط سے گزاری ہے۔“

آپ کا اس طرح بار بار اس دروازے تک آنا لوگوں کو چونکا سکتا ہے اور لوگوں کو باتیں بنانے کے لیے زیادہ کچھ کی ضرورت نہیں پڑتی۔“

دروازے کے دوسری طرف کھڑی عائشہ کی مدھم آواز اور مضبوط لہجہ نعمان کو اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

”عائشہ! میں۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

عائشہ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اچھے قد کاٹھ اور اچھی شکل و صورت کا لڑکا تھا۔ تھلا تھا، کاروبار بھی اچھا چل رہا ہے۔ اگر اس کی ماں نے اس لگائی تھی تو یہ کچھ ایسا غلط تو نہ تھا۔

”تو اس کے لیے آپ کو نہیں! آپ کے والدین کو آنا چاہیے۔“ عائشہ نے کہہ کر ایک دم دروازہ بند کر دیا۔ نعمان نے بے یقینی سے بند دروازے کو دیکھا۔



”کیا واقعی عاقلہ نے یہ کہا ہے؟ کیا واقعی اسے میرا ساتھ قبول ہے؟“  
 بے یقینی کا نل گزرا۔ تو دل خوشی سے بھر گیا۔ اس کا دل چاہا، مگر میں ایک ایک کو روک کر خوش خبری سنائے۔

\*\*\*

نبیلہ نے فاطمہ کا رشتہ مانگا تھا۔ جہاں حمید اس کے ہاتھ پر پھول گئے۔ وہیں برکت حسین نے سینہ پھلایا۔

”دیکھا۔ آخر بہن تھی میری، بھائی کا احساس کیا؟“  
 کیسا لائق فائق لڑکا ہے، محسن اور کیسی اچھی نوکری۔“

”اے رہنے دو، غیروں سے بھولا کر دل بھر گیا تو اپنوں کا خیال کیا۔“ حمید اس سے شوہر کی جتنائی ہوئی خوشی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

”ہائے فاطمہ! تیری تو لائری نکل آئی۔“ مریم بے حد خوش تھی۔

نبیلہ نے کوئی ہنگامہ کرنے ہی نہیں دیا۔ بس اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر فاطمہ کو پستان دی، فاطمہ کم مہم تھی۔

”پھوپھو! آپ نے توطیبہ کی بات بر تقدیق کی مہراگ دی۔“ انگوٹھی دیکھتے ہوئے فاطمہ نے آہستگی سے کہا تو نبیلہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”صرف اچھی اچھی باتیں سوچو، محسن نے کہا ہے ہمارے گھر کو فاطمہ جیسی لڑکی کی ضرورت ہے، اب کسی کی فضول سی بات پر میں ایسی ہیرو لڑکی کو کھو نہیں سکتی تھی۔“

”جمل بھائی کیا سوچیں گے؟“

”وہ میرا بیٹا ہے، اور فکر نہ کرو، سب کچھ اس کے مشورے سے ہو رہا ہے، اب جلدی سے مسکرا دو، محسن پوچھے گا فاطمہ خوش تھی تو میں کیا جواب دوں گی۔“  
 ان کے شرارت بھرے انداز پر فاطمہ جھینپ کر

مسکرا دی۔  
 ”آجائیں گھانا تیار ہے۔“ عاقلہ نے جھٹ پٹ کھانے کی تیاری کر لی تھی۔ کباب، چکن، پلاؤ، قورمہ۔

”پھوپھو۔“ بھتیجیوں کی بڑی فکر ہے آپ کو، بھتیجیوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔

نعمان نے کان میں انگلی چلاتے کہا، سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ آج پہلی بار اس کے منہ سے ایسی کوئی بات سنی تھی۔ ورنہ وہ من مونگی اور مست سا بندہ تھا۔

”لوکا اپنے منہ سے بول رہا ہے۔ بھائی صاحب سوچ لیں۔“ نبیلہ نے مسکرا کر کہا۔

”صبر کرو، صبر۔ دو بیٹیں گھر بیٹھی ہیں۔ پہلا انہیں تو رخصت کر لے۔ اپنی پڑگئی ہے۔“ حمید اس نے حسب عادت چمک کر کہا۔

”مطلب،“ بہنوں کو بیابنا بیابنا پوڑھا ہو جاؤں۔“ بظاہر اس نے ہنستے کہا۔ مگر لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ نبیلہ اور عاقلہ نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

”نہیں، بھئی۔ ہم تو نعمان کے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔ فاطمہ اور نعمان کی شادی ایک ساتھ کریں گے۔“ عاقلہ نے کہا۔

”کیوں بھائی جان۔“ نبیلہ نے بھائی کو ساتھ ملا لیا۔

(ہاں میرا دل غ خراب ہے۔ اکلوتا اس گھر کا کملا۔ والہ میں بیابا کے ہاتھ سے متواہل مریم کے بعد علی کوئی کی گرتے رہو صلا مشورے) حمید اس نعمان کو دیکھتے سوچ رہی تھیں۔

\*\*\*

”ای! اچھا ہو گیا۔ محسن بھائی اور فاطمہ کی مگنی۔“ سارے کام سمیٹ کر وہ دونوں گھر آ گئیں۔  
 ”ہاں بہت اچھا ہو گیا۔ فاطمہ کے لیے ایسا ہی اچھا

شریک حیات ہونا چاہیے تھا۔“ وہ اپنے بستر پر دراز ہو گئیں۔ وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”بلکہ میرا تو دل چاہتا ہے، اب جلدی سے کوئی اچھا سا لڑکا ملے اور میں بھی اپنی بیٹی کی منتگنی کروں۔“

(اچھا لڑکا اس پاس ہی تو ہے۔ اب آپ کو کھائی نہیں دیتا تو میں کیا کروں؟)

”کس سوچ میں ڈوب گئیں؟“

”کچھ نہیں، میں تو سوچ رہی تھی۔ فاطمہ آپ کی شادی پر کپڑے کیسے بنواؤں گی۔“ عریشہ ہنس دی۔

”ایک کام تو کرو۔“ کچھ لئے اسے دیکھنے کے بعد عاقلہ کے دل میں خواہش سی پیدا ہوئی تو تکیے کے نیچے سے چالی نکال کر اسے تھمائی۔

”الماری کے لاکر میں ایک ڈبہ ہے وہ نکال دو۔“

”کیسا ڈبہ؟“

”لاؤ تو۔“

عریشہ نے وہی کوئے میں رکھی الماری کا لاک کھول کر اندر سے ایک سرخ تھیلی بڑا سا ڈبہ نکالا۔

”ای! یہ تو زیور لگا ہے۔“

عاقلہ اندھ کر بیٹھ گئیں۔ ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولنے لگیں۔

”واہ! کتنا خوبصورت ہے۔“ مکمل گولڈ کا سیٹ لڑکوں کے ساتھ جگر جگر کہا تھا۔

”ای! اس کا ہے؟“

”تمہارا۔“ عاقلہ نے سارے بیٹی کو دیکھا۔

”کیا مطلب؟ یہ تو بالکل نیا ہے۔“ اس نے حیران ہو کر جھکا اٹھایا۔

”میں نے سمیٹی ڈالی تھی۔ پچھلے ماہ نکلی تو فوراً لایا۔“

”اسی لیے آپ تائی کو پیسے نہیں دے رہی تھیں۔“

”ہاں۔ مجھے اب کچھ تمہارے لیے بھی تو جمع کرنا ہے۔“

عریشہ کبھی انگوٹھی پہن کر دیکھ رہی تھی تو کبھی جھکا کر اسے لگا لگا تازہ کلائی لڑکوں سے جگ لگی۔ عاقلہ

تصویری تصویر میں اسے دلہن کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔

”اچھا بت سنو عریش! ابھی کسی کو۔“

لیکن عاقلہ کی بات درمیان میں رہ گئی۔

”عاقلہ! چچی ماہی اوی پوچھ رہی ہیں۔“

”مریم! دیکھو، مٹی نے میرے لیے کتنا خوبصورت سیٹ بنوایا ہے۔“

”مکمل ہے چچی! اتنا زیور بنایا اور کسی کو کاتوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔“

”ابھی کچھ دن قبل ہی لائی ہوں۔ میں۔“

”میں امی کو کیا کر لاتی ہوں۔“

”تائی کو یہاں کیوں بلانا ہے۔ میں وہیں دیکھ لاتی ہوں۔“ عریشہ جوش میں اٹھی۔ عاقلہ اپنا سر تھام کر رہ گئیں۔ وہ تصویر میں حمید اس کے تاثرات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔

\*\*\*

جیلہ نے غم آنکھوں کے ساتھ بیٹھ کی پیشانی چومی، پھر اس کے گلے میں پڑے گولڈ میڈل کو تورا گاؤں لٹا دیا تھا۔ اصغر بھی سینہ تانے سب کی مبارک باد وصول کر رہا ہے۔ آج پہلی بار اسے ابراہیم فرخ محسوس ہوا تھا۔ اخبار میں ابراہیم کی تصویر اور انٹرویو آیا تھا۔ جیلہ کا بس نہ چلتا تھا اسے فریم کروانے اور ابراہیم ٹانگ دے۔

”آج تو تو نے پورے گاؤں کا سر فر سے بلند کر دیا ہے بیٹا۔“ ماسٹر صاحب نے اسے سینے سے لگا کر بچہ لیا تھا۔

”اصغر! میں نے تجھ سے کہا تھا، معمولی لڑکا نہیں ہے۔ اسے تو بہت آگے جانا ہے۔“

”آہو ماسٹر صاحب! بات تو آپ نے ٹھیک کہی تھی۔“

رات تک مٹھائی بیٹی رہی۔ لوگ آتے جاتے رہے۔ اور بہت رات گئے جب وہ کھری چارپائی پر بازوؤں کا تکیہ بناتے روشن تاروں بھرے آسمان کو سختے مستقبل کی پانٹنگ کر رہا تھا۔ تو جیلہ اس کے لیے



کا پیالا لے کر آئی۔

”پتہ اب تو کوئی کرے گا؟“

ایرار مسکرایا۔ ”اے ابھی تو سفر باقی ہے۔“

”ابھی اور بڑھائی کرے گا؟“

”ہاں اہل میں نے سی اے کرتا ہے۔ چار ٹنڈ

اکھونٹے بننا ہے۔ سفر سب ابھی ہے اور مچکا بھی۔“

”اچھا۔“ ایرار کو اس کے لیے میں ہلکی سی افسردگی

محسوس ہوئی۔ دوسرے پل وہ جوش سے بولی۔

”تو فکر نہ کر زیادہ پیسوں کی ضرورت پڑی تو میں

بھینس بیچ دوں گی۔“ اسے ماں کی معصومیت پر یاد بھی

آیا اور روٹا بھی۔

”بھینس بیچ دی تو اہل تمہارا گزارا کیسے ہوگا؟“

”اللہ وارث ہے۔“

”اے! تو فکر نہ کر مجھے اس کا رشب بھی ملے گا

اور میں کوئی چھوٹی موٹی ملازمت بھی ڈھونڈ لوں گا۔ میرا

گزارا ہو جائے گا۔ بس یہ ہے کہ اب مجھے شرمیں رہنا

پڑے گا۔“

”اچھا۔“ وہ افسردہ سی ہو گئی۔ ”خیر۔ تو وہ بی۔“

\*\*\*

”گئی بات ہے کبری۔ لڑکا تو بت ہی لائق نکلا۔“

اصغر اب تک متاثر تھا۔

”پتا ہے ماں سرتی پتا رہے تھے۔ اب وہ یونیورسٹی

میں پڑھے گا اور بہت بڑا افسر بنے گا۔“

”بس اب اس کے تھیدے نہ بڑھتے رہو۔ ایک

بار افسر بن گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔“ کبری نے

ہاتھ نچا کر کہا۔

”کیوں بھیجی۔“

”اصغر! میں کہتی ہوں اب وقت آیا ہے تو جیل

سے بات کر۔ میں تو کہتی ہوں نکاح ہی کر دیتے

ہیں۔ پاؤں میں نکاح کی بیڑی ہوگی تو مرکز اوھر ہی

آئے گا۔“

”ہوں کہتی تو تو ٹھیک ہے۔“ اصغر نے پر سوچ

انداز میں گردن ہلائی۔ ”لے فر۔ میں صبح ہی جمعہ صلا

سے بات کرتا ہوں۔ گھر کی بات ہے۔ چند دنوں میں۔“

\*\*\*

مرغیوں کو دانہ ڈالنے ابرار کے ہاتھ سے سارے

ڈالے ایک ساتھ گرے۔ ساری مرغیاں پر پھڑپھڑاتی

ایک ساتھ لپکیں۔ ایرار نے بے یقینی سے میں کو

دیکھا۔ وہ تھکے تھکے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

”بھری ہے؟“

”ہاں تیرا تیا کیا کتا ہے۔“ جیلہ کے لہجے سے صاف

لگتا تھا۔ کہ وہ بھی دل سے راضی نہیں۔

”تیا جو مرضی کتا رہے۔ لیکن ابھی مجھے ان

بھینسوں میں نہیں پڑنا۔“

”تیرا تیا ناراض ہو گا۔“

”تو ہوتا رہے۔ کون ہوتا ہے میرے بارے میں

فیصلہ کرنے والا۔۔۔ اور اہل تھے ان کے پریش میں آئے

کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ابھی بڑھنا ہے بہت کچھ

کرتا ہے۔ اور رشی سے شادی۔ جس لڑکی نے ساری

عمر میری ماں کی عزت نہیں کی۔ اسے اپنی بیوی

بنا لوں۔ وہ مجھے چارپائی پر بٹھا کر نہیں کھلائے

گی۔ ساری زندگی چاچا نے مجھے اور مجھے دو کوڑی کی

حیثیت نہیں دی۔ اب میں کارشتہ دے رہی ہے۔

وہ کسی صورت نہیں۔ میری طرف سے صاف

انکار ہے۔“

وہ تن فٹ کر تاپا پر نکل گیا۔

جیلہ نے تھکے تھکے انداز میں اسے جاتے دیکھا۔

”بھی غنیمت تھا کہ گھر میں اس وقت کوئی نہ تھا۔“

کبری اور اصغر کے رد عمل کا سوچ کر اندر ہی اندر

گئی۔

\*\*\*

”دیکھ خالہ! صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ میرا یہ کام

کروانا ہے۔ لیکن اگر گھر جا کر میرا نام لیا تو بچ کتا ہوں

میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔“

ماں زیدہ ہنس دی۔ نعمان کی سبے تابی وہ ایک

لکڑیوں بھانپ گئی تھی۔ رشتے کروانے کے سلسلے میں

ماں زیدہ کا نام اس محلے میں خاصا معتبر جانا جاتا تھا۔

”لڑکی والوں کی طرف سے انکار نہیں ہو گا۔ یہ تو

کارہی ہے۔ ماسٹی نئی دفعہ مجھے عاشرہ کے رشتے کے

لے لے کہہ چکی ہے۔ اچھی بھلی لڑکی ہے۔ پھر بھی دیر

ہوئی جارہی ہے۔ اب تیرے گھر والوں کا کیا ارادہ

ہے۔“

”خالہ! اسی لیے تو تجھ سے بات کی ہے۔ میں خود گھر

میں عاشرہ کا نام لوں تو اہل تو کسی اور طرف ہی لے

جائے گی۔ اسی لیے کسی بھانے اس کی توجہ اس طرف

والہ۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کل عاشرہ کے لیے کچھ لوگوں کو لے کر

ہا رہی تھی۔“ اس نے دانستہ جھوٹ بولا۔

”خیر وہاں خیر دار خالہ! جو وہاں کسی کو لے کر

گئی۔“ نعمان نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ پھر جیب

سے باجھ سو نکال کر اسے تھمائے۔

”بس۔۔۔ ان سے کیا ہوگا؟“

”تو رشتہ تو کروا۔“ تیرے گھر سو ادھت ڈال دیا کروں

گا۔“

”چل پھر ٹھیک ہے۔ ابھی تو ایک کلو چینی اور

ایک کلو چاول دے دے۔“ خالہ نے بھی موقع سے

ادھ اٹھایا۔

”بس شروع ہو گئی۔“ نعمان ہنسا۔ ”اوئے چھوٹے!

خالہ! کو چینی اور چاول نکال دے ایک ایک کلو۔“

تب ہی حیداں سر پر چادر ڈالے کچھ سودا ہاتھ میں

کلا سے اندر داخل ہوئی۔

”خالہ! آٹھک لے۔“ سودا تیرے گھر پہنچا دوں

گا۔“ نعمان نے آٹھکی سے کہا۔ تو وہ حیداں کو سلام

دار کرتی چلی گئی۔

”یہ تمہارے پاس کھڑی کیا کر رہی تھی؟“ حیداں

نے حیرت سے پوچھا۔

”رات والے ڈرائے کی استوری سن رہی تھی۔ حد

کئی ہو اہل! استور چلا تا ہوں لوگ۔ یہاں سلمان

لہنے آتے ہیں۔ تو بتا کیسے آئی؟“

”میں تو بازار سے آ رہی تھی۔ سوچا۔ گھر میں کچھ

سلمان ختم تھا۔ تجھ سے کہتی جاؤں۔“

\*\*\*

عرشہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ

لیا۔ اور مطمئن ہو کر مسکرا دی۔ ڈھکی ہوئی پلیٹ

اٹھائی۔ وال صاف کرتی عاشرہ نے سر اٹھا کر اسے

دیکھا۔

”کدھر؟“

”ٹوپان کو کھیر دینے ٹھوکر اور کوری۔“

”صرف ٹوپان کو۔“ عاشرہ کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا

کہ وہ ایک لمحے کو ٹھک گئی۔

”جی۔ اے آپ کے ہاتھ کی کھیر بہت پسند ہے نا

اس لیے۔“

”ہاں۔ جاؤ۔“ عاشرہ نے کہا تو وہ تیزی سے کھٹک

گئی۔ عاشرہ نے وال کا تھال ایک طرف رکھ دیا۔ اس

کے ماتھے پر تلک لکھ کر کھیریں بہت تھری ہوئی تھیں۔

”یہ کس راہ پر قدم رکھ رہا ہے عرشہ۔“ انہوں نے

دو بار سے سر نکال دیا۔ ذہن مختلف سوچوں کی کامیابیاں

گیا تھا۔ جتنی ہوئی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی آنکھوں

کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تنگ نظر تنگ ذہن اور خود

غرض لوگوں میں زندگی گزارنا گویا دنیا میں ہل صراط سے

گزرنے کے مترادف ہے۔ وہ اس پل صراط سے گزر

رہی تھیں۔

”لیکن عرشہ۔“ عرشہ نے نہیں۔ ”وہ فیصلہ

کر کے انھیں اور فون کی طرف پڑھ لگیں۔ ان کی

انگلیاں نیلے کانپروائل کر رہی تھیں۔

\*\*\*

پلیٹ تقریباً“ پختہ والے انداز میں رکھی گئی تھی۔

ٹوپان سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”کیا ہے؟“

”کھیر ہے۔“

ٹوپان نے پلیٹ اٹھا کر دیکھا۔

”کھیر تو ٹھیک ہی ہوتی ہے اور تم تو یوں کھڑی ہو گویا



کر لیے چہا کر آئی ہو۔  
 ”آپ کو تو اتنا ہی یاد نہیں ہوگا کہ کسی کو منانا ہے۔“ وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولی  
 ”کس کو؟“ تو بیان کے اس قدر انجان انداز پر  
 عریضہ کو غصہ آیا۔

”میں آپ سے ناراض تھی۔“  
 ”اوسے اور اب خود ہی منانے چلی آئیں۔“  
 ”آپ کو کوئی حق نہیں میری انسلٹ کرنے کا۔“ تو بیان کے مذاق اڑاتے انداز پر عریضہ کی آنکھوں میں پانی آیا۔ وہ تیزی سے پلٹنے کو تھی۔ تو بیان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”پاکل پاکل ہو۔“  
 ”مجھے جانے دیں۔“  
 ”جانتے دیے یہ گلابی رنگ تمہیں بہت سوٹ کرتا ہے۔“

عریضہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر مسکراہٹ چھپانے کو سر موڑ گئی۔  
 ”چلتی ہوں۔“

تو بیان نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ عریضہ دروازے تک جا کر ٹپکی۔  
 ”دیکھو۔ یہ گلابی نہیں ماسنی رنگ ہے۔“  
 وہ شرارت سے کہہ کر چلی گئی۔ تو بیان نے فس کر اپنے سر پر چپٹ لگائی۔

\*\*\*

ابرار بیوفی دروازے سے ابھی اندر آیا ہی تھا جب بشری تیری طرح اس کے سامنے آئی۔ ابرار کو رکنار پڑا۔ وہ سامنے کھڑی خوشخوار تیوروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”رست چھوڑو۔“ ابرار نے سنجیدہ انداز میں کہا۔  
 ”تم نے مجھے شادی سے انکار کیا ہے۔“  
 ”ہاں۔“ وہ جو چند قدم آگے چلا گیا تھا۔ طویل سانس لے کر پلٹا۔  
 ”اگر مجھے اتنی سی امید ہی ہوتی کہ تم کل کو میری

ماں کو چارپائی پر بٹھا کر اس کی خدمت کرو گی۔ یا میری عزت کرو گی۔ تو میں اقرار کرنے میں ایک منٹ نہیں لگتا۔“

”خدمت۔ خدمت کرتی ہے میری جوتی۔ تمہاری اوقات کیا ہے؟“  
 ابرار نے بڑے قہقہے سے سامنے کھڑی غصے میں بھڑکی آگ کو دیکھا۔

”وہی جو تمہاری ہے، ہم دونوں ایک ہی دوا کی اولاد ہیں۔“  
 ”میں بھی تم سے شادی کے لیے مری نہیں جا رہی۔ اس گاؤں میں دس گھر ایسے ہیں۔ جو مجھے ہو بنانا چاہتے ہیں۔“ وہ ترخ کر بولی۔

”تو ان ہی میں سے کوئی انتخاب کر لو اور میری جان چھوڑو۔“ وہ قہقہے سے کہہ کر صحن اور برآمدہ میں کر کے اندر آیا۔ اور ٹھٹھک کر رک گیا۔

کمرے میں موجود تینوں افراد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہاں اک مالوس سی خاموشی بکھری تھی وہی خاموشی جو کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ابرار کے لیے نہ یہ خاموشی ہی تھی اور نہ اس کے بعد اٹھنے والا طوفان۔

”کیسے احسان فراموش ہو تم ہاں پتر۔“ اصغر کی سرسرائی آواز خاموشی کو چیرتی چلی گئی۔  
 ”پچھلے کون کون سے احسان کیے ہیں، آپ نے؟“ ابرار کی ہلکی سی طنز پر ہنسی نے اصغر کو بھر کھوایا۔

”بکواس بند کرو۔“  
 ”بکواس نہیں کر رہا۔ ان احسانات کی فہرست دریافت کر رہا ہوں۔ جو اب تک آپ نے ہم ہاں بیٹوں پر کیے۔“ ابرار نے چہا چہا کر کہا۔ جیلہ بے اختیار اٹھ کر اس کے قریب گئی۔  
 ”ہیلو۔“

”دیکھو دیکھ اس کے توبہ چار جاعتیں کیا چاہے۔“  
 ”لیں۔ چاہے کے منہ کو آ رہا ہے۔ دفع دور۔ ہم ایسے بے دید، بے لحاظ کو کیا کرنا ہے۔“ کبریٰ نے حسب عادت دوا دلا شروع کیا۔ جب مقصد ہی

نہیں ہو رہا تو مصلحت سے کام لینے کا فائدہ کیا؟  
 ”میں بے دید، بے لحاظ ہوں۔ تم لوگ کیا ہو؟“

اور چاہا کہ تم جو احسانات گنوا رہے ہو۔ آج اس کا حساب بھی ہو جائے۔ میری ماں اس گھر میں لوگ انہوں کی طرح کام کرتی ہے۔ دودھ بچ کر اپنا گناہا کرتی ہے۔ میری فیس جمع ہوتی ہو تو گاؤں کی اس گلی سے شروع ہوتی تھی اوحار مانٹا۔ تو نے آج تک میرے لیے کیا ہی کیا ہے؟ اس زمین میں میرے باپ کا اسی حصہ ہے۔ حق ہے میرا۔ اور یہی حق نہ مانگ لوں۔ تم نے آج تک تینم سمجھ کر مجھے میرے سر پر اتھ نہیں رکھا۔“

”میں تیرا منہ تو زوڑوں گا۔ بے غیرت۔“ اصغر ہلکا۔ جیلہ لپک کر دونوں کے بیچ آ گئی۔  
 ”نہ بھائی اصغر۔ یہ تو ایسے ہی بول گیا۔ پھر اس نے انکار تو نہیں کیا۔ بس وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

”ماں! تو اس کیوں دلا رہی ہے۔ آج نہ کل مجھے لڑی سے شادی کرنا ہی نہیں۔“ ابرار کا لہجہ دو ٹوک اور صاف تھا۔ اصغر کا ہاتھ اٹھ گیا۔ پہلا پھینچا ابرار نے۔ پھر صیانی میں کھایا تھا۔ دوسری بار اصغر کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”بس چاہا اور نہیں۔“

”نکل۔ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے اٹھ۔“  
 ”ٹھیک ہے جا رہا ہوں۔“

وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔ جیلہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ کبریٰ نے اسے نفرت سے دیکھا۔  
 ”تیری کرنی کا پھل ہے۔ بیٹے کو کتا ہیں تو پڑھا دے۔“ وہ لفظ تیز کے بھی سکھاتی تھی۔

اصغر باہر نکل گیا تھا۔ کچھ گھنٹوں کے بعد وہ بیگ میں اپنے ڈاکو متیں اور کپڑے ڈالے آیا۔ تو جیلہ اسی جگہ بت بنی تھا۔ بیٹھی تھی۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔  
 ”ماں! ابرار کی پکار پر وہ یوں چوکی بیٹھے کسی خواب سے جاگی ہو۔“

”ماں! میں مصلحت سے کام لیتے لیتے تھک

گیا ہوں۔ اس لیے جا رہا ہوں۔ لیکن بہت جلد واپس آؤں گا۔“

”بہت اندھیرا ہے بلو۔“ اس کے لب تھر تھرائے۔  
 ”چھٹ جائے گا۔ میں جانتا ہوں ماں! تمہیں مشکل حالات میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر تم بہت نہ ہارنا۔“

”اسے کیوں چھوڑ کے جا رہا ہے اسے بھی ساتھ لے کر چلے۔“ کبریٰ دروازے میں آکھڑی ہوئی۔ ابرار نے اسے سلگتی آنکھوں سے دیکھا اور جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

”ماں! میں رہے گی۔ تب تک جب تک میں کوئی ٹھکانا نہیں بنالیتا۔ کیونکہ جتنا حق تیرا اس گھر ہے۔ اتنا ہی میری ماں کا بھی ہے۔ ماں! حوصلے سے روٹ۔ اس نے ماں کے سر پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ روتے روتے جیلہ بے حال ہو گئی۔ اس کے لبوں پر ایک ہی جملہ بار بار ٹوٹ رہا تھا۔  
 ”باہر بہت اندھیرا ہے پتر۔“

\*\*\*

حمیدال نے سر تلیا ماسی زیدہ کا جائزہ لیا۔  
 ”نہ تجھ سے کس نے کہا۔ تو میرے نعمان کے لیے رشتہ ڈھونڈتی پھر۔ مجھے رشتہ کرنا ہوتا تو خود تجھ سے کہتی۔“

”ارے مجھ سے کس نے کہا ہے۔ وہ ماسنی صاحبہ نے کہا کہ بیٹی کے لیے رشتہ دیکھ لو۔ میرے ذہن میں نعمان کا خیال آیا تو تمہاری صلاح لینے آئی۔ آخر تم نے بیٹوں کی شادیاں کرنا ہیں کہ نہیں۔“  
 ”نہ میں ان کی شادی کروں نہ کروں، تجھے کیا تکلیف ہے؟“ وہ چمک کر بولیں۔

”حمیدال! ایک تو تو غصہ بہت کرتی ہے۔ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ استانی ہے۔ میں ہزار بخوات۔“  
 ”بات سن زیدہ! میں ایک استانی سے بھر چکی۔ دوسری سر پر لانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ ماسنی سے کہو اپنی بیٹی کے لیے کوئی اور گھر



دیکھے۔ میرا دماغ خراب ہے۔ ابھی سے لڑکے بیاہ  
دوں وہ لگ جائیں اپنی بیویوں کے جو چلوں میں۔ اور  
حمیدان ہاتھ لگتی رہ جائے۔ اور یہ نعمان یہ تو پہلے ہی  
قابو نہیں آتا۔

زیدہ باؤس سی ہو کر بیٹھ گئی۔ سہاں تو کوئی لفت  
ہی نہ تھی۔ نعمان کا ڈرنہ ہوتا تو صاف تباہی لڑکے کی  
مرضی ہے۔

”تھما سن زیدہ! نعمان کی تو میں بعد میں کہوں  
گی، پہلے تو میری مریح کے لیے کوئی رشتہ دیکھ۔“

”حمیدان بیگم! میں کہاں سے دیکھوں۔ تیری طرح  
سب اپنے اپنے لڑکے بھل میں دباؤ بیٹھی  
ہیں۔ رشتہ دیکھ۔“ زیدہ نے ناک کروا کر اور کتنی  
جھکتی چلی گئی۔

حمیدان ہیں۔ ہیں کرتی رہ گئیں۔

\*\*\*

”جی جی تاروی ہوں۔ تمہاری ماں کا کوئی ارادہ  
نہیں۔ اگلے چار پانچ سال تک تمہاری شادی  
کا۔“ زیدہ پھر سے دکان پر گئی بیٹھی تھی۔

”تم نے بات چھیڑی تھی؟“

”ہاں تو اور کیا؟ پر وہ تو کوئی بات سننے کو ہی تیار  
نہیں۔ اب ایک کام کر۔ خود بات کر لے۔“ نعمان نے  
پریشانی سے سر ہلایا۔

”میں اماں کو کچھ سے زیادہ جانتا ہوں خالہ عائشہ  
میری پسند ہے۔ یہ سن کر وہ ویسے ہی ہنسنے سے اکھڑ  
جائے گی۔ اچھا خالہ! کچھ سے وعدہ کر۔ تو عائشہ کے لیے  
ابھی کوئی رشتہ نہیں دیکھے گی۔ میں کچھ کرتا ہوں۔“

”دیکھ بیٹا! میری اپنی پانچ بیٹیاں ہیں۔ کسی کی بیٹی  
کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتی۔“ زیدہ نے دونوں  
ہاتھ اٹھا دیے۔ نعمان نے بیپ میں ہاتھ ڈالا ہزار کا  
نوٹ نکال کر زبردستی اس کی منجلی میں ڈھکیا۔

”جیل۔ تیری خاطر کچھ عرصہ رک جاتی  
ہوں۔ پیسے دیکھ کر وہ اپنی پانچ بیٹیاں بھول گئی۔“ پر زیادہ  
دیر نہ کرنا۔ ستر صاحب رہاؤ ہو رہے ہیں۔ اور اس

سے پہلے پہلے لڑکی کی شادی کر کے جانا چاہتے ہیں۔“  
”خالہ! اگر تاہوں کچھ۔ تو کچھ جائیں کچھ راشن بھی  
بھجواتا ہوں۔“

خالہ سر ہلا کر چلی گئی۔ نعمان کچھ دیر بیٹھا رہا۔  
لیکن پھر اس شور میں دل نہیں لگاؤ اٹھ گیا۔ قدم خود خود  
عائشہ کے گھر کی طرف پڑھے تھے۔ مگر پھر عائشہ کی  
بات یاد آگئی۔ تو بیوی سے پلٹ گیا۔

\*\*\*

”بس نبیلہ! لڑکا ہی نہیں اس کی فیملی بھی پڑھی  
لکھی اور روشن خیال ہو۔ اس سے زیادہ کی ہوں  
نہیں۔ ریپیپر پیر۔ نصیب میں ہو تو مل ہی جاتا ہے۔“  
حمیدہ دروازے میں ہی رک گئیں۔ علاولہ کی  
دروازے کی طرف پشت تھی۔

”وہ بہت بے وقوف ہے۔ خوبصورت لہجوں میں  
جیسے نصیحت اور بات کو محسوس ہی نہیں کر پاتی۔ ظاہر  
کو دیکھتی ہے۔ باطن میں جھانکنے کی صلاحیت نہیں  
ہے اس میں۔“

”اچھا۔ تو یہاں یہ چل رہا ہے۔ دیکھتی ہوں، کسی  
کرتی ہو عریضہ کی شادی کہیں اور حمیدہ بھول گئیں کہ  
وہ یہاں کس کام سے آئی تھیں۔ منہ پر ہاتھ پھیچتی  
پلٹ گئیں۔“

”ٹھیک کہا۔ کم عمر ہے۔ اور ان باتوں کو سمجھنے  
کے لیے آگ عمود کار ہو سکتی ہے۔“

”سنا تم نے برکت حسین! وہ تمہاری بھانج کی کاکری  
پھر رہی ہے۔“ انہوں نے سیدھا بیٹھک میں اٹھتی  
دی۔ برکت حسین نے کھا جانے والی نظروں سے  
انہیں دیکھا۔

”جی سے نہ چائے کا پوچھا نہ روٹی پانی کا۔ اور آگ  
ہے بھانج کی شکایت لے کر۔“

”اس عمر میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہ آتا۔ تم  
پہلیاں تو ابھی تک تمہاری چارپائی کے نیچے پانی  
ہیں۔“

”ہاں تو اس گھر کی عورتیں ہی نحوست ماری ہیں۔“

بھال ہے جو کبھی گندے برتن اٹھا کر لے جائیں۔“  
انہوں نے کھسا کر کہا۔

”صاف کہو حمیدہ بیگم ساری نحوست تیری  
ہے مجھے گھر سے نکال دو اس گھر میں برکت ہی  
برکت ہے گی۔“

”ہر وقت جی جی! کل کل۔ کبھی آپ لوگ قتل  
سے بات نہیں کر سکتے۔“ نعمان ابھی ابھی لوٹا تھا۔ ان  
کی تکرار سن کر مزلن پر ہم ہو گیا۔ ”باہر تک آوازیں  
آ رہی ہیں۔“

”ایسا کر ایک ایک سٹخ ہم دونوں کے گلے میں  
لوٹو کدے۔ ہمیں کھلا رہا ہے ناکامی کے اسی لیے  
رعب دکھا رہا ہے۔“ وہ حمیدہ ہی کیا جو کسی سے دب  
جائیں۔

”میں تو بات کرتا ہی فضول ہے۔“ وہ تن فرن کرتا  
اندر گھس گیا۔

”میرا اتنا سی زندگی نہیں کیا۔ کم از کم بیٹے کا لفظ تو  
کر لیا کہ جوان خون ہے۔“ برکت حسین نے  
”بھانا چلا۔“

”سب پتا ہے یہ جوان خون کیوں اٹل رہا ہے۔  
شادی کی ہڑک اٹھی ہے۔“  
”ہاں تو کرو۔ اٹھائیں اٹھائیں کا تو ہو ہی گیا  
ہے۔“

”جس کا ابھی سے یہ حال ہے۔ بعد میں ہمارے  
ساتھ کیا کرے گا۔“

”اچھا۔ تو آئی کیا کرنے تھی۔“ برکت حسین نے  
پسے زاری سے پوچھا۔ تو حمیدہ کو یاد آیا۔ قدرے قریب  
ٹھکس۔

”اول ہوں۔ کیا اوپر چڑھی آ رہی ہے۔ ذرا دور  
ہو کے بیٹھ۔“

”تمہارے قریب بیٹھنے کو تو کبھی جوانی میں دل نہیں  
کہا۔ اب کیا خاک بیٹھوں گی۔“

”کام کی بات کر۔“  
”تیری بھانج عریضہ کا رشتہ ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔“  
”ہاں تو اس کی لڑکی ہے۔ رشتہ نہیں کرے گی۔“

”بڑھا کھٹیا گیا ہے۔ عریضہ باہر نہیں جائے گی یہ  
مکان اور دوکان باہر جائے گی۔ اور وہ مال بھی اس کی ماں  
نے جمع کر رکھا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے۔۔۔“

”نقصان ہی نقصان ہے برکت حسین!“

”ہاں تو اسے گھر میں دو جوان جہان لڑکے نظر نہیں  
آتے۔ کہو تو عادلہ کو کیا برکت کروں۔“

”کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بڑی اونچی ہو اؤں میں ہے۔  
اور تمہاری بہن بھی اس کے ساتھ ملی ہے وہی عریضہ کا  
رشتہ ڈھونڈ رہی ہے۔“

”جی کو۔“

”نہم سے۔ لیکن تم فکر نہ کرو، میرا نام بھی حمیدہ  
ہے۔ ہمارے ہاتھ عادلہ آگے نہیں لکھیں۔ لیکن میں یہ  
بات خود عریضہ کے منہ سے کہلو اؤں گی۔ گھر کی جائیداد  
باہر نہیں جانے دوں گی، تمہارے مرحوم بھائی کی کمائی  
ہے۔ کوئی اپنے پیسے سے نہیں لائی تھی۔ پہلا حق  
میرے بیٹوں کا ہے۔“

”ہاں۔ ٹھیک ہے۔ سازشی تو تو پہلے ہی  
ہے۔ کچھ نہ کچھ کریں گی۔“

برکت حسین نے تعریف بھی یوں کی کہ وہ غصے سے  
دیکھتی اٹھ گئیں۔

”ارے۔ یہ پہلیاں تو ملتی جا۔“

\*\*\*

”ویسے مام! میں دیکھ رہا ہوں جب سے طیبہ بھابی  
گئی ہیں۔ آپ اچھی خاصی فٹ فٹ ہو گئی  
ہیں۔“ حسن نے عقب سے انہیں کندھوں سے  
تھلا۔

”فضول مت بولو۔“ نبیلہ ہنس دیں۔ آج اس کی  
فرمائش پر چائیز نہا رہی تھیں۔

”ایسا ہی ہوتا ہے گھر سے ٹینشن رخصت  
ہو جائے تو انسان بالکل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ وہ  
شرارت سے کہتا گا جراتھ کر کھائے لگا۔“  
”حسن! تمہارا کھاؤ گے۔“

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ آپ دوسری  
 ٹینشن گھر لے آئیں۔"  
 "تم فاطمہ کو ٹینشن کد رہے ہو؟"  
 "کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو اس کے آنے کے بعد ہی  
 پہلے طے کار مت ہے یا زمت۔"  
 "خیریت" آج ہمارے بھانے سے فاطمہ کو کیوں یاد  
 کیا جا رہا ہے۔"  
 "کیونکہ آپ مگنی کر کے بھول گئی ہیں۔ اور مجھ  
 سے آپ کا کیا لین دین کیا نہیں جا رہا۔"  
 "میرا لینا۔" وہ ہنس دیں۔  
 "دونوں کا۔"

"بے وقوف" ابھی مگنی کو دن ہی کہتے ہوئے  
 ہیں۔ "انہوں نے شملہ میں اغلی۔"  
 "کیا شرط ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل شادی  
 کی بات نہیں ہو سکتی؟" محسن نے کان کھاتے  
 ہوئے کہا۔ غیلہ نے اسے گھورنا چاہا۔ پھر مسکرا دیں۔  
 "تم خوش ہو محسن! میں نے تمہارے ساتھ کوئی  
 زیادتی تو نہیں کر دی۔"  
 "کبھی کوئی بات نہیں۔ آئی ایم ہاپی۔"  
 "تو ٹھیک ہے میں جلد ہی جا کر شادی کی تاریخ  
 طے کر دیتی ہوں اور فاطمہ کو بتاؤں گی کہ میرے بیٹے  
 سے اب ممبر نہیں ہو رہا۔"  
 "محسن غصہ کرنا اپنی بیٹی پر گڑبگڑ۔"



"تم تو عجیب بات کر رہے ہو نعمان بیٹا۔" آمنہ  
 خاتون نے پریشان ہو کر نعمان کو دیکھا۔ عاتشہ  
 دروازے میں ہی رک گئی۔  
 "مجھے صرف تمہوڑا سا وقت  
 چاہیے۔ خاتمہ فاطمہ کی تو بات طے ہے۔ چند ماہ میں  
 شادی بھی ہو جائے گی۔ بس میری رہ جانی ہے میں  
 آپ کو بہت لمبا انتظار کرنے کو نہیں کہہ رہا۔ ایک دو  
 سال کی بات ہے۔" اس نے بے حد آس سے آمنہ  
 خاتون کو دیکھا۔

"جو ان بیٹی کے بل باپ پر ایک ایک دن بھاری

ہوتا ہے۔ بیٹا! تم سالوں کی بات کرتے ہو۔" انہوں  
 نے اک ٹھوٹل سانس لے کر کہا۔  
 "خاتمہ" نعمان کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کو مجبور  
 نہیں کر سکتا۔ عاتشہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ لوگ اس  
 کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا اختیار رکھتے  
 ہیں۔ صرف ایک آس کی ذور تمام کر آپ کے پاس آیا  
 تھا۔"

"بیٹا! زندگی مفوضوں پر تو نہیں گذرتی۔ اگر وہ  
 سال تک تمہارا ذہن بدل جائے۔ یا تمہارے گھر  
 والوں کی مرضی کہیں اور ہو تو۔"  
 "خاتمہ! میں نے زندگی میں کبھی کسی لڑکی کی طرف  
 آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔" خاتمہ کی طرف بغیر دیکھے  
 نعمان نے غصے سے کہہ دیا۔ "لیکن میں عاتشہ کے  
 بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ٹھیک  
 ہے میں آپ کو انتظار کرنے کو نہیں کہوں گا۔ اگر وہ  
 میرے نصیب میں ہوئی تو حیا کی کوئی طاقت اس راد میں  
 رکھوت نہیں بن سکتی۔" اس کا دم صدم لہجہ عاتشہ کے  
 دل میں گھر کر گیا۔

(اور اللہ کرے وہ تمہارا اسی نصیب ہو۔)  
 آمنہ خاتون کے دل سے دعا آئی۔  
 نعمان تیزی سے باہر نکلا۔ عاتشہ کو بیٹے کا موقع  
 نہیں ملا۔ دونوں کی نگاہ ایک دوسرے سے ٹکرائی۔  
 "میرا انتظار نہیں کر سکتیں" دعا تو کر سکتی ہو۔  
 اس قاتل بھی نہیں؟" عاتشہ کی نگاہ جھک گئی۔  
 ہلکا سا مسکرا کر بے اختیار اثبات میں گرہن ہلا دی۔  
 نعمان کو گویا دونوں جہل کی دولت مل  
 گئی۔ مسرور سا گھر سے نکل گیا۔  
 ہمسائیوں کے گھر سے نکلتی حمیدوں کے قدم اچلی  
 جگہ پر جم کر رہ گئے۔ نعمان تو اپنی دھن میں آگے چلا  
 گیا۔ مگر حمیدوں کی نگاہ نے دور تک پیچھا کیا۔ اس کی  
 چال کی سرشاری حمیدہ سے چھپی نہیں رہی تھی۔  
 انہوں نے آگ پر ساقی انگوٹوں سے ماشر صاف  
 کر کے گھر کی طرف دیکھا۔

"چھاتیو پکر چل رہا ہے۔"





طاحت جبین

## سارو بھل گئی

ناؤلیٹ

عریشہ عاقلہ کی بیٹی ہے۔ عاقلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں۔ مکان کے دوسرے حصے میں ان کے بیٹھہ اور جھانسی اپنے بچوں نعمان، ثوبان، فرید، فائزہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں۔ ثوبان اور سادہ شادی شدہ بنیاں ہیں۔ عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو ظلم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عاقلہ کو یہ بیٹھہ نہیں کیونکہ ان کے بیٹھہ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ عاقلہ اور جھانسی کی مندی میں ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال۔ جمال ملک سے باہر مگر اس کی بد مزاج بیوی ملیہ بیٹیں رہتی ہے۔

ایرار جمیلہ کا بیٹا ہے شمر میں پڑھتا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چاچی کبری کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ پڑاتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشری کی ایرار سے شادی ہو جائے۔ مگر ایرار صاف انکار کرتا ہے۔ اصغر کو قصہ آنا ہے وہ ایرار پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ ایرار ناراض ہو کر مگر چھوڑتا ہے اور شمر آجاتا ہے۔



## تیسری قسط

طیبہ کی مسلسل بدتمیزی سے عاجز آکر نبیلہ جمال سے طیبہ کو ساتھ لے جانے کا کہہ دیتی ہیں۔ نبیلہ محسن کے لیے لاپرواہی سے حیدر کے اعتراف کے باوجود رشتہ ٹکا ہوا جاتا ہے۔  
نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرنے لگتا ہے۔ وہ گورنمنٹ بچر ہے۔ عائشہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور اس سے قاطر کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حیدر کا وہاں بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی جیل جھٹ کے بعد عادلہ نبیلہ کے کہنے پر بچت کر کے عریشہ کے لیے سوئے کا سیٹ بنوا تی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریشہ حیدر کا کوہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حیدر اس کی عریشہ سے لگاؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حیدر اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ جو کچھ دیکھا تھا کسی صورت قابل قبول نہیں تھا۔ نعمان اپنی دھن میں سرشار آگے چلا گیا تھا۔ انہیں لگا۔ دور نہیں جا رہا ان کے ہاتھوں سے نکل رہا ہے۔ انہوں نے شرابارنگہ ہوں سے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف دیکھا۔ دل میں اسے غبار پر قابو پانا ان کی فطرت نہ تھی۔ مگر بروقت عقل نے ہاتھ تھام لیا۔ تب ہی کچھ سوچ کر خاموشی سے گھر آگئیں۔

”یہ یتیم خانہ ہے نہ مسافر خانہ۔ کہاں گھر ہے گا“  
جگہ ہے اس بڑی جیسے گھر میں؟“  
حیدر کی بات دار آواز ڈیوڑھی میں گونج رہی تھی۔ عریشہ نے ذرا سا ہٹا کر دیکھا۔ تاپا اور تکی دونوں چوچیں لڑا رہے تھے۔ تاپا نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔  
”یا اللہ! اس عورت کو سب کچھ دیا تھا۔ ایک زبان نہ دیتا تو کیا ہو جاتا۔“  
”اب کٹ دو۔ تمہاری بھی تو زبان کی جگہ تھوڑی ہی فٹ ہے۔“  
”اب وہ رات کو آیا تھا تو میں کیا گھر سے نکل دیتا۔ میری سگی بچاؤ اس دن کا بیٹا ہے۔“  
”ساری زندگی تو اس بچہ کا نام نہیں سنا۔ اب یہ بیٹا

پانچ منٹ کے بعد ابراہیم سے سرور لٹا ہوا ہر نکلا۔  
نار طبیعت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ ”ورنہ پوری رات طبیعت بے چین اور سرور بھل رہا۔ بار بار ایک ہی سوال بے چین کر رہا تھا۔ وہ جس طرح دہل سے نکلا۔ جس طرح دل کو تنہا چھوڑ کیا تھا۔ کیا وہ ٹھیک تھا۔ دل بے چین تھا مگر دل کا تھا یہی وقت کا تقاضا تھا۔“

اس نے توجہ کر سی رہا تھا۔ ہاتھ بنا کر کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھا۔ اسے ایڈیشن کے سلسلے میں مختلف لاپرواہیوں اور یونیورسٹی کی معلومات درکار تھیں۔ اس نے کمپیوٹر آن کیا اور سامنے پراجیکٹ کھولا تو جگہ گیا۔  
”تم سے جب بات میں ہوتی کسی دن جاؤم ایسے چپ چاپ گزرتا ہے یہ سنسن سائون ایک سیدھی سی بڑی لمبی پڑک پر جیسے ساتھ چلنا ہوا روٹھا ہوا سا تھی کوئی منہ پھلایا ہوا ہے ناراض سا خاموش اس اور جب ملتا ہوں نہیں پڑتا ہے یہ روشنائی کد گدا کر مجھے کہتا ہے، ”کو کیسے ہو؟“  
”ٹوبان جگہ میں اندر آیا“  
”ابراہیم پھر میرے ساتھ چل رہے ہو؟ ابراہیم نے چونک کر ٹوبان کو دیکھا۔  
”جی میں آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہوں۔“ وہ کھڑا ہوا پھر مسکرا کر روگ گیا۔

”لیکن پہلے کسی کو اپنا حال تو بتا دیں۔“  
اپنی چپرس اٹھاتے ہوئے ٹوبان نے اسے دیکھا۔  
”ابراہیم شرارت سے جرحل پر انگلی بجاتی۔“  
”یقیناً یہ نظم میرے لیے نہیں ہے۔ مجھے تو یہاں اسے ایک ہی رات ہوتی ہے اور پہلے یہ نظم یہاں کسی بھی نہیں کی تھی۔“  
”ٹوبان نے آگے بڑھ کر وہ نظم کو پڑھی اور مسکرایا۔  
”ہاں ہے اک خطی سی لڑکی۔“  
”صرف آپ کے لیے خطی ہے یا آپ بھی ہیں؟“  
”ٹوبان نے بخنوس اچکا کر اسے دیکھا تو اس نے

معذرت خواہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔  
”سوری! میں کچھ زیادہ ہی پرستل ہو گیا۔“  
”تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی ہے؟“ ٹوبان اپنا جواب گول کر گیا۔  
”چھوڑیں ٹوبان بھائی ابھی تو غم روزگار میں الجھنے کے دن ہیں۔“ ابراہیم نے جھینپ کر سر جھکا ٹوبان بے ساختہ ہنس۔  
”چلو پھر نکلتے ہیں۔“  
ابراہیم نے جرحل بند کیا۔ دونوں ایک ساتھ باہر نکل گئے۔

برکت حسین وضو کر کے باہر نکلے تو چارپائی پر لیٹی حیدر کو کچھ کھڑا سے چونک گئے۔ وہ محسن میں چھپی چارپائی پر منہ پر دوش ڈالے لیٹی تھیں۔  
”مریم۔ مریم۔“  
مریم اندر سے دوش پر سر لیٹی تیزی سے نکلی۔ ”جی لیا!“  
”یہ اپنی ماں کو دیکھتا۔ زندہ تو ہے۔“ وہ آستین نیچی کرتے غام سے انداز میں بولے۔  
”جی۔“ مریم کا ہکا بکا نہ دیکھنے لگی۔  
”کافی دیر سے اس کی آواز نہیں سنی۔ اس لیے پوچھ رہا ہوں۔“ وضاحت کی گئی۔  
مریم مسکراہٹ دیانی دوبارہ اندر گھس گئی۔ حیدر بیکم دوپٹے کے نیچے کچھ بیڑی ہوتی ہوں تو بظاہر ہر شے سے مس نہ ہوں۔ برکت حسین کو تشویش ہونے لگی۔  
”تبی پاس آکر پوچھنے لگے۔“  
”تبی کیا قہقہہ مچا رہی تھی؟“  
”گھر کہاں ہوئی ہے۔“  
”میں نے کہا طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ وہ کچھ اور بے چین ہو گئے۔ حیدر نے منہ سے دوش ہٹا کر خشمک سے نگاہ سے شوہر کو گھورا۔



"میں نے کہا برکت حسین جا۔ مسجد جا کے اللہ کے سامنے معافی مانگ۔ تیرے بھی کوئی گناہ بخشے جائیں۔"

"جا رہا ہوں۔ تجھے میرے گناہوں کی بڑی فکر ہے۔ شوہر کے آگے زبان چلانے والی عورت جیسی ہوتی ہے۔"

حمیدان نے دوبارہ پلو منہ پر ڈال لیا۔ وہ بڑبڑاتے چلے گئے۔ اوپر سے ابرار میڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ حمیدان اس کی آہٹ پر بدک کر اٹھیں۔

"کیس جا رہے ہو؟"

"جی۔" ابرار کو حمیدان اور کبریٰ کے رویے میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا حمیدان کو اس کا یہاں رکتا برا لگا ہے مگر کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنا برا ہی سمجھتا تھا۔

"یہ مجھے میں روئے گا وہی بھی لادے۔" حمیدان نے پلو سے پیٹے کھول کر اسے سمجھائے۔

"جی۔"

"ٹھہر جا کنوڑی لا کر دیتی ہوں۔" وہ بھاری وجود سنبھالتے اٹھیں۔ بچن سے لا کر کنوڑی بھی اسے تھما دی وہ بے جاہ جڑ بڑو کر مڑا لگی میں چلتے بچے کو بھیج کر وہی منگوائی ڈالیں آیا تو حمیدان نہیں سمجھی۔

"مائی! اس نے محسن ہی سے آواز دی اندر جانا مناسب نہ سمجھا کنوڑی چارپائی پر رکھنے کا سوچا تو دیوار پر بیٹھی ملی کود کھ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"مائی یہ دی۔"

اندر سے عریضہ نکلی۔ اجنبی صورت کو محسن میں کھڑے دیکھ کر ماتھے پر ہل پڑ گئے۔

"کیا بات ہے۔"

"مائی نے وہی منگوا لیا تھا۔"

"تو اندر آنے کی کیا ضرورت تھی، دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتے تھے۔" شمالی رنگت والی لڑکی نے ٹھک کر کہا۔ ابرار کو اس کے کچے پر تلوئی آگیا۔ اس نے کنوڑی چارپائی پر پتی۔

"مائی کو دے دیجئے گا۔" کہہ کر ہر نگل گیا۔

"ارے عس قدر بد تمیز لڑکا تھا۔" وہ بڑبڑاتی کنوڑی اٹھا کر کچن میں رکھ آئی۔ اندر فاطمہ نماز پڑھ رہی تھی

مریم نے ناک میں کانوں سے لگایا تھا۔

"کچھ فاطمہ آئی ہے ہی سیکھ لو، یہی چلی جائیں گی تو تمہارا کیا بنے گا۔" غریشہ نے ناک میں پھینچا۔

"وہی جو تمہارا بنے گا۔" مریم نے دوبارہ ناک میں پکڑا۔

"مریم! میں تم سے باتیں کرنے آئی ہوں۔"

"اوسکے چھت پر چلے ہیں۔" مریم فوراً اٹھ گئی

☆ ☆ ☆

نبیلہ شادی کی تاریخ طے کرنے آئی تھیں۔ حسب عادت حمیدان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"مختی جلدی ہماری تو ابھی تیاری ہی نہیں۔"

"تیاری کیا کرنی ہے گھر کی بات ہے۔ میں یوں بھی اپنے بھائی پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔ چیز کی تو ضرورت ہی نہیں۔ گھر میں جو کچھ ہے، انہی نے استعمال کرنا ہے۔"

"پھر بھی اب خالی ہاتھ تو لڑکی کو نہیں بھیجیں گے۔"

"ہاں تو کپڑا آتا بناؤ۔ بس اتنے دنوں میں اتنا تو ہو ہی جائے گا۔"

"ہاں ہاں۔" برکت حسین نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے نبیلہ! ہم نے کون سا دھوم دھڑکا کرنا ہے۔ سادگی سے نکاح اور رخصتی کر دیں۔ یہی سنت ہے۔"

حمیدان نے کھا جانے والی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔

"آپ کیوں فکر کر رہی ہیں بھابھی! ان شاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ بس ہم اللہ کے کر کے تاریخ دے دیں۔" عادلہ نے رمانیت سے کہا۔

"ارے میں تمہیں کپڑوں میں لڑکی کیسے رخصت

کر دوں۔"

"اس کی اپنی کھوپڑی ہے۔ اچھا بھلا خرچہ بچ رہا ہے۔"

برکت حسین دل ہی دل میں تھملا کر رہ گئے۔

"جیل آ رہا ہے، واپسی پر طیبہ اس کے ساتھ چلی جائے گی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں یہ شادی ان کی دھوکہ میں ہو جائے پھر نبیلہ نے کب ان کا اتنا ہوا میں اسی گھر میں اکیلی رہتی ہوں محسن تو سارا دن آفس میں ہوتا ہے۔"

"ہاں تو بس ٹھیک ہے۔ جب تمہیں مناسب لگے چار بندے لے آنا بعد میں بھلے ویرمہ دھوم دھام سے کر لیتا۔ یہی سنت ہے۔"

برکت صاحب نے آرام سے بات ختم کر دی۔

"چلیں، اللہ مبارک کرے۔ میں مٹھائی لے کر آئی ہوں۔" عادلہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

گھر میں شادی کی تیاریاں کیا شروع ہوئیں۔

"ہے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، گلیا ہو گا، کیسے ہو گا۔" آتے جاتے نعمان سے جھگڑا کہ پیسے اور دو۔

"ہے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، گلیا ہو گا، کیسے ہو گا۔"

"میں کہاں سے لاؤں اتنے روپے۔ ذرا ہاتھ روک کر خرچہ کریں۔"

"کیسے ہاتھ روکوں، منگائی دیکھی ہے۔ تم تو چاہتے ہو، ہمیں گو شہرت کے پیالے پر رخصت کر دو۔"

ہنگ کر بولیں۔ نعمان نے نوالہ پلیٹ میں پختا۔

"جتناباں میں ہو گتا کر سن نا۔ پیچھو دیار بار کہہ رہی ہیں کہ کچھ نہیں کرنا، فریج پر گرا کر سی سب کچھ ہے تو پھر کیا ضرورت ہے۔"

"یہ عورت ہم سب کو کھنکھل کرے گی۔ احمق! فاطمہ میری بہن کے گھر جا رہی ہے۔ تیرے کنبھلے غلامان میں نہیں جو اس طرح پاگل ہو رہی ہے۔"

برکت حسین نے تڑا۔

"ہاں پاگل ہو رہی ہوں۔ تیری اولاد کے لیے کر رہی ہوں۔ یہی پیچھو کل کو ساس بن کر طعنے دے گی کہ بیٹی خلی ہاتھ آئی۔"

"اٹاں! تمہیں تو عادت ہو گئی ہے، ہر بات کو بڑبڑا چڑھا کر کرنے کی۔" کانا پختا ہو سکے گا کر دیں گے۔"

نعمان نے جھنجھلا کر بات ختم کرنے کی سعی کی۔

"پتا ہے تجھے جو موزو تیرے دل میں اٹھ رہے ہیں۔ اس کی بھی خبر ہے۔ بہنوں پر پیسہ خرچ کرتے چان نکل رہی ہے۔ کسی کھڑکی کے لیے پناہ چاکر رکھ رہا ہے؟"

"کہاں لے جا رہا ہوں، جو کہا رہا ہوں گھر میں ہی لا رہا ہوں۔ پر یہاں کسی کو کیا قدر۔ بس ٹونوں کی گڈیاں پکڑاتے رہو، سب راضی۔ ذرا اونچ نیچ ہو جائے تو گھٹے سے پکڑ لیتے ہیں۔ اس گھر میں بندے کی نہیں ٹونوں کی قدر ہے۔" وہ غصے سے بولتا باہر نکل گیا۔

"اب خوش ہے۔" برکت حسین نے طنز سے پوچھا تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔ "سب جانتی ہوں۔ اس کو پیٹنے کیوں لگ رہے ہیں۔ فاطمہ کی شادی ہو جائے تو کرنی ہوں اس کا بھی بندوبست۔"

☆ ☆ ☆

حمیدان کسل مندی سے منہ پر دھپنے ڈالے چارپائی پر لیٹی تھی۔ جب سے ابرار گیا تھا اس نے گویا ہر کام سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ کرنی بھی تو بارے ہاتھ سے سر شام جسم بخار زدہ ہو جاتا۔ جو ٹوں میں خواہ مخواہ درد رہنے لگا۔ ابھی چند دن پہلے کیسے گھوڑے کی طرح چاق و چوبند تھی۔ اب جیسے جسم سے ساری توانائی چڑھ گئی ہو۔

کبریٰ نے اسے یوں لینے دیکھا تو دودھ کی پالیاں نور سے نکلیں۔

کچھ دیر پہلے حمیدان اٹھی تھی اور صرف بھیجنے کا دودھ دہ کر واپس آئی۔ پالٹیوں کے کھڑاک پر بھی



جب جمیلاں نے سرنہ اٹھایا تو کبریٰ اس کے سر پر کھڑی ہوئی۔  
 ”میں نے کہا، تب تک یہ ٹانگ چلے گا۔ اس کے دفع ہو جانے سے اس گھر کے کام تو نہیں رکے گئے۔ میں انکی کیا کیا کیوں۔“

کبریٰ کی گرفت آواز پر جمیلاں نے دوپٹہ منہ سے ہٹایا۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں۔  
 ”میری طاقت میرا بلو تھا کبریٰ! اسی کے لیے بھائی پھرتی تھی۔ وہ کیا ہے۔ تو لگتا ہے جسم سے ساری جان نچر گئی ہے۔ دیکھ چلتی ہوں تو سر پکڑنے لگتا ہے۔ اللہ جانے کس حال میں ہو گا۔ کہاں رہتا ہو گا۔“

”میرے سامنے تو اس حرام خور کا نام نہ لیا کرو۔“  
 ”اے اللہ! کیا کی تھی میری بیٹی میں۔ خوب صورت ہے، زین جانید او دلی ہے۔ اسے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ تو ہم نے سوچا چلو گھر کا لڑکا ہے یعنی بھی نظروں کے سامنے رہے گی۔ تمہارا بھی خلع نہ نکالتا رہے گا۔“  
 ”میرے سامنے۔ عزت داس نہ آئی تمہیں بیٹے کو۔“  
 کبریٰ چمک کر بولی۔

”تیرا طریقہ غلط تھا کبریٰ! میرا پتہ پڑی تو والا ہے۔ نظر چمکا کے چلا ہے، سر نہیں۔ ٹوٹے تو اسے خریدنا چاہا۔ ان چند روٹیوں کے بدلے جو وہ اس گھر میں کھانا رہا۔ اتنا سستا نہیں تھا میرا برا۔“

”جیل۔ اب دیکھ لیں گے۔ چاچے کے بغیر کون سا تیرا رہے گا۔ چار دن میں دھکے کھا کر واپس نہ آیا تو میرا نام بھی کبریٰ نہیں۔ اب اٹھ کر تندور گرم کر۔ بہت ہو گیا آرام۔ بیٹا بھی بڑ حرام تھا۔ اب مال بھی۔“

وہ کبھی جھکتی اندر مٹی تھی۔  
 ”تیری کی زبان سے کبریٰ! اس سے بلو بھاگا ہے۔ اب اللہ جانے کہاں دھکے کھاتا ہو گا۔ اللہ کرے اسے برکت بھائی کا گھر مل گیا ہو۔ برسوں سے کوئی خیر خبر نہیں۔ یہ نہ ہو کہ گھر بدل لیا ہو۔“ وہ اٹھ کر سرت روی سے تندور میں لکڑیاں ڈالتے لگی۔ دھیان سارا بلو کی

طرف تھا۔ اصغر نے اس دن سے جمیلاں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ کبریٰ تو کبریٰ بشریٰ بھی ہر وقت انگارے چباتی۔  
 ”ماہر صاحب کی طرف جاؤں گی۔ شاید کوئی فنان کیا ہو۔“

اس نے چوہے سے سلٹا پالا چمچے سے اٹھا کر تندور میں پھینکا۔



”یہ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی! عاقلہ کا بکا رہ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ حمید اس سے ایسی بات کر سکتی ہیں۔“

”تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ فاطمہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔“ منظر چھپتی حمید اس نے لاہروائی سے کہا۔  
 ”وہ تو ٹھیک ہے مگر۔“ عاقلہ ابھی بھی شک میں تھیں۔  
 ”اگر مگر جو نہ۔ سیدھی بات کرو۔“  
 ”میں نے وہ عرشہ کے لیے۔“

”تو میں کون سا مفت مانگ رہی ہوں بی بی! ادھار مانگ رہی ہوں۔ کل کو عرشہ کی شادی ہوئی تو دلپس کر دیں گے۔ تب تک تو یوں کی بھی تو کڑی ہو جائے گی۔ پھر عرشہ کو کہاں جاتا ہے۔ یہیں رہتا ہے ہمارے پاس۔“

”آپ۔“ عاقلہ بے چمن ہو کر کھڑی ہو گئیں۔  
 ”سارے فیصلے خود ہی کرتی جا رہی ہیں۔“  
 ”میں نے کیا انوکھا کہہ دیا۔ تم نے بیٹی میں بیانیہ پھر سنا حق تو ہمارا ہوا نا۔“  
 ”جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔“

”استانی صاحب! وہ اس خاندان کا خون ہے یہ مت بھولنا۔ پھر میرے ٹوہن میں کی کیا ہے؟“ حمید اس نے تنک کر پوچھا۔

”میں نے کہا جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔“  
 عاقلہ نے قطعی انداز میں کہا۔ ”اور جہاں تک بات ہے زبور کی تو وہ میں نے عرشہ کے لیے بنوایا ہے۔ باقی

اللہ کے لیے جو مجھ سے بن رہا۔ میں کروں گی۔“  
 مضبوط لہجے میں کہہ کر عاقلہ اپنے گھر چلی گئیں۔  
 حمید اس کو پتے لگ گئے۔ سبزی کی تو کڑی ایک طرف بیچ دی۔ اندر کا بیل اس وقت نکلا جب عرشہ مریم اور فاطمہ بازار سے آئیں۔

”ای! کیا ہوا ایسے کیوں کھڑی ہیں، سبزی بھی نہیں بنائی۔“ فاطمہ نے انہیں یوں لہنے دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا۔ حمید اس نے اپنی کبلی آنکھیں دوپٹے سے صاف کیں اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”تائی جان! آپ رو رہی ہیں۔“ حیران حیران سی عرشہ ان کے پاس بیٹھی تو وہ پھپھک پھپھک کر رو دیں۔

”ہاں اب میری بچی اوقات ہے کہ تمہاری ماں یوں میری بے عزتی کر جائے وہ بڑھی نکلی عقل مند عورت میں جاہل ان بڑھ۔ میرا اس کا مقابلہ کیا؟“  
 مریم نے طویل سانس لے کر شاپر اٹھائے اور اندر رکھنے چلی گئی۔ اسے ماں کے دلوٹے سے کوئی مطلب نہ تھا۔

”پتا تھا کہ بیٹی یہاں ہے۔ پر گھر کے خرچوں نے سر ہی کہاں اٹھانے دیا۔“  
 ”آخر ہوا کیا؟ امی نے آپ سے کچھ کہا۔“ عرشہ ان کے گرد بانو لیٹ کر پوچھنے لگی۔

”اس نے کیا کہنا ہے۔ غلطی میری تھی۔ جو اپنا سمجھ کر اس سے مدد مانگتے بیٹھ گئی۔ انتہائی تو کہا تھا کہ عرشہ کے لیے بنایا زبور فاطمہ کو دے دو۔ ٹوہن نے کہا تھا۔ جب عرشہ کی باری آئے گی تو ہم اتنا ہی بخوادیں گے۔ بس بہتے سے اٹھری کہ آپ نے یہ بات کی تو کی کیوں؟“

اپنی کے آنسو عرشہ شرمندہ شرمندہ سی اپنی دوپٹے سے صاف کرنے لگی جبکہ فاطمہ کولہ کی اس حرکت پر غصہ آ گیا تھا۔

”آپ کو کیا ضرورت تھی چچی سے یہ بات کرنے کی۔ جو بے جتنا ہے کافی ہے۔ یوں مانگ مانگ کر تو رخصت نہ کریں۔“ فاطمہ کولہ کی حرص وہوس سے

بجلی آگاہی تھی تب ہی ان سے اچھٹے لگی۔  
 ”فاطمہ آئی! اپنے ہی انہوں کے کام آتے ہیں۔ امی کو یوں انکار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ زبور آپ نے پہنایا میں نے کیا فرق پڑتا ہے۔“ عرشہ نے آہستگی سے کہا۔ اس سے حمید اس کے آنسو برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

”عرشہ! یہ بات نہیں ہے۔ چچی نے ہمیشہ ہمارے لیے بہت کیا ہے۔ مگر اس۔“

”تو چپ رہ فاطمہ! میری بیٹی۔“ حمید اس نے عرشہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”آخر اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے۔ پر کیا کریں۔ ہمارے نصیب ہی ایسے ہیں۔ نبیلہ ہی سال بھر صبر جاتی تو ہم بھی کچھ نہ کچھ بناتے۔“

”آپ فکر نہ کریں! امی! امی! میں امی سے خود بات کروں گی۔ وہ میری بات بھی نہیں ٹالیں گی۔ آخر وہ زبور میرا ہی ہے۔“

”اس کی کوئی ضرورت نہیں عرشی! امی تو خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہیں۔ عاقلہ چچی سے وہ زبور نہ بنایا ہوتا۔ تب بھی میری شادی ہو جاتی تھی۔“ فاطمہ نے قطعی انداز میں کہا اور باقی شاپنگ بیگ اٹھانے لگی جو مریم چھوڑ گئی تھی۔ ساتھ ہی موضوع بدلا۔

”آمن ای! آپ کو شاپنگ دکھاؤں۔“  
 ”میں گھر جاتی ہوں۔“ عرشہ کھڑی ہو گئی۔ حمید اس نے چور نظروں سے فاطمہ کو دیکھا۔ اس کے اندر جانے کے بعد چپکے سے بولیں۔

”تم بات ضرور کرنا۔“  
 ”جی آپ فکر نہ کریں۔“ عرشہ نے تسلی دی۔  
 گھر آئی تو عاقلہ بھی سرنہ کھڑی پڑی تھیں۔ سوئی ہوئی تھیں یا یونہی لیٹی تھیں۔ عرشہ نے بھی بات

نہیں کی۔ بس اودھر اودھر پھرتی رہی۔ عاقلہ نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ یونہی کوٹ پر کوٹ بدلتی رہیں۔ عرشہ کی اپنی بھوک مر گئی تھی۔ عشاء کی اذان سے ذرا پہلے وہ اٹھیں۔  
 ”تم نے کھانا کھالیا؟“



# حنا

بہنوں کا اپنا ہنامہ

لاہور

مارچ 2012 کا شمار "شہزادہ شمس" شائع ہو گیا ہے

مارچ 2012 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ گنگار "شہزادہ شمس" سے ملاقات

☆ "جو وفا کا اعتبار ہے" سعدیہ عابد کا مکمل ناول

☆ "سقم گزیدہ" سدرہ سحر عمران کے قلم سے نکل

ایک دل کا تفریق

☆ "آئین شامیں" صبا احمد کا مکمل ناول

☆ "کوئی پندام ہر کوئی راز خان" عتیقہ ملک کا ناول

☆ "تفوی راہ طلب میں" ہما عامر کا ناول

☆ اس کے علاوہ ماہوار تاج، سحر، بحر، راجہ، شمس، سہما، انصار

اور کچھ نیا کے نکلنے

☆ "تم آخری جزیرہ ہو" ام مہم کا سلسلہ ناول

☆ "وہ ستارہ صبح امید کا" فوزیہ خالد کا سلسلہ ناول

مختصر

یاد رہے کہ ہفت روزہ کی باخبر، انشاد، نامہ، انگریز، شمس  
کی دنیا کی دلچسپ معلومات کے علاوہ  
کے سبھی متن سلسلہ ناول ہیں

مارچ 2012

کا شمار "شہزادہ شمس" شائع ہو گیا ہے

کہ بہت جلد پانے کی خواہش رکھتا تھا اور عادلہ سمجھتی  
تھی ایسے لوگ منہ پر پتھر کر بھی تا آسودہ ہی رہتے  
"یا اللہ! ہمیں صبح اور غلط کا شعور عطا فرما۔"

\*\*\*

عریشہ ماں کے پاس سے اٹھ کر تانی کی طرف چلی  
اٹھ کرے میں ہی وی چل رہا تھا سب اندر تھے  
بیشک کا دروازہ بھی بند تھا اور پری لائٹ جل رہی  
تھی۔ وہ آہستگی سے اوپر چلی گئی۔ توپان سے بات کر  
کے دل کا بوجھ ہٹا کر چاہتی تھی۔ اپنی دھن میں اندر  
آگئی مگر ٹھنک کر رکنار پڑا۔ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے  
ابراہیم کو دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی  
ہو گئی۔ یہ تو تھا تھا کہ کوئی مہمان بیشک میں بنایا کے  
پاس ٹھہرا ہے مگر یہ نہیں پتا تھا کہ وہ کبھی کبھی کمپیوٹر  
استعمال کرنے کے لیے توپان کے کمرے میں بھی آجاتا  
ہے۔ ابراہیم کو گریو کا کھڑا ہو گیا۔

"آپ۔"

"توپان کہاں ہے؟" عریشہ کو بھی یوں منہ اٹھا کر  
چلے آئے پر نہ است سی ہوئی۔

"پتا نہیں۔" ابراہیم نے کہا تو وہ تیزی سے واپس  
پلٹ گئی۔

"تو یہ ہے؟" وہ خطی سی لڑکی۔ مگر یوں رات کو اس  
طرح کسی لڑکے کے کمرے میں آتا تو مناسب بات  
نہیں۔"

وہ سوچتا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا۔

\*\*\*

توپان فریق سے پانی کی بوتل نکل رہا تھا۔ روشیاں  
پکائی حیدر آباد پر پڑنے لگیں۔

"کچھ زیادہ ہی دماغ اونچا ہے اس عادلہ کا۔" کی کیا  
ہے میرے بیٹے میں مگر اس کی تو آوازیں ہی کچھ اور

ہیں۔"

"کیا ہوا اہاں؟" اس نے ریک سے گھاس اٹھاتے

عادلہ کچھ لمحے بول ہی نہ سکیں۔ انہیں اچانک  
احساس ہوا ان سے بھول ہو گئی ہے۔ انہیں عریشہ  
ان تمام حالات سے بے خبر نہیں رکھنا چاہیے تھا  
اب وہ اسے کچھ بتائیں تو وہ بھی یقین نہ کر سکتی۔  
"تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت  
نہیں۔ میں جس طرح مناسب سمجھوں گی۔ پینڈل کر  
لوں گی۔"

"ای۔ آپ۔ آپ۔ بہت سیلفش ہیں۔"

وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی اور۔۔۔ عادلہ بس بیٹی کے  
تیور دیکھتی رہ گئیں۔ وہ ان کی اگلی اولاد تھی اور اسے  
یہ وہ ماں سے زیادہ دوسروں کا خیال تھا۔ ان کا کھانا  
سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اتنی بہت بھی نہ ہوئی کہ پلٹیں  
اٹھا کر پچن میں رکھ آئیں۔ ایک طرف کر کے وہیں  
لیٹ گئیں۔ انہیں وہ سارے رخ لمحے یاد آنے لگے۔ وہ  
اس گھر میں گزرے تھے۔ حیدر آباد پہلی بوا اور ان کے  
خاندان کی تھیں۔ سو متبر تھیں۔ اور عادلہ کی  
تعلیم، ذہانت اور سلیقہ ہی ان کے لیے طعن بن گیا۔  
حسد کی آگ میں وہ لوگ خود ہی نہیں جلے عادلہ کو بھی  
جلا ڈالا۔ آخر عریشہ کے ابو کو ہی احساس ہوا تو گھر دو  
حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

یہ قصور بھی عادلہ کے کھاتے میں ڈالا گیا۔ جب  
تک ساس سرزندہ رہے۔ زور اور دھونس سے ان کی  
متنوع نگاہ لیتے۔ جب نہیں رہے تو حیدر نے پینٹرا  
پیدا کیا وہ بھی کام مختلف طریقوں سے کرتے لگی  
تھیں۔ عادلہ ان سب کی خود غرض اور مطلب پرست  
فطرت سے بخوبی آگاہ تھیں تب ہی عریشہ کو ان کے  
حوالے کرنے سے ڈرتی تھیں۔

توپان اچھا لڑا تھا مگر عادلہ کو اس کی شارٹ کٹ  
استعمال کرنے کی عادت بری لگتی ہے۔ ایسے لوگ  
اپنے فائدے کے لیے دوسروں کو دھوکا دے کر راستے  
میں چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ وہ اکثر عادلہ کے پاس بیٹھ کر  
اپنے مستقبل کی پلاننگ کرتا اور اس کے خواب  
اٹنے اونچے تھے کہ عادلہ کو خوف آنے لگتا۔ وہ بہت

"بھوک نہیں ہے۔" وہ کھلی کھڑکی سے باہر  
جھانک رہی تھی۔ یہاں چاند دھیرے دھیرے بادلوں  
میں چھپتا جا رہا تھا۔ روٹی کی سفید پھسکیوں جیسے بادلوں  
سیاہ آسمان پر پھلتے جا رہے تھے۔ ہوا میں کی اور خوشی  
بڑھ رہی تھی۔

"میں نے دوسرے میں بھی نہیں کھایا تھا۔ جاؤ۔ چاول  
گرم کر کے لے آؤ۔" انہوں نے نرمی سے کہا تو وہ دل  
ہی دل میں جھنجھلاتے ہوئے پچن میں لگی۔ چاول  
گرم کر کے لے آئی۔ حسب عادت نہ راستہ بتایا نہ  
سلاد۔

"تمہاری تانی نے بہت ہی عجیب بات کی۔ روپیہ  
پیسہ پکڑے۔ جو تے لے کر دینا اور بات ہے مگر اس  
طرح۔ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ ابھی ابھی خود کھای  
کیے تھیں۔

"ای۔ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔" عریشہ  
نے آہستگی سے کہا۔

عادلہ نے چونک کر بیٹی کا منہ دیکھا اور چیخ پلٹ میں  
رکھ دیا۔

"ابو کی دفتھر کے بعد ہر مشکل گھڑی میں انہوں نے  
ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"عریشہ! تم کچھ نہیں جانتیں۔ صرف اس لیے  
کہ میں نے کبھی تمہیں بٹھا کر وہ سب نہیں بتایا جو مجھ  
پر چلا۔ تمہارے ابو کی دفتھر سے پہلے اور بعد میں جو  
محض وقت میں نے گزارا۔ یہ میں ہی جانتی ہوں  
۔ لیکن میں نے تمہیں ان گھریلو سیاستوں سے دور  
رکھا۔ صرف اس لیے کہ تم سب رشتوں سے نفرت  
محسوس نہ کرنے لگو۔ میں نے ان سب کے لیے  
بہت کچھ کیا ہے لیکن اب میرے پاس کچھ نہیں بچا۔  
میں زیور دے کر اپنے ہاتھ پاؤں نہیں تروا سکتی۔ مجھے

تمہاری شادی بھی کرنا ہے۔ اور میرے پاس کوئی  
قارون کا خزانہ نہیں۔" عادلہ بولتی چلی گئیں۔

"ای۔ اچھے اس زیور کی ضرورت نہیں۔ بس آپ  
فاطمہ آپنی کو دے دیں۔"



پوچھا۔

”ہونا کیا ہے؟ عاقلہ نے عرشہ کے لیے حیرے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔“ حمید ابراہیم نے ایسا لٹھ مار ہوتا تھا کہ اگلا بندہ ایک بار تو ضرور ہی تلو کھا جائے۔

”ٹوہان بھی حیران ہو کر کہاں کا منہ دیکھتے لگا۔“

”ہاں تو کیوں نہ کرے گی۔ گھر عرشہ کا دکان عرشہ کی“ وہ تو جائیداد والی ہے۔ اس کے لیے کوئی اونچا رشتہ ہی ڈھونڈے گی۔ ہمیں تو ویسے ہی کسی کھاتے میں نہیں رکھتی۔ ہم تو اسے جاہل دیکھتے ہیں پر ٹوہان! تجھ میں کیا کمی تھی۔ حیرے جتنی جماعتیں تو اس پورے خاندان میں کسی نے نہیں پڑھیں۔“

”اماں! ہمیں ضرورت کیا تھی ابھی رشتے کی بات کرنے کی۔“ ٹوہان نے جیز ہو کر کہا اور مجھے کوئی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔ میرے چار منٹ کی ایک سے ایک لڑکی مجھ سے شادی کے خواب دیکھ رہی ہے۔“

”ہاں تو کیوں نہ دیکھے میرا بیٹا شہزادہ ہے شہزادہ۔ عاقلہ تو ناشکری ہے۔ اس کی اولاد ہے اس کی مرضی مگر مجھے تو عرشہ کا خیال تھا۔ بے چاری لڑکی۔“

حمید ابراہیم نے ساف سے روٹی تو بے پروائی۔ ”اچھا چھوٹ۔ یہ اس لڑکے کے لیے بھی روٹی لے جانا۔ یہ مفت کی مصیبت نجانے کب تک گلے پڑی رہے گی۔“

”خود ہی دے دینا۔ میں جا رہا ہوں۔“ وہ بیزار سے بول اور گلاس لے کر اوپر چلا گیا۔

”ہاں میں تو کر لی ہوں۔ میری عمر میری! وہ بیڑی ہوتی ہو میری کو آواز دینے لگیں۔“

\*\*\*

”اتنی محنت کرو گے تو بالکل ہو جاؤ گے۔ سارا دن نوکریاں کرتے ہو رات رات بھر بڑھائیاں کرتے ہو۔ انسان ہو یا جن۔ تمہیں خیر نہیں آتی۔“

ٹوہان اچھے کر پوچھ رہا تھا۔ ابراہیم نے کتاب بند کر کے

اپنے آگے ہونے کو ڈھکیا چھوڑا۔

”مجھوڑی ہے ٹوہان بھائی! اب گاؤں میں میرے ابا تو بیٹھے نہیں جو میری فہمیں بھرس گے۔ خود مجھے ہی پیسے جمع کرنے ہیں۔“

”چچا تو ہے نا۔ ان ہی کو قابو کر لیا ہوتا۔“ ابراہیم نے دیا۔

”اس کی پاداش میں مجھے ان کی بیٹی سے شادی کرنا پڑتی۔“

”تو کر لیتے۔“ ٹوہان نے لاپرواہی سے کہا۔

”جی اور ایک بد زبان لڑکی کو ساری عمر کے لیے گلے کا بار بنالیتا۔“

”ساری عمر کے لیے نہ بتاتے وقتی طور پر سہی۔“

”کیا مطلب؟“ ابراہیم نے اچھے کر ٹوہان کو دیکھا۔

”اوہ بے وقوف لڑکے۔ یہ زندگی ہے میری سیدھے رستے پر چلو تو منزل دور بہت دور چلی جاتی ہے۔“

پارا اشارت کٹ مارا کیونکہ وہ شادی کر لو اس سے بچا چھوٹا بی بھر کر سپورٹ کر سگے۔ جب جب مل گئی کسی منظر پر پہنچ گئے تو اپنی مرضی سے شادی کر لیتا۔

”اچھا پھر اس لڑکی کا کیا ہو گا؟“

”طلاق دے دینا۔ یا وہیں گاؤں میں چھوڑ دینا۔“

”سہیل۔ یہ لڑکیاں بہت بے وقوف ہوتی ہیں۔ ذرا پیار کا جھانسا دو۔ یوں۔“ اس نے چٹکی بھائی۔ ”یوں مضی میں آتی ہیں۔ بس بندے کو فائدہ اٹھانے کا ہنر آنا چاہیے۔“

ابراہیم نے بے حد افسوس اور دکھ سے ٹوہان کو دیکھا۔ اسے لگا تھا ٹوہان بانی گھر والوں سے مختلف انسان ہے۔

”اسنے فائدے کے لیے کسی لڑکی کی زندگی برباد کرنا نہیں ہے؟“

”اب اپنا مقصد پانے کے لیے اتنی سی خود غرضی تو جائز ہے۔“

”میرے نزدیک تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

”تو بیٹا! پڑا رہ پھر گناہ ٹوہان کے چکریوں میں۔“ ٹوہان نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ ”تم جیسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔“

”شاید۔“ ابراہیم نے کندھے اچکا دیے۔ اس کا دل چاہا وہ ٹوہان سے پوچھتے کیا وہ عرشہ کو بھی استعمال کر رہا ہے مگر تنگ کیا وہ برا بھی مان سکتا تھا۔ ٹوہان وہاں سے نکل کر صحن میں ٹپٹنے لگا تھا۔

ابراہیم کا دل پڑھائی سے اچاٹ سا ہو گیا۔

\*\*\*

”کیا ہے بلو! تو ٹھیک تو ہے، گھر والے تیرا خیال تو رکھتے ہیں۔“ جمیل بلو کی آواز سن کر روٹنے لگی تھی۔ ماسٹر صاحب نے دوسری سے اسے دیکھا اور بارہ نکل گئے تاکہ وہ نکل کر بات کر سکے۔

”بی اماں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیوں فکر کر رہی ہیں۔ نہ یہ میرے لیے اچھی ہے نہ میں شہزادوں کے لیے۔“ وہ ہنسنا اس کی ہنسی نے ماں کے جلتے جلتے دل پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹ ڈال دیے۔

”مجھے ایک جگہ تو گری بھی مل گئی ہے اور کچھ یوشن بھی۔“

”تو پھر بڑھتا کس وقت ہے؟“

”رات کو۔“

”اتنی مشکل بڑھائی راتوں کو جاگ جاگ کر کیسے کرتا ہے۔“ جمیل بلو کے دل پر کھوٹا پڑا۔

”اماں! آپ میری فکر نہ کریں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس اپنا خیال رکھا کریں۔ چاچی کی باتوں کو زیادہ دل پر نہ لیتا میں پانچ سال کی بات ہے پھر ہم شہر میں اپنا گھر بنائیں گے۔“

”اچھا برکت بھائی کو میرا سلام دینا اور بھر جائی حمید ابراہیم کو بھی۔“

”جی اماں۔ دے دوں گا۔“

جمیل بلو نے مجھے مجھے دل سے فون رکھا اور وہیں بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ماسٹر صاحب کھنکارتے ہوئے اندر

آئے تو وہ دوپٹے سے آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

”چلتی ہوں ماسٹر صاحب! ماسٹر صاحب نے آہستگی سے اپنا ہاتھ جمیل بلو کے سر پر رکھا۔

”تیرے آنسو اس کا رستہ کھوٹا کریں گے اس کے لیے دعا کیا کر۔ دعائیں رب کی مہربانی سے تاریک رستوں کو بھی روشن کر دیتی ہیں۔“

”دکھ اسی بات کا ہے ماسٹر جی! اس کے باپ کے حصے میں اتنی زمین تو آتی تھی کہ اس کا پتر سکون سے بڑھ سکتا۔ اب کیسے فیروں کے گھروں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہے۔“

”میں نے اصغر کو سمجھائی کہ کوشش کی تھی۔ پر وہ۔“ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کے جملہ اوجھڑا چھوڑ دیا۔

”اصغر کے منہ میں کبریٰ کی زبان ہے اور وہ تو یہی چاہے گی کہ بلو بس دھکے کھاتا رہے۔“

”ابراہیم میں بڑا حوصلہ اور مستقل مزاجی ہے۔ تم دیکھنا بہت آگے جائے گا۔ بس اللہ اسے سیدھے رستے پر رکھے۔“

”آمین۔“ وہ بو جھل دل کے ساتھ باہر نکل گئی۔

گاؤں کی اداس سمنان گلیوں سے گزرتے اس کا دل بھی خالی ہوتا جا رہا تھا۔ اسے لگا وہ پھر دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ گھر بھی وہ کہ جس کی طرف قدم ہی نہ اٹھتے تھے۔

وہ اپنے تھکے ہارے وجود کو لے کر ایک گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”یا اللہ! مگر کاش میں سر نہ رہے تو عورت اتنی بے سہارا کیوں ہو جاتی ہے۔“

دوسرے بل اس نے خود ہی اپنے خیالات پر لعنت بھیجی۔

”بے سہارا کیوں؟ میرے پاس میرا بلو جو ہے۔ ابھی تو میرے جینے کی آس پاتی ہے۔ پھر میں کیوں حوصلہ چھوڑ رہی ہوں۔ بلو کھربانے گا شادی کرے گا۔ اس کے بچے ہوں گے۔ یا اللہ! میرے بلو کو اپنی



حفاظت میں رکھنا۔ اس کے سارے خواب پورے کرنا۔  
وہ پھر سے بھل گئی۔  
خالی ہو تامل پھر سے سنگوں اور خوابشوں سے بھر گیا تھا۔

\*\*\*

دیواری دوسری طرف ٹویان کی آواز اتنی بلند تھی کہ صحن میں ٹیسٹ کی تیاری کرتی عریشہ نے چونک کر مال کو دیکھا۔  
"اتنا مبارک کلام ہے مگر ہماری بے جا خواہشوں اور لہائش کی عادت نے اسے زحمت بنا دیا ہے۔"  
وہ بیزار سے کہہ کر بڑی کی ٹوکری اٹھا کر اندر چلی گئیں۔ عریشہ نے پہلی بار ٹویان کی اتنی اونچی آواز سنی تھی۔ درنہ وہ ہمیشہ بہت سبھاؤ اور چل سے بات کرتا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور درمیان والا دروازہ عبور کر گئی۔ ٹویان مال سے ابھر رہا تھا۔  
"آپ یہ کیسے کر سکتی ہیں۔ مجھے وہ پیسے ابھی چاہئیں۔"

"کہہ دیا۔ کوئی پیسہ نہیں ہو تھا نیارے کو دے آئی ہوں۔" حمید داں نے بے نیازی سے ہاتھ ہلایا۔ گویا ٹویان کی ناراضگی یا غصے کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ وہ بڑے اطمینان سے پال کھولے، تیل کی شیشی ہاتھ میں پکڑے سر میں بالاش کی تیاری کر رہی تھیں۔  
"آپ کو پتا تھا۔ وہ پیسے میرے فاسل سمسری فیس کے تھے۔"

"تو میں کیا کروں۔ بس چند دن رہ گئے ہیں شادی میں۔ اب جہاں سے بندوبست ہوتا ہے مگر۔"

"کہاں سے کرلوں، چوری کرلوں، ڈاکہ ڈالوں؟ اس منہوس زیور کے بغیر فاطمہ کی شادی نہ ہونا تھی۔"  
"جو مرضی آئے کر۔ میں نے لڑکی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کرنا۔"  
"میں خود گئی کروں گا۔"

"دشمنوں کے ہیکھے میں ٹھنڈا رہ جائے گی۔ خزانے کا کر بیٹھے ہیں۔ پر برسے وقت میں کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ کھانا جاتی۔ تیری چچی سے ادھار مانگا تھا۔ نکا سا جواب دے کر چلتی بنی۔ لو اور سنو لڑکی بھی گھر کی زیور بھی گھر کا ہمہ گیر پول میں نکال کر لیتے پر۔"

"اماں! میں کچھ نہیں جانتا، مجھے میرے پیسے چاہئیں۔ وہ غضب ناک ہوا۔  
"میں تو کہا کر لایا تھا؟" حمید داں نے ہاتھ نیچا دیے۔  
"میں دیکھ لوں گا۔ اس شادی میں میں آؤں گا۔" ٹویان غصے سے کہہ کر پلٹا۔ سامنے کھڑی عریشہ کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کی آخری شکوہ بھری نگاہ عریشہ کے اندر گزر کر رہ گئی۔  
حمید داں نے عریشہ کو دیکھا، پھر تیل کی شیشی نیچے رکھ دی۔  
"اب کھڑی کیا دیکھ رہی ہے عریشی! جا اپنی مال سے کہہ دے۔ اگر میرے بیٹے نے کچھ کر لیا تو اس کا ذرہ عادلہ کے سر ہو گا۔"

عریشہ نے دل کر بیٹے پر ہاتھ رکھا۔  
"دوسری طرف صحن میں کھڑی عادلہ نے بھی ایک ایک حرف سننا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ان کی چیز ہے وہ دین نہ دیں۔ اس میں انہیں اتنا مجبور کیوں کیا جا رہا ہے۔"

"کاش میں زیور نبیلہ کے پاس رکھوا دیتی یا ابھی بجاتی ہی نہیں۔ نبیلہ نے منع بھی کیا تھا کہ بڑی بھابھی کو خبر نہ ہونے دیتا۔"

عریشہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ مال بٹی کی نظرس نکرائیں۔ عادلہ کو بٹی کی نگاہوں میں شکوہ ہی شکوہ دکھائی دیا۔ عریشہ بنا کوئی بات کیے اندر چلی گئی۔ عادلہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

عریشہ کی ساتتیس ساری رات گھر کی دلیز پر پرو دیتی رہیں مگر ٹویان واپس نہیں آیا۔ وہی رات نہیں وہ اگلے دو دن تک گھر میں آیا تھا۔ حمید داں اٹھتے بیٹھتے آہیں بھرتیں، جسے سن سن کر عریشہ ذہنی طور پر سخت

اپ سیٹ ہو چکی تھی۔

\*\*\*

"ساری ساری رات بڑھتا رہتا ہے۔ کبھی آنکھ بھی جھپک لیا کر۔" برکت حسین سوئے کی تیاری کر رہے تھے۔ ابراہ کو دیکھ کر ٹوکے بنانہ رہ سکے۔ چند دنوں میں انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکھائستہ ذہین اور مختلی ہے۔

ابراہ نے کتابوں سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور مسکرایا۔

"دن بھر کہاں غائب رہتے ہو؟"  
"ایک کمپنی میں جاب کر رہا ہوں۔ ایک ویٹوشن بھی شروع کی ہیں۔"  
"کیا تمہارے چاچا نے اب بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔" انہوں نے ٹانگوں پر کھیل کر لیا۔  
"وہ اب میری مدد کیوں کریں گے؟" ابراہ آہستگی سے نہا۔

"چچا۔ چل ٹھیک ہنساں کی خیر خبر تو لیتا رہتا ہے۔"

"جی۔" ابراہ نے مختصر کہا۔ اس نے ایک دو بار ماسٹر صاحب کو فون کر کے مال کا پوچھا تھا۔ ماسٹر صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ جب بھی جیلہ گئی وہ اس کی بات کروا دیں گے۔ ابراہ اب اسی فکر میں تھا کہ کچھ پیسے ہاتھ لگیں تو اک سستا موبائل ہی خرید لے۔ ایک بار کے بعد مال سے بات ہی نہ ہوئی تھی۔  
"ادھر ٹویان کے کمرے میں بیٹھ کر پڑھ لیا کر، خالی ہی ہوتا ہے۔"

وہ شاید لائٹ سے مضرب ہو رہے تھے۔ ابراہ خاموش ہو گیا۔ ٹویان کا مزاج وہ سمجھ گیا۔ سو اچھا ہوتا تو اس سے دوستوں کی طرح برتاؤ کرتا، نہ ہوتا تو اکھڑ مزاج ہو جاتا۔ ابراہ سب دھڑے سمجھتا مگر نظر انداز کر رہا تھا کہ وہ فی الحال ہاسٹل کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف یونیورسٹی کی فیسوں نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔

وہ خالی ہاتھ تھا، نا امید نہیں۔  
یہ مشکل تھا، نا ممکن نہیں۔  
اگر اللہ نے چاہا تو کوئی نہ کوئی سبب ضرور بناوے گا۔  
یہ اس کا یقین تھا۔  
اپنی سوچوں میں گم ابراہ کو لگا، دروازے کے پاس سے کوئی سایہ سا گزرا ہے۔ اس نے برکت حسین کو دیکھا، وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ کسی خیال کے تحت وہ باہر نکل آیا۔  
سیڑھیاں چڑھتی عریشہ کو دیکھ کر اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"یہ لڑکی کس راہ پر چل رہی ہے۔"  
اس نے ڈیوڑھی کے کھلے دروازے پر نگاہ ڈالی۔  
"کیا اس کی مال اتنی ہی ہے خبر ہے۔"  
دل یو جمل سا ہو گیا۔ اس نے واپس آکر کتابیں کھولیں مگر دھیان میڑھیوں کے آس پاس بھٹک رہا تھا۔

\*\*\*

ٹویان کو اندہ حالینا جاگ رہا تھا۔ اس کے قریب میز پر کھانا جوں کا توں پڑا تھا۔ آج وہ پورے تین دن کے بعد گھر لوٹا تھا۔

"ٹویان۔" عریشہ کی آواز پر وہ چونکا، مگر سیدھا نہیں ہوا۔ بلکہ بیزار سے پوچھنے لگا۔  
"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟"  
"آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟"  
"یہ پوچھنے آئی ہو؟" وہ سیدھا ہوا۔  
"اتنے دنوں سے کہاں تھے؟"

"عریشی! پلیز جانا، میں اس وقت کسی سوال جواب کے موڈ میں نہیں۔" وہ بیزار سے بولا۔  
"آپ پریشان ہیں۔"  
"ہاں۔ ہوں۔ تو کیا کر سکتی ہیں مس عریشہ آپ میرے لیے؟" اس کے لہجے سے چھٹکا نظر عریشہ کو ٹھنڈا کر گیا۔  
"کچھ نہیں۔ سو پلیز۔ لوی الوں۔ یہ سوال



جواب کر کے مجھے پریشان نہ کرو۔

”میں تو صرف ”توبان“ کے لیے نے اسے بری طرح مجروح کیا۔ اس کی آنکھیں ڈنڈا لگیں۔

”فار کاؤسیک عریشہ!“ وہ جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ ”اب یہ ڈراما مت شروع کرو۔ میری جان پرستی ہے۔ میرا گیر و اوپر لگا ہے۔ چاروں میں پیسوں کا بندوبست نہ ہوا تو میری برسوں کی محنت ضائع جائے گی۔ میرے خواب ملیا میٹ ہو جائیں گے مگر کسی کو کیا پروا۔ یہاں سب اپنی اپنی غرض کے بندے ہیں۔ اماں کو اپنی بیٹی

پیاری ہے اور تمہیں اپنا زور۔“

عریشہ دنگ رہ گئی۔

”مجھے آپ کی پروا ہے توبان!“

”جاؤ عریشہ۔“ پلیز۔ خالی خولی دعوے مت کرو۔

مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“

توبان نے بیزار سے ہاتھ اٹھایا۔ عریشہ نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”میری محبت صرف عوام نہیں ہے توبان!“

”رہتی؟“ توبان استہزائے انداز میں نہل۔

”ہاں۔ اور یہ میں ثابت بھی کر دوں گی۔“

وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

ڈیو ڈھی کا دروازہ بند ہونے کی گواہ پر ابرار نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔

\*\*\*

عادلہ نے سخت لگا ہوں سے بیٹی کو دیکھا۔

”کہاں تھیں؟“

”کہاں ہوں گی۔ مائی کے پاس تھی۔“ وہ لا پرواہی سے کہہ کر اپنے بستر پر بیٹھی۔

”اس وقت؟“

”اب وہاں جانے کے لیے بھی مجھے وقت دیکھنا پڑے گا۔“ اس کے لیے سے چٹکتی بد تیزی نے عادلہ کو ایک لمحے کے لیے تنگ سا کر دیا۔

”یقیناً۔“

”آپ نے پہلے تو کبھی نہیں روکا۔“

”لعل طی کی۔ مجھے روکنا چاہیے تھا۔“

”اب دیر ہو گئی ہے۔“ عریشہ لٹ گئی۔

”عریشہ! میری بات سنو۔“ عادلہ نے سختی سے کہا۔

”مجھے نیند آرہی ہے۔“ وہ کروٹ بدل گئی۔

عادلہ کچھ لمحے اسے غصے اور بے بسی سے دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

\*\*\*

گھر میں ڈھولک رکھ لی گئی تھی۔ بانو اور ساجدہ بھی اپنی آل اولاد کے ساتھ آگئیں۔ آنے بہانے چوتھیں لڑائی رہ گئیں۔ وجہ کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ حیدر کا سوڈا پانی شکر تھا اور عادلہ کے ساتھ روپیہ شہد بھرا۔

”شکر ہے۔ ان کا حیدر ان تھلا۔ اللہ جانے کس نے سمجھایا ہے۔“

عادلہ کی بات پر عریشہ نظریں چرا جاتی۔

درمیان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا بانو ساجدہ کے بچے دونوں صحنوں میں دوڑیں لگاتے رہتے۔ موم پر پڑتی رہتی۔

”ضرورت کیا تھی اتنے دن پہلے آنے کی۔“

”خاموش رہو۔ آپاں لیں گی۔“ قاطلہ نے ٹوکا۔

اس کا آج کل کیچن میں جانا بند تھا۔ سارا بوجھ سریم پر آگیا تھا، سو وہ جھنجھائی رہتی۔

”تو سن لیں۔ دو بیٹیاں پکا پکا کے میری کر رہ گئی۔ اب میں کے حلوے کی فرمائش۔ گویا اپنے گھروں سے

فلتے کرتی آئی ہیں۔ میں تو صاف انکار کر کے آئی۔“

”چھپا سی کیے بانو آپ کی کاموڈ خراب ہے۔“ عریشہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”بوتار ہے۔“ وہ آرام سے لیٹ گئی۔

”قاطلہ آپ! آپ تیار ہو جائیں، ہمیں پارلر جانا

ہمیں لینے آرہی ہے۔“

”میں بھی فیشل کرواؤں گی۔“

”ہاں۔ مگر اپنے خرچے پر۔“ عریشہ آرام سے کہہ کر کچن میں آگئی۔ جہاں حیدر میں کے حلوے بھون

رہی تھیں۔

”آئی میں بیٹی۔“

”حلوے کی خوشبو کھینچ لائی۔“ وہ ہنستے ہوئے پاس بیٹھی۔

”جویر سارا میہ بھی ڈالا ہے۔ لے ذرا پکچہ“ انہوں نے پلیٹ میں تھوڑا سا نکالا۔

”مائی! میری عادتیں خراب مت کریں۔“

”سو داری صدمے، جس گھر میں تیرے جیسی بیٹی ہو۔ اس گھر کے تو نصیب ہی سنور جائیں گے۔“

”اچھا ایسا کر لے اور توبان کو بھی دے آ۔ ورنہ یہ بچہ ابھی سارا چٹ کر جائیں گے۔“

”اماں! ساری ٹکریں توبان کی کرنا۔ تجھے کبھی میرا خیال نہیں آیا۔“ نعمان نے اندر آتے ہوئے کہا تو عریشہ فحش دی۔

”توبان! خیال خود جو رکھتے لگا ہے۔“ حیدر اس نے طنز سے کہا۔

”نہیے اماں آج کل مجھ پر برا غصہ ہے۔“

عریشہ پلیٹ اٹھا کر باہر آئی۔ نعمان کا سامنے گھر پر ہی رعب تھا۔ عریشہ نے بھی کسی اس سے مکمل کربات نہیں کی تھی۔

توبان اسے دیکھ کر مسکرایا۔ وہ آنکھ کے سامنے کھڑا خود پر پر فوم چھڑک رہا تھا۔ گویا کہیں جانے کی تیاری تھی۔ وہ مڑا اور بکاسا سرے اس پر پھینکی کر دیا۔

”میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

”ضروری تو نہیں، میں اوپر آئی۔“ وہ ناز سے مسکرائی۔

”مخترم! ہم آپ کی رگ دگ سے واقف ہیں۔“

”وہ تو مائی! میں نے طوطہ دے دیا کہ آپ کو دوسے آؤں۔“

”ہاں! ورنہ آپ نے کہاں اوپر آنا تھا۔“

دونوں ایک ساتھ فحش دیے۔ توبان نے پلیٹ ایک طرف رکھ دی۔

”مجھے یہ بیوی چیزیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔“

”اسی لیے اتنے اسارت ہیں۔“ وہ کہہ کر مڑنے لگی۔ توبان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔

”یہ بات میری طرف دیکھ کر کہو۔“

”جی نہیں۔“ اسے شرم سی آنے لگی۔ توبان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

”عریشہ! تم بہت اچھی ہو۔ بہت پیاری۔ اور بہت کیڑنگ بھی۔“

”اور؟“

”اچھا تو اپنی تعریفیں سننے کا موڈ ہو رہا ہے۔“ توبان نے چیمبر لے کر بیٹھی۔

”جی نہیں۔“ وہ جھلی سی ہو کر ہاتھ چمڑانے لگی۔

”توبان! بھائی، آپ کو۔“ ابرار تنک کر دروازے میں رکھ۔

توبان نے ہاتھ چھو ڈیا۔ عریشہ شرمندہ سی ہو کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

”ماسوں بنا رہے ہیں۔“ ابرار نے سنجیدگی سے پیغام دیا اور پلیٹ لیا۔

توبان نے کچھ زیادہ محسوس نہیں تھا۔ جبکہ عریشہ نیچے جا کر بھی بہت دیر تک اپنی شرمندگی کو تھلاہٹ میں چھپاتی رہی۔ یہاں تک کہ پچھو کی گاڑی آگئی اور اسے قاطلہ کے ساتھ پارلر جانا پڑ گیا۔

\*\*\*

نبیلہ کو جب ابرار کے بارے میں پتا چلا تو بہت اصرار سے اسے کھانے پر بلایا تھا۔ اب کھانے کے بعد چائے پیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی پرانی یادیں نازہ کر رہی تھیں۔

”جب ہم لوگ بچوں میں تھے تو میری اور نبیلہ کی بہت دوستی ہوئی تھی۔ پھر ہم لوگ توجلدی شرم میں شغف ہوئے۔ بہت دھکی گئی، میں بھی اور نبیلہ بھی۔“ اس کے ذکر پر ابرار مسکرایا۔

”تمہاری طرح اسے بھی پرہیزی کا بہت شوق تھا۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے اس نے اپنا شوق تمہارے اندر خنقل کر دیا ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں۔ اسٹڈیز کے معاملے



میں جتنی سپورٹ مل کی طرف سے ملی، ابا کی طرف سے بھی نہیں تھی۔ ماسٹر صاحب کے گھر پہنچنے کے بعد خود چیک کرنے آئیں کہ میں بیٹھا رہا ہوں۔ کیس گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے تو نہیں نکل گیا۔

”بس بیٹا! اس وقت ماحول ہی ایسا تھا۔ لوہیوں کی برہمائی کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ میرے پڑھنے پر جو جو باتیں بنی تھیں، بتائیں سکتی۔ اور چائے لاؤں؟“

”نہیں۔ بہت شکریہ۔ بہت اچھا لگا“ آپ سے مل کر باتیں کر کے۔ ”ابرار کو وہ سبھی ہوئی خاتون بہت اچھی لگی تھیں۔“

”تمہیں وہاں بھائی صاحب کے گھر کوئی پر اہم تو نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے تم یہاں کیوں نہیں شغف ہو جاتے؟“

”جی شکر یہ آئی! میں جلد ہی دوستوں کے ساتھ فلیٹ شیئر کر رہا ہوں۔ بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔“

”پھر بھی کسی بھی چیز کی ضرورت ہو۔ بالکل ٹھیکتا نہیں۔ خالصتہً گھر میرے پاس آنا۔ بلکہ مجھے بہت گھر ہے کہ تم اتنا عرصہ شہر میں آتے رہے، لیکن کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئے۔“ ان کے لیے سے چھلکتا غلوس ابرار کو متاثر کر گیا۔

”یہ میری کوتاہی ہے۔ ورنہ میں نے تو کئی بار کہا تھا۔“

”بیٹا! بہت مت ہارنا، مشکل وقت گزر جانے کے لیے ہوتا ہے۔“ انہوں نے رمانیت سے کہا۔ ابرار نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”میں نے محسن سے بھی کہا ہے۔ وہ تمہارے لیے کسی بہتر جاب کا بندوبست کر دے گا۔“

”جی۔“ ابرار نے کہا اور سر جھکا کر سوچنے لگا۔

اگر دنیا میں غلوس لوگ نہ ہوں تو ہم جیسوں کا کیا ہے۔ یہ میری تسلی خالص نہیں مگر ان کے انداز میں کتنی اپنا ہیئت محسوس ہو رہی ہے۔

”اب کے گاؤں گئے تو جیلہ کو ساتھ ضرور لانا۔“

نبیلہ کہہ رہی تھیں۔

”جی ضرور۔“ ابرار نے کہا۔ وہ اک خوبصورت

شام گزار کر ٹیوشن پڑھانے چلا گیا۔ نبیلہ سے ملاقات نے اس کا ذہن ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

\*\*\*

دروازہ عائشہ نے کھولا تھا۔ نعمان کی بہت سی دعاؤں میں سے ایک دعا تو دروازے ہی قبول ہو گئی۔

”السلام علیکم“ عائشہ مسکرائی تھی۔

”وعلیکم السلام! وہ خالہ ہیں گھر؟“

”اندر آجائیں۔“ عائشہ نے دروازہ کھول دیا تو نعمان اندر آ گیا۔ عائشہ نے دروازہ بند کیا۔

”آپ کیسی ہیں؟“

”اچھی ہوں۔“

”اس میں تو کوئی شک نہیں۔“ نعمان کی زبان پھٹی۔ ساتھ ہی وہ جل سا ہو کر گردن کھجانے لگا۔

عائشہ نے مسکراہٹ بدلی۔

”آپ اندر چلیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔“

نعمان کو بیٹھک میں بٹھا کر مل کھاتا ہے وہ کچن میں آئی۔ چائے کے ساتھ بیکٹ اور گاجر کا طوطہ گرم کر کے لائی۔

”میں بھی کوں، تم نے اتنے دنوں سے چکر کیوں نہیں لگایا۔“ بن کی شادی میں مصروف تھے۔ ”آمنہ خاتون نے کہا۔ عائشہ نے چائے نعمان کے سامنے رکھی اور خود باہر جانے کے بجائے مل کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”جی بس جمعے کو سلاہی سے نکاح ہے! بس گھر کے لوگ ہوں گے۔“ وہ سیاہ چپل میں متعین اس کے گندمی پیر دیکھ رہا تھا۔

”اچھی بات ہے۔ خواہ مخواہ فیضول خرچی کئی بھی نہیں چاہیے۔ اتنی تو مہنگائی ہے۔“

”جی! فاطمہ کی رخصتی ہو جائے تو میں مل سے بات کروں گا۔“ آمنہ نے بیٹی کو دیکھا۔ وہاں کا اشارہ سمجھ کر اٹھ گئی۔ مگر دروازے میں ہی کھڑی ہو گئی۔

”اچھی بات ہے۔ بیٹا! میں بھی جلد از جلد عائشہ کی ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتی ہوں۔“

”میں کتنا بے تاب ہوں۔ ستائیں سکتا۔“ اس نے سوچا پر کہ نہ سکا۔

”آپ فکر نہ کریں۔ میں عائشہ کو آپ کے پاس اپنی امانت سمجھتا ہوں۔“ وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوا۔

عائشہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

فاطمہ کے لیے تو یہ اک یادگار دن تھا ہی۔ جب بن مانگے اس کی بھولی خوشیوں سے بھر گئی، مگر عیشہ نہیں جانتی تھی کہ یہ دن اس کے لیے بھی بے حد اہم ہو گا۔ اتنا اہم کہ وہ اسے ساری زندگی نہ بھلا سکے گی۔ فاطمہ تیار ہونے کے لیے پار لڑ چاچکی تھی۔

عریشہ نے تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ لاٹک فراک اور چوڑی دار پاجامے میں وہ مغلیہ شہزادی لگ رہی تھی۔ کچلے بالوں میں برش چلائے اس نے خود کو کسی اور کی نگاہ سے دیکھا اور شرمائی۔ تب ہی عاقلہ اندر آئیں تو اسے دیکھ کر ٹھنک گئیں۔ عرشہ کے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ نظر ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ سے چلتی اس کے قریب آئیں۔

”اسی! میں ٹھیک لگ رہی ہوں؟“ عاقلہ نے منہ میں کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اور بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

”ارے“ آج اتنا لاڈ کیوں؟“ وہ شرارت سے مسکرائی۔

”جتنی روشن تمہاری پیشانی ہے۔ خدا اتنا ہی روشن تمہارا نصیب کرے۔ گرم ہوا سے بھی بچائے۔“ بچائے کیوں ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”کانوں میں یہ پین لوں؟“ عرشہ نے جیولری باکس سے ٹاپس اٹھائے۔

”نہیں۔ ایسا کرو میٹ کے ساتھ کی جھپکیاں پھن لو۔“ بے اختیار عاقلہ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔

”میں ابھی نکال کر لاتی ہوں۔“ عاقلہ الماری کی طرف مڑیں۔ عرشہ نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہیں۔ وہ بہت بھاری ہیں۔ میں یہی پین لیتی ہوں۔“ اس نے جلدی جلدی کانوں میں ٹاپس پہنے۔

باہر شور مچا تھا۔ ”میرا خیال ہے فاطمہ اپنی

آنکھیں۔ اہی! آپ بھی جلدی سے آجائیں۔“ وہ کہہ کر غلٹ میں باہر بھاگی۔

”بچوں جیسی ایک سائنسٹ ہے۔“ عاقلہ ہنس دیں۔

ڈیوڑھی کا دروازہ عبور کرتے وہ بری طرح ابرار سے ٹکرائی۔

”افو! ایک تو تم ہمیشہ درمیان میں آجاتے ہو۔“ وہ پیشانی مسکے جھنجھلائی۔

”میں درمیان میں آجاتا ہوں یا آپ خود نکریں۔“ ابرار نے پھر دہرائی۔

”ابرار نے دلچسپی سے اس مغلیہ شہزادی کو دیکھا۔

عریشہ کوئی سخت جواب دینا چاہتی تھی، مگر عقب میں بیٹھک میں سے مردوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سوائے گھوڑی اندر چلی گئی۔

”کوئی لڑکی اتنی خوبصورت بھی لگ سکتی ہے۔“ ابرار نے چپکے سے سوچا۔

فاطمہ پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی۔ نکاح کے بعد نبیلہ نے فاطمہ کو گلے سے لگا کر پار کیا تو چونک سی گئیں۔ انہوں نے مڑ کر عاقلہ کو دیکھا۔ وہ کچلے دار عورت سے باتیں کر رہی تھیں۔ نبیلہ کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو سمجھیں کوئی بات کرنا چاہتی ہے۔ تب ہی معذرت کرتے کہ نبیلہ کے پاس آگئیں۔

”بہت مبارک ہو نبیلہ!“

”تمہیں بھی۔“ لیکن میں نے تمہیں منع کیا تھا پھر تم نے عرشہ کا زیور فاطمہ کو کیوں دیا؟“ انہوں نے دہلی آواز میں کہا۔

”ارے نہیں میں نے تو نہیں دیا۔“

”فاطمہ کا زیور دیکھو وہی ڈیزائن نہیں۔ آخر ہم دونوں نے پسند کیا تھا۔ کیسے بھول سکتی ہوں۔“

عاقلہ نے چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔

”یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ ان کی سرسراہٹ بے یقین آواز ابھری۔

”خود کو سنبھالو۔“ نبیلہ نے دہلی آواز میں کہا۔ عاقلہ عقب میں رکھی کر رہی بیٹھ گئیں۔

”مریم! اپنی چچی کے لیے پانی لاؤ۔“ نبیلہ نے پاس



سے گزرتی مریم کو پکارا تو دور کھڑی عرشہ نے گھبرا کر اس کو دیکھا اور مضطرب سی ہو گئی۔ علاوہ نے دو گھونٹ پانی لے کر خود کو سنبھالنے کی سعی کی۔ انہیں فاطمہ کی رخصتی تک یہیں رکنا تھا۔ جیسے ہی رخصتی ہوئی وہ تیزی سے اپنے گھر آئیں۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

پرس سے چاہیاں لیتے، الماری کا لاک کھولتے، اندر سے زیور کا ڈبہ نکال کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ڈبہ کھولتے تک انہوں نے کتنی ہی دعا مانگی تھی۔  
"بائش یہ ان کا وہم ہو۔" مگر ڈبہ کھلتے ہی سارے وہم اڑ چکے ہوئے باقی رہی تو بے چینی۔  
عرشہ جیسے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر عرشہ کو دیکھا۔ وہ ہاتھ ملتی مضطرب سی ان کے قریب آئی۔  
"ایسی لیپ۔"

"تالا ٹوٹنے بغیر چوری ہو جائے تو کیسی سمجھا جاتا ہے کہ کسی گھروالے کی کارروائی ہے۔"  
عرشہ نے سر جھکایا۔ علاوہ کھڑی ہو گئیں۔  
"کیوں عرشہ؟"

"ای! انہیں ضرورت تھی۔" وہ شرمندہ نہیں تھی۔  
"کیوں عرشہ؟"

"ای! اگر نہیں ہمارے اپنے ہیں۔"  
"کیوں عرشہ؟" ان کی آواز بلند ہوئی۔  
"ای! میں تو ان کا مشکل میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی میں جانتی تھی۔ وہ بہت ریشہ من تھا۔ میں۔"  
"میں تمہاری ماں تھی عرشہ! ان کا بچپن عرشہ کے گل پر رہا۔"

"تم نے اپنی ماں کو دھوکا دیا۔ اپنے ہی گھر میں چوری کی۔ ان لوگوں کے اگلے پر۔"  
"مجھے کسی نے نہیں اگلیا۔" وہ ایک دم چیخ اٹھی۔ "آپ خواتواہ ان پر الزام مت لگائیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں آپ کی طرح خود غرض اور بے حس نہیں ہو سکتی۔ آپ نے ساری زندگی انہیں

حقیر سمجھا، لیکن وہ میرے اپنے ہیں۔ میں ان سے نظریں نہیں پھیر سکتی۔"  
ان کے گلے پر کوئی چھری بھی پھیرتا؟ انہیں جب بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی، جتنی عرشہ کے الفاظ نے انہیں پہنچائی۔ وہ ماں ہو کر ایک بل میں غیر ہو گئی تھیں۔

"توبان کی وجہ سے؟" علاوہ کو اپنی آواز اک گہرے کتوں سے آتی سنائی دی۔  
"جی۔ میں توبان سے محبت کرتی ہوں اور اسی سے شادی بھی کروں گی۔" عرشہ کے لب و لہجے سے لحاظ موت، شرم و حیا سب کچھ غائب تھا۔  
"اگر میں نہ کروں تو۔"

"تو میں سمجھوں گی کہ تائی امی بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ کو بیٹی اور اس کی خوشی نہیں، صرف اپنا احساس برتری عزیز ہے۔ لیکن مجھے صرف اور صرف توبان سے شادی کرنا ہے۔"  
وہ اپنی بات کہہ کر مٹی نہیں۔ چلی گئی تھی اور علاوہ... انہیں نگاہان کلل بند ہو گیا ہے۔  
لگا نہیں۔ جی جی ان کا دل بند ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆  
"عرشہ! تم نے ایسا کیوں کیا؟"

نبیلہ کا بس نہ چل تھا کہ وہ پھپھوں سے اس کا منہ لال کر دیں۔  
عرشہ فکر نگران کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دو رو کر آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ یوں بھی ہوتا ہے۔ اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔

ایک بل کے لیے بھی عرشہ کا ذہن اس حد تک نہیں گیا تھا۔ ماں ڈانسنے کی بجائے بھر رو پیٹ کر چپ کر جائے گی، لیکن اس پر خاموشی اور ڈھلے گی۔ اس کے وہو ملان میں بھی نہ تھا۔  
قدموں تلے زمین کا گناہ کیا ہوتا ہے؟  
قیامت کسے کہتے ہیں؟ ماں کا مہرہ وجود دیکھ کر احساس ہوا۔

کیسی بے یقینی تھی ماں کی آنکھوں میں۔ زرد رنگت، پھپکاؤ، اور۔  
نبیلہ کو اس پر ترس نہیں آ رہا تھا۔

"کوئی یوں ماں کا اعتبار کرچی کرچی کرتا ہے؟ کوئی اس طرح ماں کو دھوکا دیتا ہے۔ جس طرح تم نے دھوکا دیا۔ اس کا تمہارے سوا اور کون تھا؟" کیسے پیسہ پیسہ جو ڈر کر تمہارے لیے وہ زیور بن گیا تھا۔ جس نے ہی صلاح دی تھی کہ کچھ نہ کچھ عری کے لیے جو ڈلو۔ یہاں تو سب کے سب خود غرض ہیں۔ دکان بھتیالی، کبھی ایک پائی نہیں دی۔ ہر مہینے آنے بھانے اس سے رقم بٹوری جاتی تھی۔ اور مہینے کے آخری دنوں میں وہ خالی ہاتھ ہوتی۔"

گہرے میں اندر جہاں رہتا تھا۔ نبیلہ کا چہرہ اسی تاریکی میں گم ہونے لگا۔  
عرشہ کے لب باہم پوست تھے۔

"وہ عیش کہتی میری بیٹی بہت معصوم ہے، وہ نقاب کے چھچھے چھچھے چہرے نہیں کھوج سکتی۔ دوسروں کی پیشانی پیشانی میں فوراً آجاتی ہے اور میں عیش اس سے کہتی کہ تم عرشہ سے ساری باتیں کیوں چھپاتی ہو؟ اسے بتایا کرو، سمجھایا کرو۔"

نبیلہ نے نوپے سے اپنا چہرہ صاف کیا۔  
مگر وہ کہتی نہیں چاہتی کہ وہ اپنے حقیقی رشتوں سے نفرت کرنا دیکھے۔ عرشہ! تم نے اپنی محبت کرنے والی ماں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" عرشہ کے لبوں سے چیخ نکلی گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔  
نبیلہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"مہرے کام لہ۔ اب زندگی کو خود روٹی تو احساس ہو گا۔ ہر وقت جیٹاؤ بن کر ساتھ رہنے والی ماں نہیں ہے۔ دعا ہی کر سکتی ہوں کہ خدا تمہارے اس گناہ کو معاف کرے کہ پر سکون زندگی عطا کرے۔"

حمید اللہ نے اندر بھاٹکا۔  
نبیلہ نے اتنا وقت بھی کیسے مہر کیا تھا۔ عرشہ کو روتا دیکھ کر لپک کر اندر آئیں اور عرشہ کو بانہوں میں بھر لیا۔ نبیلہ نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ عرشہ

روتے روتے بے حال ہونے لگی۔  
"سب بس بھی کرو۔ تم تو حد کرتی ہو نبیلہ!"  
"میں کیا کر رہی ہوں۔ اسے اس کی غلطی کا احساس دلانا ہی ہوں۔" نبیلہ نے بے شکل غصہ ضبط کیا۔  
"کون سی غلطی؟" حمید اللہ چپک کر پوچھیں۔ "میری بیٹی نے کوئی غلطی نہیں کی۔ علاوہ احساس کیا۔ آخر خون کا رشتہ تھا۔ اس کا باپ زندہ ہو تو وہ بھی میری کرنا سب علاوہ نے زیادہ ہی دل پر لے لیا تو اس میں بیٹی کا کیا قصور۔"

نبیلہ نے تاسف سے انہیں دیکھا پھر کھڑی ہو گئیں۔ "چلتی ہوں۔ کل کون کی۔"  
"نبیلہ! باہر نکل گئیں۔"

"نہ دو میرا پیسہ نہ دو۔"  
"میری امی مر گئیں۔"  
"نہ ایسے نہ کہہ میں ہوں نا۔" وہ اسے ساتھ لگائے پکارے گئیں۔

☆ ☆ ☆

گہری تاریکی قبر تھی جس میں وہ دفن جاری تھی۔ سانس لیتی تو رت طعن میں پھنسنے لگتی۔ کیس کوئی روزانہ روشنی کی کوئی کرن تک نہ تھی۔ اسے لگا وہ دم گھٹنے سے مچانے لگی۔  
وہ ہاتھ ملانا چاہتی تھی مگر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے کسی ناپید و شبکے میں۔ وہی شبکہ اس کے گلے میں پھنسنے لگا تھا۔

وہ پوری قوت سے چیخی۔ ساتھ سوئی فاطمہ ہر زار جاگی اور چیختی ہوئی عرشہ کو سمجھو ڈیا۔  
"عرشہ! عرشہ! کیا ہوا؟" وہ فاطمہ سے لپٹ گئی۔  
"تم نے کوئی ذرا ناگوار نہ دیکھا ہے؟" ہے نا۔  
وہ اس سے لپٹ کر بس روتی رہی۔  
"اسی لیے کہتی ہوں یہاں مت سویا کرو۔ وہاں میرا پنگا ب خالی ہو جائے گا۔ تم وہاں چلی جاؤ۔"  
"اور آپ؟" وہ فاطمہ سے الگ ہوئی۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟"



”عریشہ! میری شادی ہو گئی ہے۔“ قاطمہ نے گویا اسے یاد دلایا۔  
 ”آپ چلی جائیں گی؟“ عریشہ کو قاطمہ کا بہت آسرا تھا۔ مریم لا پرواہی لڑکی تھی۔ قاطمہ نے ہی اسے سنبھالا تھا۔ وہی اس کے ساتھ سوتی۔  
 ”کل چچی کا چالیسواں ہو جائے گا تو میں چلی جاؤں گی۔“ قاطمہ بولی۔  
 وہ کچھ لمحے بے یقینی سے قاطمہ کو دیکھتی رہی، پھر دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔  
 ”عریشہ! قاطمہ بے بس سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔  
 ”یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ میری امی میری وجہ سے مر گئی۔“  
 ”کب تک اس طرح روتی رہو گی عریشہ۔ بہت کرو، مصلہ کرو۔“  
 عریشہ روتے روتے اس کی گود میں سر رکھ کر لپٹ گئی۔ قاطمہ دھیرے دھیرے اس کی پشت چھونے لگی۔  
 ”عریشہ! اگر ہمیں اپنی غلطیوں کے نتائج کا احساس پہلے سے ہونے لگے تو ہم وہ غلطی ہی کیوں کریں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں بھی اپنے بڑوں کے فیصلوں کے خلاف نہ جائیں۔ تمہاری اس غلطی میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ چچی کی موت کی ذمہ دار صرف تم نہیں، ہم سب ہیں۔ ہماری چشم پوشی ہماری خود غرضی ہے۔“ قاطمہ نے گلو گیر لے کر کہا۔  
 ساری رات وہ دونوں عادلہ کی باتیں کرتی رہیں۔ رات گزر گئی مگر عریشہ کا احساس جرم وہیں کا وہیں رہ گیا تھا۔



وہ اپنے گھر کے صحن میں چارپائی پر لیٹی تھی۔ جب ایک آہٹ کے ساتھ موتیا کے پھولوں کی مدھر مہک اس کے چہرہ سو پھیل گئی۔ عریشہ نے آنکھوں سے بانو بنایا۔  
 وہ پھول اس کے سر پہنے رکھ کر سیدھا ہو رہا تھا۔ سیدھا ہوا تو چاند اس کی پشت پر آنکھ پھولی کھیلنے لگا۔

عریشہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔  
 ”لائٹ بھی نہیں جلائی، یوں تھما نہ میرے گھر میں آکر کیوں لپٹ گئی ہو؟“ توہان چارپائی کے کنارے نکلا۔ ”مریم ہلانے کئی تھی آئیں کیوں نہیں؟“  
 ”یونہی، دل نہیں چاہا۔“  
 ”کیوں؟“  
 ”بس زندگی بے معنی سی لگنے لگی ہے۔ میں چاہوں تو بھی خود کو اس گھٹ سے آزاد نہیں کر سکتی کہ امی کی موت میری وجہ سے ہوئی۔“  
 آج بہت دنوں کے بعد وہ بہت فرصت سے اس کے پاس بیٹھا تھا۔ عریشہ کا دل چاہا۔ ہر بات اس سے شیر کرے۔  
 ”اس طرح تو تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ آخر یہ سب تم نے میری خاطر ہی تو کیا۔“  
 ”نہیں، میں نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انجام یہ ہوگا۔“ وہ کسف سے ہتھیائیاں مسنے لگی۔  
 توہان نے ذرا سا مڑ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔  
 ”نہیں عریشہ! اگر اس دن میں اتنا جذباتی نہ ہوتا۔ تم سے وہ سب نہ کہتا تو تم یہ قدم بھی نہ اٹھاتیں۔ میں اس کے لیے خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا اور اس پر جب تمہیں یوں کم مہم چپ چاپ اک کونے میں پڑا دیکھتا ہوں تو میرا دل کڑھتا ہے۔ عریشہ! اس خول کو تو ڈھونڈ پھر نکلو، کالج کرو، یوں تو ختم ہو جاؤ گی۔ دیکھو! تم مجھے بہت پیاری ہو۔ میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔“  
 وہ اس کی آواز کی گھبرائیں سمجھتی چلی گئی۔  
 اس کی آواز کی لہروں میں بہتے بہتے دور نکلے گئی۔ ہر دکھ، ہر غم اور احساسِ ندامت دھلتا چلا گیا۔  
 ”سنو عریشہ! اپنے اندر کے ہر احساسِ ندامت کو اسی رات کے حوالے کر دو۔ مجھے اس رات کے بعد وہی عریشہ چاہیے۔ ہنسی مسکرائی، پراختہ پڑی سی عریشہ ہوں۔“

عریشہ کی گردن لا شعوری طور پر اثبات میں ہل گئی۔  
 ”اب انھو سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ کھڑا ہوا۔  
 عریشہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔  
 ٹھیک تو کہتا ہے توہان۔ میرے گھر جانے سے کیا ہوگا۔ زندگی تو آگے ہی آگے چلتی جائے گی۔ دنیا کے کام تھوڑی رکیں گے۔ یہ نقصانِ عظیم صرف میرا ہے۔ قاطمہ آپنی کچھ دن ریں، سسرال چلی گئیں۔ مریم بدستور کالج جاتی ہے۔ میرے یوں خود کو تھما کر لینے سے امی تو واپس نہیں آئیں گی۔  
 ”عریشہ! اس طرح تم چچی کی روح کو بھی تکلیف دے رہی ہو۔“ توہان نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔  
 عریشہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور سہارے سے کھڑی ہو گئی۔  
 دونوں ساتھ ساتھ چلتے حیدر آباد کے پاس آ گئے۔



صبح وہ کالج جانے کے لیے تیار ہو کر کچن میں آئی تو پرائے بناتی نائی کے ساتھ ساتھ مریم نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔  
 ”نائی امی! مجھے بھی ناشتا دیں۔“ وہ خود کو بیشاخ ظاہر کر رہی تھی۔  
 ”پر عریشہ! تمہارا تو نام بھی کٹ گیا ہے۔“ مریم نے کہا۔  
 ”پر پیل سے بات کریں گی شاید کوئی رستہ نکل آئے۔“ وہ پیرھی چھین کر بیٹھی۔  
 ”اجھال! اجھال! مجھے تمہارا دل مانے میں تو سوچا تھا کہ تم گھر پر ہو گی تو کچھ میرا بھی ہاتھ بٹا دیا کرو گی۔ چلو اچھا۔“ نجائے کیوں وہ ماوس سی ہو گئی تھیں۔ نعمان نے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔  
 ”چلو اجھال! تمہارا دل بھی بھل جائے گا۔“

ناشتا کر رہی رہی تھی۔ جب دین آئی۔ وہ مریم کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی ڈیوڑھی سے گزری تو ابرار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آج وہ بہت دنوں کے بعد نظر آئی

تھی۔  
 ”آج مجھے بھی ناشتا ملے گا یا خود ہی ٹھونسٹی رہو گی۔“ برکت حسین کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ عریشہ جاچکی تھی۔  
 ”ہاں! میں نوکر لگی ہوں، صبح سے شام تک روٹیاں پکا کر تمہارا دن بخیرتی رہوں اور کسی کو تو ہاتھ بلانا بھی گوارا نہیں۔“ حیدر آباد چلا گیا۔ انہیں نجائے کس بات پر غصہ آ رہا تھا۔ ناشتا کرتے نعمان نے سر اٹھا کر ان کو دیکھا۔  
 ”سارے میر کو کھلا دے گی۔ جہاں میری باری آئی۔ وہیں ٹرڈ شروع۔ ناشتائی ہو، یا آکر دوں جو لمے میں سر۔“ وہ حلق کے بل چلائے۔  
 ”بڑا کیا میرا سر جو لمے میں دینے والا۔“  
 ”اماں! میرا خیال ہے اب تم سے کام نہیں ہوتا۔“ نعمان نے کہا۔  
 ”ساری زندگی پڑیاں گھسائی ہیں۔ اب اس عمر میں بھی آرام نہیں۔“ حیدر آباد نے غصے سے پیڑا پر ات میں چٹا۔  
 ”جب تک قاطمہ تھی، کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ دوسری تو بس دشمن ایلان کی ہے۔“  
 ”تو لے آؤنا قاطمہ جیسی ہاتھ بٹانے والی۔“ وہ دھیرے سے اپنی مطلب کی بات کرنے لگا۔ حیدر آباد چھٹی حس بول اٹھی۔  
 ”کیا مطلب؟“  
 ”ارے بھئی! بھولے آکھو ویسے بھی اماں! اب تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“ وہ ہنسا۔  
 ”مجھے اپنی شادی کی بڑی فکر ہے۔“  
 ”میں تو تمہاری وجہ سے کہہ رہا تھا۔“  
 ”کر دوں گی۔ کنوارا نہیں رکھوں گی۔ اتنا تاؤ لانا ہو۔“  
 نعمان جربز ہو کر رہ گیا۔ دنیا جہاں کی ماؤں کو بیٹوں کی شادی کا ارمان ہوتا ہے۔ یہاں الٹا چکر چل رہا تھا۔ وہ بددل ہو کر ناشتا اور صبح پھر ڈکڑا گئے۔  
 ”ہو نہ! خوب سمجھتی ہوں تیرے ارادے۔ وہ



استانی بیاد لاؤں۔ مجھے کیا بٹھا کر کھلائے خود اسی کو پکا کر  
 دینا پڑے گا۔  
 "تم نے کہا۔"  
 "ارے لاتی ہوں۔ ذرا صبر تو کرو۔" حمید اس نے  
 جھنجھلا کر حرکت حسین کی دھاڑ کو درمیان میں ہی  
 روک دیا۔  
 "ماہوں! آپ ماما سے اتنا لڑکیسے لیتے ہیں؟" برار  
 ہنستے ہوئے کھڑا ہو گیا۔  
 "اب تو عادت ہو گئی ہے۔" وہ لاپرواہی سے  
 بولے۔ "تم ناشتا نہیں کرو گے؟"  
 "نہیں! مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ سنجیدگی سے  
 کہہ کر باہر نکل گیا۔ اس کی کوشش تھی۔ وہ ان لوگوں  
 پر کم سے کم بوجھ بنے۔  
 "مرضی تمہاری۔ لگتا ہے خود ہی لہ پڑے گا۔"  
 وہ بربروتے ہوئے اٹھ گئے۔



فاطمہ نے آتے ہی گھر سنبھال لیا تھا۔ بالکل اسی  
 طرح جس طرح حسن چاہتا تھا۔ طبیب اور جمل بھی  
 ابھی یہیں تھے۔ نبیلہ نے پہلے ہی جمل کو سمجھا دیا تھا۔  
 "میں طبیب کے منہ سے حسن اور فاطمہ کے حوالے  
 سے کوئی فضول بات نہ سنوں۔ یہ خالصتاً میرا فیصلہ  
 ہے۔ جسے حسن نے خوشی قبول کیا۔ اب جتنے دن تم اور  
 طبیب رہا ہو اسے اچھی طرح سمجھا رہا۔"  
 اور جمل نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ سونل  
 ہی دل میں خج و تاب کھانے کے سوا ابھی تک اس کی  
 زبان بند ہی تھی، مگر کبھی کبھی ان سب کو ہنستے بولتے  
 دیکھ کر اسے جلن سی ہونے لگتی۔ اپنا آپ پر ایسا  
 لگتا۔

طبیب یکن میں آئی تو فاطمہ ہولے ہوئے گنگناتے  
 ہوئے برائی بتانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ہمیشہ سیدھی  
 مانگ نکال کر سادہ سی چولی پہنے والی فاطمہ کی وضع قطع  
 ہی بدل گئی۔ میون کڑھائی والے سوٹ میں ہلکے پھلکے  
 میک اپ کے ساتھ سیدھے بالوں کی بھی ہلکی سی

کننگ کروائی گئی تھی۔ اندرونی خوشی نے جو چمک  
 فاطمہ کے چہرے کو عطا کی تھی اس کا مقابلہ طبیب کر ہی  
 نہیں سکتی تھی۔ فاطمہ آہستہ پر مڑی۔  
 "کچھ چاہیے بھابی!"  
 "مجھے کچھ چاہیے ہو گا تو میں خود لے لوں گی۔ جتنا  
 یہ تمہارا گھر ہے۔ اتنا ہی میرا بھی ہے۔ بلکہ تم سے زیادہ  
 میرا حق بنتا ہے۔ آخر میں اس گھر کی بڑی ہو ہوں۔"  
 "ہی! میں نے تو تو نہی پوچھ لیا تھا۔" فاطمہ جمل سی  
 ہو گئی۔  
 "ویسے طبیب بھابی!" اندر آتے حسن نے ان کی  
 بات سن لی تھی۔ "کیسی عجیب سی بات ہے۔ دوسروں  
 کے ساتھ ساتھ آپ کو خود کو بھی یاد دلانا پڑتا ہے کہ  
 آپ اس گھر کی بڑی ہو ہیں۔"  
 فاطمہ نے مسکراہٹ چھپانے کو رخ موڑ لیا۔ طبیب  
 کا مقابلہ بھی اس گھر میں صرف حسن ہی کر سکتا تھا۔  
 "ویسے لوگ اتنا ڈھونڈ کیوں رہا کرتے ہیں؟"  
 "کیسا ڈھونڈ؟"

"سبھی سب کو یہ تاثر دیتے ہو کہ یہ اریخ میرج ہے،  
 حالانکہ تم دونوں کو دیکھ کر لگتا تو نہیں۔" طبیب نے طنز  
 سے کہا۔ فاطمہ نے گہرا کر حسن کو دیکھا۔  
 حسن ایک بازو فاطمہ کے کندھوں پر پھیلاتے  
 ہوئے ہنس دیا۔  
 "ہے تو یہ اریخ میرج ہی۔ لیکن آپ چاہیں تو اپنے  
 دل کی تسلی کے لیے اسے ایک خوبصورت سی نو  
 اسٹوری میں بدل دیں۔ آپ تو یوں بھی ان کامروں  
 میں رہا ہیں۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔" طبیب کو فہمہ آ گیا۔  
 "ارے میں تو جتنا بھول گیا۔ آپ کو جمل بھائی بابا  
 رہے ہیں۔"  
 طبیب دونوں کو گھور کے چلی گئی۔  
 "یہ پراچا کنیوں والی عالتیں کہاں سے لی ہیں آپ  
 نے۔" فاطمہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔  
 "محترمہ! جو جیسا ہو اس کے ساتھ ویسا ہی بی ہو  
 کرنا چاہیے۔"

"جی نہیں! برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیتے ہیں۔  
 اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔"  
 "جیسا۔" تو یہ میری کس برائی کا بدلہ ملا ہے۔" وہ  
 اس کی ناگ چھو کر شرارت سے پوچھنے لگا۔  
 "فضول مت بولیں۔" فاطمہ رخ بدل گئی۔  
 "فاطمہ! تم خوش ہو؟"  
 "ہمت۔" فاطمہ نے بلا جبک کہا۔  
 "ہم سے کوئی شکایت تو نہیں؟"  
 "نہیں! بس ایک ہلکی سی الجھن ہے۔"

"کیسی الجھن؟"  
 "کوئی، کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے  
 پچھسوٹے دل میں کوئی بات ہے۔"  
 "تمہارا مطلب ہے کہ وہ روایتی ساس بنتی جا رہی  
 ہیں؟" حسن سنجیدہ ہوا۔  
 "ارے نہیں! وہ تو بہت اچھی ہیں۔ بس یونہی لگتا  
 ہے جیسے ان کے دل میں کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ کبھی تو نہیں  
 ہیں۔ بس قیل ہوتا ہے۔" وہ ہلکے کر بولی۔

"امی کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو وہ دل میں نہیں  
 رکھتیں۔ بہت اچھے طریقے سے شیئر کر لیتی ہیں۔ وہ  
 ہمیشہ کہتی ہیں کہ بدگمانی اور غلط فہمی پھولنے چھوٹنے  
 سنبولے ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم اپنے اندر پالتے رہیں  
 تو وہ اڑدھم بن کر ہماری ساری خوشیوں کو اور  
 خوبصورت رشتوں کو نکل لیتے ہیں۔ اس لیے ڈونٹ  
 دری! ان کے دل میں اگر تمہارے حوالے سے کوئی  
 بات ہوئی تو وہ تم سے ضرور شیئر کریں گی۔" حسن نے  
 تسلی دی۔

"نہیں! یونہی بس قیل ہوا تو میں نے کہہ دیا۔"  
 فاطمہ شرمندہ ہو گئی۔  
 "تم نے بالکل ٹھیک قیل کیا ہے فاطمہ!"  
 نبیلہ کی آواز پر وہ دونوں ایک ساتھ ہلنے



جیلہ کو کسی کرٹ جین نہیں تھا۔ اس کا بیٹا  
 دوسروں کے گھر میں رہ رہا تھا۔ پھولی مولی نوکریوں کے

لیے دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ اپنے تعلیمی اخراجات  
 پورے کرنے کے لیے دن میں ٹیوشن پڑھاتا تھا اور  
 رات کو جاگ جاگ کر اپنی پڑھائی کرتا تھا۔  
 اور جمیلا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں سے  
 اتنے پیسے لے آئے کہ اس کا بیٹا اپنی فیسیں آرام سے  
 بھر سکے۔ بہت سوچ کر وہ ایک پیچھے پر پہنچ گئی۔  
 اصغر وہ پھر کی روٹی کھا کر واپس زمینوں پر جانے کی  
 تیاری کر رہا تھا۔  
 "بھابھ! میری بات سن کر جانا۔" وہ اس کے  
 کمرے کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ کسی ڈالٹی گبری

نے حیرت سے اسے دیکھا۔  
 "ابھی کچھ سنا بلاتی رہتا ہے؟" وہ تنگ کر بولی تھی۔  
 "میں نے اپنی بیٹیس بیچتی ہے۔ اگر تم نے رکھنی  
 ہے تو اس کی قیمت لگواؤ۔ نہیں تو کسی اور سے بات  
 کرو۔" گبری کی بات نظر انداز کر کے جمیلا نے  
 کہا۔

گبری اور اصغر کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔  
 "بھینس کیل بیچتی ہے؟" گبری نے سوال کیا۔  
 "بلو کالن کی بیس دینی ہے۔ جو ہزاروں میں  
 ہے۔"

"ایک بار بھینس بیچ گی۔ بعد میں کیا کرے گی؟"  
 اصغر نے طنز سے پوچھا۔

"بعد کا اللہ مالک ہے۔ ویسے تمہیں بھی پتا ہے۔  
 چھ ماہ پہلے اس کی قیمت ایک لاکھ پینتیس ہزار ملتی  
 تھی۔ آگے تو خود دیکھ لے۔" جمیلا کہہ کر باہر نکل  
 گئی۔

"میرا خیال ہے خود ہی رکھ لیتے ہیں۔ گھانے کا  
 سودا نہیں ہے۔ بڑی نسل کی بھینس ہے۔" اصغر نے  
 گبری سے رائے مانگی۔  
 "اس کا بس چلے تو بیٹے کی پڑھائی کے پیچھے خود  
 کو بھی بیچ دے۔"

گبری نے جمل کر گلاس پٹا۔



"اماں! مریم اندر آئی۔ وہ نعمان کے ساتھ کچھ



ہو کر کھڑا ہوا۔

حساب کتاب کر رہی تھیں۔

”وہ ماسٹر صاحب کے گھر سے آمنہ خالہ آئی ہیں۔“

”اے لوہ، خود ہی رشتہ لے کر آگئی۔“

حمید ادا نے حسب فطرت سوچا۔ جبکہ نعمان سب حساب کتاب چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”اگلی آئی ہیں؟“ اس کے سوال پر حمید ادا نے کھانے والی نظروں سے گھورا۔

”اور کیا پورے ٹیر کو اٹھا کر ساتھ لے آئی؟“

”نہیں۔ میرا مطلب ہے۔“ وہ گڑ بڑایا پھر غصے

سے مریم سے بولا۔ ”نہیں باہر کیوں کھڑا کیا ہے؟ اندر لے آؤ۔“

”باہر کیوں کھڑا کروں گی۔ میں نے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔“

حمید ادا دل ہی دل میں بیچ و تاب کھاتی دوسرے کمرے میں آئیں۔ اتنے تپاک سے حمید ادا نہیں

ملی۔ جتنے تپاک سے نعمان نے ان کی خیر خیانت دریافت کی۔ بلکہ وہیں براہ منہ ہو گیا۔

”عالوہ، بہن کا پتا چلا تھا۔ میں تب ہی آتا چاہتی تھی۔“

مگر ان دنوں میری طبیعت بہت خراب تھی۔ ہسپتال رہنا پڑا۔“ انہوں نے منہات اور سادگی سے کہا۔

”بس جی اللہ کی بھی مرضی تھی۔ بس کھڑے کھڑے رخصت ہو گئی، پتا ہی نہیں چلا۔“ حمید ادا کا انداز روکھا سا تھا۔

”اور آپ وہائیں تو اچھی طرح لے رہی ہیں ناں؟“ نعمان نے پوچھا۔

حمید ادا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائیں۔

”ہاں۔ اللہ کا شکر ہے۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔“

نعمان کو جواب دے کر وہ پھر سے حمید ادا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”ماشاء اللہ! سمجھ دار اور نیک بیٹا ہے آپ کا۔“

مشکل کی گھڑی میں ہمارا بہت ساتھ دیا۔“

”اچھا؟ اس نے تو کبھی نہیں بتایا کہ اس کا آپ کے گھرانے آتا جاتا ہے۔“ حمید ادا نے طنز سے کہا۔

”اتنا تو نہیں۔ بس کبھی کبھار ہی۔“ نعمان جڑبڑ

”میں چائے کا کپہہ دوں۔“ وہ وہاں سے ہٹا۔ مریم پہلے ہی چائے بنا رہی تھی۔ اسے روک کر کہہ میں بیکری

سے کچھ سلان لے آؤں پھر چائے بنانا کہہ کر چلا گیا۔

”بیٹی کی شادی اچھے طریقے سے ہو گئی؟“ گفتگو تعزیتی کلمات سے نکل کر روزمرہ ہو گئی۔

”ہاں۔ ہو گئی۔ آپ کی تو ایک ہی بیٹی ہے نا۔ کیا کرتی ہے۔“ حمید ادا نے بیکرا نعمان بن کر پوچھا۔

”جی۔ اسکول میں پڑھاتی ہے۔ گورنمنٹ جاب ہے۔“

”ایک تو یہ آج کل کی لڑکیوں کو نوکری کی پڑ جاتی ہے۔ چار جماعتیں پڑھی نہیں کیہ گھر سے نکلنے کی

پڑائی۔ اللہ بخشنے عاقلہ جی پڑھاتی تھی۔ اپنی چھوٹی سی

چچی کو میری گود میں پھینک کر خود اسکول کو نکل جاتی۔

چچی بات ہے ایسی عورتوں کے بچے تو پھر میری تیری گود میں ہی پلتے ہیں۔“

حمید ادا کا لہجہ و انداز اس پر یہ تاثر خیالات۔ آمنہ اگلی بات کرتا بھی بھول گئیں۔

”کیس رشتہ کیا لڑکی کا؟“

”نہیں۔ بس دیکھ رہی رہے ہیں۔“ ان کا لہجہ خود بخود غم ہو گیا۔

”دیکھنے میں ہی وقت نہ نکال دینا۔ ورنہ لڑکیاں گھر بیٹھے ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ میں نے تو وقت پر فاطمہ کو

رخصت کر دیا۔ اب جیسے ہی مریم کا رشتہ جڑا، اس کا بھی کروں گی۔ بانی رہ گئے لڑکے تو ان کی مجھے فکر

نہیں۔ آج کل تو دوسرے ہی ماں باپ نے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے کہ لو خود ہی

بڑھو نہ لو۔ اور لڑکیاں آگے پیچھے پھر کر خود ہی سارا معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔“

آمنہ خاتون کی رنجش زور پڑ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



## سارو بیل کاوتھی

عرشہ عاقلہ کی بیٹی ہے۔ عاقلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں۔ مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جینہ اور جھانسی اپنے بچوں نعمان، ثوبان، فہیدہ، فاکر اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں۔ باپو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں۔ عریشہ ثوبان کے لیے پینڈی کی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عاقلہ کو یہ چیز پسند نہیں آتی۔ ان کے جینہ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ، عاقلہ اور حمید ادا کی تہ ہیں۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔ حسن اور جمال۔ جمال بہت مال ملک سے باہر مگر اس کی بد مزاج بیوی طیبہ نہیں رہتی ہے۔

ایرا راجیلہ کا بیٹا ہے شرم میں پڑھتا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد نبیلہ کے ساتھ رہتا ہے۔ چابی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔ اپنے شوہر اعتر سے اکثر ڈانٹ پڑاؤ ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی شری کی ایرا سے شادی ہو جائے مگر ایرا صاف انکار کرتا ہے۔ اعتر کو غصہ آتا ہے وہ ایرا پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ ایرا ناراض ہو کر گھر چھوڑتا ہے اور شرم آجاتا ہے۔

طیبہ کی مسلسل بد فہمی سے عاجز آکر نبیلہ جمال سے طیبہ کو ساتھ لے جانے کا کہہ دیتی ہیں۔ نبیلہ حسن کے لیے فاطمہ کا رشتہ مانگتی ہیں۔ حمید ادا کے اعتراف کے باوجود رشتہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

نعمان اپنے اسٹور سے سوا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عاتکہ کو پسند کرنے لگتا ہے۔ وہ گورنمنٹ نیچر ہے۔ نعمان عاتکہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے۔ کیونکہ حمید ادا کا دونوں

کافلیط





بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھروالے تھوڑی سی جیل جنت کے بعد جان جاتے ہیں۔

عادلہ تہنیک کے گھر پر بچت کر کے عرش کے لیے سوئے کا سیٹ نواقی ہیں۔ عادلہ کے منہ کرنے کے باوجود عرشہ حمیدان کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمیدان کی عرشہ سے لگاؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فاطمہ کی شادی پر حمیدان عادلہ سے وہ سیٹ مانگتی ہیں۔ عادلہ پریشان ہو جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے وہ سیٹ عرشہ کے لیے بہت مشقت سے بنایا ہوتا ہے۔ حمیدان انہیں ہولی ہیں کہ فاطمہ کو شادی پر سوئے کا سیٹ دیا جائے جبکہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ تو بان کی فیس کے نیچے نکال لیتی ہیں۔ تو بان بہت بگڑتا ہے۔ عرشہ تو بان کی پریشانی دیکھ کر چپکے سے وہ سیٹ نکال کر حمیدان کو دیتی ہے۔

شادی والے دن فاطمہ فاطمہ کے گلے میں وہی سیٹ دیکھتی ہیں تو عادلہ سے کہتی ہیں۔ عادلہ عرشہ سے پوچھتی ہیں تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے حوصلے سے اعتراف کرتی ہے کہ اس سے تو بان کی پریشانی نہیں دیکھی گئی۔ عادلہ عرشہ کی حرکت سے اتنی دل برداشتہ ہوتی ہیں کہ ان کا دل بند ہو جاتا ہے۔ عرشہ بچتا ہے۔ تو بان لگاؤ سے اسے بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابراہیم برکت حسین کی چچا زاد جمعہ صلا کا بیٹا ہے۔ شر اگر ان کے گھر بے گناہ ہے۔ حمیدان اس سے سخت بیزار ہیں۔ ابراہیم کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عرشہ تو بان کو پسند کرتی ہے ساتھ ہی وہ بھی جان لیتا ہے کہ تو بان اپنے فائدے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی خود غرضی جان کر ابراہیم اس سے سخت کدو خاطر ہو جاتا ہے۔

حمیدان کو نعمان کی خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور جب عائشہ کی والدہ عادلہ کی نصیحت کرنے حمیدان کے پاس آتی ہیں تو وہ ان سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتیں۔

"آج کل ماں باپ نے لڑکوں کو پھانسنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے اور لڑکیاں خود ہی معاملہ سیٹ کر لیتی ہیں۔" جیسے سخت الفاظ کہہ کر ان کی بے عزتی کرتی ہیں۔

## چوتھی قسط

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میری بیٹی ایسی نہیں۔" لڑکیوں نے ماتھے پر آیا پینڈہ چادر کے پلو سے صاف کیا۔

"میں آپ کی بات تو نہیں کر رہی۔ میں تو عام بات کر رہی ہوں۔ مجھے میں اور ہر اور سے کچھ نہ کچھ سننے کو مل ہی جاتا ہے۔ کہ فلاں کا فلاں کے ساتھ چکر چل رہا ہے۔ یہ لڑکا اس لڑکی کے گھر کے چکر کاٹ رہا ہے۔" انہوں نے ہنستے ہنستے لاپرواہی سے جواب کی تھی وہ تیرکی طرح آنکھ کے دل میں گزرتی۔

اب مزید ٹھہرنے کا مطلب مزید بے عزتی کروانا تھا۔

"میں اب چلتی ہوں" فلفلی دیر ہو گئی۔

"ارے ابھی تو آئی ہیں۔ چائے پی کر جائیے گا" مریم

لڑکی بولی۔

"ٹھیک ہے! چائے کے لیے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔" لڑکیوں پر زور ڈال کر کھڑی ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا انہوں میں جان ہی نہ ہو۔

"ارے تو پہلے بتا دیتیں۔ میں کچھ ٹھنڈا منگوا لیتی۔"

"بھیس۔ میں نے پی لیا۔ اللہ حافظ۔"

دورانِ عبور کرتے ہوئے ان کی آنکھیں لبالب بھر آئیں۔

وہ بیٹی کی ماں تھیں۔ نعمان کی آنکھوں سے جھلکتے جذبے کی پچاچا تھیں۔ وہ اپنی زبان سے اعتراف ہی کر رہا تھا۔

اس گھر میں آنے سے بیٹی کے حوالے سے کچھ

ایمان کچھ آرزوئیں کچھ خواہشیں بھی دل میں تھیں۔ پوری گلی انہوں نے کس طرح عبور کی انہیں خود بھی خبر نہ تھی۔ قدموں کا کام چلانا تھا سوچتے رہے۔ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچتے تک وہ سارے ایمان آنسوؤں میں بہہ گئے۔

ساری آرزوئیں "ساری خواہشیں خود بخود مرقی چلی گئیں۔

کیا یہ ذلت ان کا مقدر صرف اس لیے بنی کہ وہ بیٹی کی ماں تھیں۔

اک سو سوچنے کے گھر کے دروازے پر ان کا ہاتھ تھا تھا۔ اس سوچ سے ہاتھ چھڑاتی۔ خود کو اللہ کی رضا میں راضی کرتی وہ اندر چلی گئیں۔



نعمان چچا کیلے لدا پینڈہ مسرور سا گھروا لیں کیا تو بیشک خالی تھی۔ وہ شہر اٹھا کر بچن میں آ گیا۔ جہاں مریم اب آنا کوئدہ رہی تھی۔

"بھائی! وہ تو چلی گئیں۔"

"چلی گئیں" کیا مطلب؟ نعمان ٹھنک کر رہ گیا۔

"مطلب انہوں نے نصیحت کی اور چلی گئیں۔"

"چائے بھی نہیں پی! تمہیں یہ کتنا تو چاہیے تھا۔"

مریم کے جواب دینے سے قبل ہی حمیدان چلی آئیں۔ شہر زدہ کو کچھ کر مرنج پر ہم ہو گیا۔

"وہ کا تھا۔ اب نہیں رہیں تو ہم کیا باندھ کر بیٹھا لیتے۔"

"پھر بھی ماں! وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی تھیں۔"

نعمان الجھنے لگا۔ اسے ٹیکری سے واپس آنے میں اتنی دیر نہیں ہوتی تھی کہ وہ یوں اٹھ کر چلی جاتیں۔

"جیسے کیوں اتنی فکر ہے۔ جیسے تیری ساس بغیر چائے پی چلی گئی ہو۔" وہ چمک کر بولیں۔

"ماں! سوچ سمجھ کر تو بولا کریں۔" اس نے شہر زدہ پٹے اور غصے سے بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

"تو درد کھو اس کے۔ اور سلمان تو یوں اٹھا کر لایا ہے۔ جیسے نصیحت کرنے میں اس کا دلیر کھانے

آئی تھیں۔ اے مریم! آنا گندہ گیا ہے تو یہ چیزیں ہلہلوں میں نکال اور چائے بھی بنالے۔"

"ماں! کوئی اور مہمان آ رہا ہے۔" مریم نے یونہی پوچھ لیا۔

"کیوں؟ میں کھانا منگے ہے؟" انہوں نے غصے سے کہا۔ پھر ایک رول نکال کر کھاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

مریم نے آنا ڈھکا۔ ہاتھ دھو کر چائے رکھی اور پہلے خود نکال کر کھانے لگی۔



عائشہ نے کھانے کی ٹرے ماں کے سامنے رکھی اور پانی لینے چلی گئی۔

واپس آئی تو آئندہ اسی طرح گم صم سی بیٹھی تھیں۔ ایک نوالہ بھی نہیں توڑا تھا۔

"ماں!"

وہ چونک کر بیٹی کو دیکھنے لگیں۔

"کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ روٹی اگر کڑی تو آپ سے چبائی نہیں جائے گی۔"

"میں بھی دو بیٹوں کی ماں ہوں۔ یہ فخر اگر مجھ میں تو نہ آتی۔"

"ماں! اس سوچ میں ہیں؟"

"استغفر اللہ۔" عائشہ کے پکارنے پر انہوں نے اپنی سوچ پر لعنت بھیجی اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ مگر محو جیسے مری گئی تھی۔

"جب سے آئی ہیں۔ آپ اسی طرح خاموش سی ہیں۔ کیا وہاں کوئی بات ہوئی ہے؟" عائشہ نے مدھم اور محتاط انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ بات کیا ہوگی۔" وہ پچھلے انداز میں مسکرائیں۔

"میں بچی نہیں ہوں۔ جو آپ کے چہرے پر پھیلے پریشانی کے سائے نہ دیکھ سکوں۔ اے ابنا دس آپ کے دل میں کیا ہے۔" عائشہ نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ یونہی دل بو جھل سا ہو رہا



ہے۔ کچھ دنوں کے لیے تمہارے ساموں کے ہل نہ ہو آئیں۔"

"ساموں کی طرف یوں اچانک! آخر تو ہے؟"

"یونیٹ ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔" انہیں بچی کی تشویش سے چڑی ہوئے گی۔ عائشہ ان کے تیز سیر پر خاموش ہو گئی۔

"تمہیں چھٹی مل جائے گی؟" انہوں نے کچھ لمے کے بعد پوچھا۔

"جی میری چھٹیاں تو ہیں۔ مگر ابو کو پریشانی ہوگی۔"

آمنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تب ہی دروازے پر تیز دستک ہو گئی۔

"نہیں دیکھتی ہوں۔" عائشہ اٹھنے لگی۔

آمنہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"میں جاتی ہوں۔"

عائشہ نے کچھ تشویش اور حیرانی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ مٹی کو دیکھا۔

ان کے کھٹے میں درد تھا۔ وہ بہت زور ڈال کر اور سہارے سے اٹھی تھیں۔ اس تکلیف میں انہوں نے پہلے تو کبھی دروازے تک جانے کی رخصت نہیں کی تھی۔

دروازے پر حسب توقع نعمان ہی تھا۔

"آج کل تو ویسے ہی مل پاپ نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور اپنی ٹوکیوں کو آگے کر رکھا ہے کہ کو خود ہی ہی پر ڈھونڈ لو اور ٹوکیاں۔ آگے پیچھے پھر کر خود ہی سارا معاملہ سیٹ کر رہی ہیں۔" تیز سے گیانی کی طرح دل میں گڑے الفاظ انہیں پچھر سے زخمی کرنے لگے۔

"السلام علیکم خالہ! نعمان کی آواز پر وہ چونک گئیں۔

"کیسے آتا ہوا؟" ان کا لہجہ اپنا بیت سے عاری اور روکھا سا تھا۔

نعمان ٹھنک سا گیا۔

"کچھ نہیں! یہاں سے گزر رہا تھا، سوچا، ماہر صاحب سے ملتا جاؤں۔" وہ کھسکا کر بولا۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔"

صاف اور سیدھا انداز انہوں نے پہلے کی طرح اسے اندر نہیں بلایا تھا۔ بلکہ اسے کھٹے دروازے کو یوں پکڑے کھڑی تھیں کہ نعمان جانے تو وہ دروازہ بند کر سکیں۔

نعمان کو اب بھنسنے کے ساتھ ساتھ نیکی کا احساس ہوا۔

"میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔"

وہ خاموش خاموش سا واپس پلٹ گیا۔

دروازہ آہستگی سے بند ہوا۔

اک تو آمنہ خاتون کے لیوں تک آنے سے قبل ہی دم توڑ گئی۔ عائشہ نے مل کو آتے دیکھا۔

"کون تھا؟"

"کوئی نہیں۔ قمر نے کھانا کھالیا۔ تو برتن سمیٹ لو۔ میں اور نہیں کھاؤں گی۔"

عائشہ کو ابھی کھانا تھا۔ کمرہ کے انداز سے دل اچاٹ سا ہو گیا تب ہی سامان کی پٹیلیں ٹرے میں رکھتے ہوئے تھا۔

"نعمان اچھا لڑکا ہے۔" ان کا انداز خود دکھائی لیے ہوئے تھا۔ عائشہ نے ہاتھ روک کر مل کو دیکھا۔

"مگر ضروری تو نہیں کہ اس کے ارد گرد رہنے والے لوگ بھی اتنے ہی اچھے ہوں۔" وہ سبقتہ انداز میں بڑبڑائیں۔

عائشہ کا گمان حیرن میں بدلنے لگا۔ بات نعمان کے گھر میں ہی ہوئی تھی۔ جس سے آمنہ اپنی پریشان نگاہیں رہی تھیں۔ مگر کہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جب تک آمنہ خود نہ جانتیں۔ عائشہ ان سے کوئی بات نہیں اگلا سکتی تھی۔ سو خاموشی سے ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں پتا ہے فاطمہ! شروع ہی سے میری دوستی عداوت کے ساتھ زیادہ رہی ہے۔"

نبیلہ کی دھیمی آواز کمرے کی خاموشی میں دھیرے دھیرے ڈل رہی تھی جیسے ہوا کے دوش پر لہرائی پتنگ جو کبھی اوپر جاتی ہے تو کبھی نیچے۔ وہ بھی یادوں کی ڈور تھامے ماضی کے آسمان پر ڈول رہی تھیں فاطمہ اور حسن انہیں خاموشی سے سن رہے تھے۔

وہ وقت جب عادلہ، دلمن، یمن، کر اس گھر میں آئیں۔

جب عرشہ ان کی گود میں آئی۔

ایک ساتھ دیکھنے دکھ سکھ کے مل۔

دونوں کی شادی آگے پیچھے ہی ہوئی تھی۔ بس عادلہ کو عائشہ نے بہت سالوں کے بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا تب تک وہ خود بیٹوں کی بل بل بن چکی تھیں۔

عادلہ کی ان کی اولاد پر لٹائی جانے والی بے تحاشا محبت۔

کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا کہ عادلہ نے یوں رخت سفر بھی باندھ لیا تھا۔

"عادلہ کے جانے سے زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ وہ جاتے ہوئے اولاد کا دیا دھوکا اور اپنوں کا ہنسا دکھ پوری شدت سے محسوس کر کے گئی ہے۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔ عرشہ نے بہت برا کیا۔"

حسن نے آہستگی سے کہا۔

"عرشہ تمہارا صورت وار نہیں ہے حسن! اس عمل میں باقی تمام لوگ بھی اتنے ہی ذمہ دار ہیں جتنی کہ خود عرشہ۔" نبیلہ کا لہجہ تیز ہوا۔

حسن اور فاطمہ کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں۔

فاطمہ کی نگاہ جھک گئی۔ وہ نبیلہ کی بات پوری طرح سمجھ گئی تھی۔ ان کے والدینہ رویے میں پوشیدہ کتنی ہی کام طلب بھی سمجھ میں آ گیا تھا۔

"میں نے فاطمہ کا انتخاب بغیر سوچے سمجھے نہیں کیا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ فاطمہ ایک سمجھ دار اور باشعور لڑکی ہے۔ صحیح اور غلط کا شعور رکھتی ہے چاروں بہنوں میں مجھے فاطمہ سب سے الگ لگتی تھی۔ کیونکہ یہ شروع ہی سے میرے اور عادلہ کے زیادہ قریب رہی

تھی۔ مجھے لگا کہ کم از کم فاطمہ میں وہ خود غرضی نہیں! ہماری خاندانی خصوصیت جتنی جاری ہے۔" وہ تلخ سے لہجے میں کہتی چلی گئیں۔

"تب تب۔" حسن نے چونک کر دیکھا۔

فاطمہ کا سر جھکا تھا مگر گود میں رکھے ہاتھوں پر اک بے آواز تواتر سے آنسو گر رہے تھے۔ حسن نے اک طویل سانس لے کر مل کو دیکھا۔

وہ فاطمہ کی طرف متوجہ نہیں تھیں۔

"آپ نے ٹھیک کہا پچھو! میں بہت پری ہوں۔"

وہ شرمندگی کی اچھا نمونہ میں ڈوبتی چلی گئی۔ اس وقت بہانے کھڑے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ سوائے اعتراف کے کوئی عمل فاطمہ کو سکون نہیں دے سکتا تھا۔

"فاطمہ! برا انسان نہیں۔ اس کا غلط عمل ہوتا ہے۔ کاش! میری ہو اس غلط عمل کی جے وار نہ

**خواتین کے لیے خوبصورت تھمہ**

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کتاب: خواتین کی بہترین تربیت - 750 روپے

کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب

کتاب: خواتین کی بہترین تربیت - 250 روپے

کتاب: خواتین کی بہترین تربیت - 800 روپے

مکتبہ عماران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32216361



"پچھو! میں نے اسی سے بہت کہا تھا۔ مگر وہ نہیں ہی نہیں۔ شادی میں اتنے کہن رہ گئے تھے کہ میں کچھ زیادہ احتجاج بھی نہ کر سکی لیکن اب مجھے لگتا ہے میں نے بہت غلط کیا۔ میں وہ زیور پہننے سے انکار کر دیتی یا کم از کم عادلہ چچی کو بتا ہی دیتی تو انہیں یوں شک تو نہ لگتا۔"

وہ اب بچ روئے لگی تھی۔  
"جانے والی تو چلی گئی اور ہمارے پاس صرف "کاش" رہ گئے ہیں۔" غیلہ نے افسرو کی سے کہا۔  
"پچھو! اتنی ایم سو رہی مجھے معاف کر دیں۔"  
"بیٹا! میں کون ہوتی ہوں معاف کرنے والی۔ اللہ سے معافی مانگو۔" انہوں نے ذرا آگے ہو کر قاطرہ کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔  
"میں تمہیں یہ سب بھی نہ کہتی۔ مگر مجھے لگا کہ تمہیں کم از کم اس بات کا احساس ضرور ہونا چاہیے کہ کبھی بھلا کسی غلط عمل کی یہ وہ پوٹی بہت بڑے اکیسے کو بچھڑ رہی ہے۔ اور یوں بھی میں اس بات کی قائل ہوں کہ دلوں میں جیسے شکوے ایسے گفتگوں میں شیر کر لیے جائیں تو برا بیگم نہیں ہوتیں۔"

انہوں نے حسن کو دیکھا۔  
وہ مسکرا دیا کہ ہمیشہ کی طرح ماں کی قسم و فرست کا قائل ہو گیا تھا۔  
یوں تو سب ہی غیلہ پر بہت بھروسہ کرتے تھے۔ بس اگر نہیں قائل ہوتی تھی تو غیلہ جو طے پاؤں کی پٹی کی طرح پورے گھر میں چکر اڑاتی تھی۔ جب سے حسن اور قاطرہ غیلہ کے کمرے میں گئے تھے اسے کھد بہ لگی تھی۔ اگرچہ یہ نئی بات نہیں تھی۔ وہ دونوں اکثر ہی ماں کے کمرے میں پائے جاتے تھے۔ (ایک اسے ہی تو یقین نہ تھی کہ دو گھڑی ساں کے پاس بیٹھ جائے) مگر آج اسے لگتا تھا معاملہ کچھ خاص ہے۔  
دروازے سے کان لگانے کا بھی کوئی قاعدہ ہوا۔ سب لوگ اتنے مدھم لیے میں باتیں کرتے تھے کہ

صرف جھنجھٹا ہٹ نکلی ہوئی۔  
وہ جبر ہوتی، تھمائی اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔  
تب ہی ہٹل آیا۔  
"خیر تم کسے کیا چاری ہو؟" غیلہ کے چہرے کے تاثرات ہی ایسے تھے کہ جمل کو پوچھنا پڑا۔  
"میں نے کسے جانا ہے۔"  
"پانی گھروالے کہا ہیں؟"  
"میننگ روم میں۔" وہ جمل کر بولی۔  
"اُسی کے کمرے میں۔" جمل فہم دیا۔  
"اور کہاں ہوں گے؟ کمر بند کر کے تینوں گھر جاتے ہیں۔"  
"تو تم بھی چلی جایا کرو۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔  
"ہاں۔ وہ مجھے گھاس نہ دالیں اور میں خود بخود اندر گھسوں۔" غیلہ نے کون سے معاملات ہیں۔ جو بند کمروں میں ہی ڈسکس ہو سکتے ہیں۔"  
"تم ہر چیز کو ٹینگینو دے میں کیوں لے لیتی ہو۔" قاطرہ بھی تو بے وقوف۔  
"قاطرہ ان کی اپنی ہے اور میں غیور۔ بہہ دونوں کی حیثیت کا یقین کرنے کے لیے یہ فرق ہی کافی ہے۔"  
غیلہ جمل بہن کر بولی۔  
جمل کے پاس اس کے بے بنیاد الزامات کا کوئی جواب نہ تھا۔ تب ہی خاموشی سے باہر نکلے گا۔  
"اب کہاں؟" غیلہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔  
"آف کورس امی کے پاس۔ تم بھی آ جاؤ۔"  
"اب جائیں۔" وہ وہب سے واپس بیٹھی۔  
جمل مسکرا ہٹ دیا تاجا گیا۔  
دشک دے کر اندر گیا تو تینوں نفوس خاموش اور سنجیدہ بیٹھے تھے قاطرہ کی آنکھیں متورم تھیں گویا روٹی رہی ہو۔ اس نے چونک کر تینوں کو دیکھا۔  
"کو جمل بیٹا۔" غیلہ بد وقت مسکرائیں۔  
"کیا ہوا؟" جمل نے قاطرہ کو دیکھا۔ جو اسے دیکھ کر سر جھکا گئی تھی۔  
"کچھ نہیں قاطرہ جاؤ پچھو! سب کے لیے چائے بنا

لاؤ۔" انہوں نے شفقت سے کہا تو قاطرہ جلدی سے اللہ کرکچ میں چلی گئی۔  
غیلہ نے لاہر اور حری باتیں جھینڈ دیں۔  
جمل کو اچانک عجیب سا احساس ہوا تھا۔  
\* \* \*  
"ماں! اتنی جھجھلا اپنی بیٹی سے چ رہی ہے؟"  
کبریٰ دودھ کاڑھنے کے لیے اپنے سگاری تھی۔  
بڑائی کے سوال پر خود بھی سگ گئی۔  
"ہاں۔ سچ رہی ہے تو نے خریدنی ہے؟"  
"کیوں؟"  
"فتح ہو جا بڑی! میری جان نہ کھا سارا دن لوٹھا کی لوٹھا سیل وہاں دوڑا کیل لگائی۔ یہ نہیں کہ کوئی ماں کا ہاتھ ہی بنا دے۔ ایسی بے شرم اولاد اللہ کسی کو نہ دے۔ تیری اتنی تو پہلے ہی ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھی ہے۔ یوں کام کرتی ہے جیسے مجھ پر کوئی احسان کر رہی ہو۔"  
"پھر کئی کی دو چار پھوٹوں سے اُٹے سکتے لگے۔" دھو میں کے مرغولے آسمان کی طرف بند ہوئے۔  
جس میں کبریٰ کا چہرہ حندلانے لگا تھا۔  
"بولو کیسے دینے کے لیے۔؟" بڑی ریاں کی پرنکار کا کوئی اثر نہ ہوا کہ دل تو ٹھکرائے جانے کا زخم سہرا تھا۔  
کبریٰ نے پھونکتی نیچے جتنی اور کھڑی ہو گئی۔  
"سیل میرے سر پر کھڑی پڑی نہ کر۔ کسی کام کو ہاتھ لگالے۔ چل جا کے دل چین۔ سارے کے سارے بولے تھے۔"  
"نالی اسے افسر بنانا چاہتی ہے۔ ہم سب کو نیچا دکھانا چاہتی ہے اسے لگتا ہے۔ اس کا بیٹا بڑی لوہنی شے ہے۔ اسی لیے میرے رشتے کو نہ کی ہے۔" اس کے لیے میں اتنی نفرت تھی کہ ایک لمحے کو کبریٰ بھی لٹک گئی۔  
"تو ابھی تک اسی بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہے

۔ بھلا وہ تیرے قاتل بھی تھا۔ کسی اور کا نہیں۔ چودھری یا سین نے اپنے ہڑکار شہر دیا ہے تیرے لیے۔ ارے بلو جیسے تو من دیکھتے رہ جا میں گے۔" کبریٰ نے جھک کر چالی اٹھائی اور سگتے ایلوں پر رکھ دی۔  
بڑی کو اس رشتے سے کوئی خاص خوشی نہ ہوئی تھی۔  
حسد، بغض، لاہر ٹھکرائے جانے کے غم میں جمل دل کوئی خوشی محسوس بھی کہاں کر سکتا تھا۔ وہاں تو صرف دھواں بھرا تھا۔ کڑا کاڑھا اور زہریلا دھواں جس نے اس کا پورا جسم نیو نیل کر دیا تھا۔  
"ماں! اگر بلو افسر بن گیا تو میں ہر شے کو الگ لگا دوں گی۔"  
"جان دے۔ افسروں کی شکلیں بلو جیسی مسکین اور یتیم نہیں ہوتیں۔ جس کی شکل دیکھ کر ہی چندہ دینے کو دل چاہے۔" کبریٰ نے بیٹی کو سلی دی۔  
تب ہی باہر کے دروازے سے جھجھلا اندر آئی۔  
"تو جی۔۔۔ یہ گھر تو میرا ہے سرائے۔ جس کا جب دل چاہے آئے۔ نہ دل چاہے تو نہ آئے۔"  
کبریٰ نے گھرے طعنے کہا۔  
"ہر وقت مرتیں نہ چپاتی رہا کر۔" غافلہ تو قلع جھجھلا مسکرا رہی تھی۔  
"خیر ہے۔ تجھے کون سی خوش خبری مل گئی ہے۔ جو دنیاں باہر آ رہی ہیں۔" کبریٰ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ بڑی بھی کینہ توڑ لگا ہوں سے نالی کو دیکھ رہی تھی۔  
"بلو سے بات کر کے آئی ہوں۔ خوشی تو ہوگی۔ خیر سے اس نے اپنا نیلی فون لیا ہے۔ وہ بغیر تار والا نہیں ہوتا ہو۔"  
کبریٰ اس خبر پر خند کر دودھ کو دیکھنے لگی گویا بات سنی ہی نہیں۔  
بڑی بھی پاؤں جھٹک کر اندر چلی گئی۔  
"آغا گوندہ لیا، یا میں گوندھوں؟" جھجھلا



پورے خانے کی طرف بڑھی۔  
 ”ابھی ہانڈی چڑھائی ہے۔“ کبریٰ نے تھکے انداز میں کہا۔  
 ”اچھا“ اچھا وہ بھی چڑھا دیتی ہوں۔“ جمیلاں نے جاتے جاتے کہا۔  
 ”توبہ اس عورت کی ہر سلا اپنے پیر سے بندھی ہے۔“ زرارہ اس کی طرف سے اچھی خبر لگتی۔ ہواؤں میں ماڈنی پھرتی ہے۔  
 کبریٰ بیروانے لگی۔ جمیلاں کی خوشی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔



رضوان اس کا دوست تو نہیں البتہ کالج کیلئے تھا۔ اسی کی وسالت سے چند اچھے گھر انوں میں ٹیوشن مل گئی تھیں۔ فیس بھی معتدل تھی۔ شام کو ایک اکیڑی میں دیر بیٹھا۔  
 ”سر! میں آپ کی فیس لے کر آتا ہوں۔ سلائے کا تھا۔“ باسط اپنی کتابیں سیٹ کر چلا گیا۔ وہ اس کے انتظار میں گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا۔ نظروں کے سامنے لٹس گرین وسیع لان دھوپ میں لشک رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فواروں سے اچھلتا پانی ماحول کی نازکی میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔  
 ”ایسا نہ سہی مگر ایک دن ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر ضرور بناؤں گا۔ جس کے کچن میں گیس والے چولے پر روٹی پکاتے ہوئے ماں کی آنکھیں دھواں دھواں نہ ہوں گی۔“  
 چوکیدار نے گیٹ کھولا اور گاڑی تیزی سے اندر آئی۔  
 ابراہیم لا شعوری طور پر ادھر متوجہ ہوا۔ بنید تراش خراش کے ماڈرن لباس میں بیٹوس وہ لڑکی یقیناً ”باسط کی بڑی بہن تھی۔ اس کے ساتھ موجود شخص کو دیکھے بغیر وہ ہلٹ کر صوفے پر آ بیٹھا لیوں تاک جھانک کر تیار لگتا۔

”سنیچہ! جلدی کرنا ہمارے پاس بالکل وقت

عرشہ نے کتب بند کر کے میز پر رکھی اور گردن

”تو کلنی بنا لاؤ۔“ کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔  
 ”کھرا کر مریم کو دیکھا۔“  
 وہ کھیل لوڑھے بے خبر سو رہی تھی۔

عرشہ کو چائے کی طلب ہونے لگی۔ ماحول میں سردی کا غلبہ تھا۔ موسم جاتے جاتے پھرے پلٹ آیا تھا۔

”کیسی بے خبر سو رہی ہے؟“ اسے مریم کی بے خبری پر رشک آیا۔

باہر کھٹکا سا ہوا۔ ساتھ ہی بند دروازے کے باہر روشنی سی دکھائی دی۔

”اس وقت کچن میں کون ہو سکتا ہے۔“ وہ بیڈ سے نیچے اترتی۔ ”یقیناً توہان ہو گی۔“ وہ دروازہ کھول کر باہر لڑکی کچن میں لائٹ جل رہی تھی۔

”اچھی۔“ کوئی زور سے چہینکا۔  
 عرشہ تیزی سے کچن کی طرف آئی۔ مگر ابراہیم کو دیکھ ٹھنک کر رک گئی۔ وہ بھی کھٹکے پر مڑا اور شرمندہ سا ہوا گیا۔

”میں پانی لینے آیا تھا۔“ اس نے پانی سے بھر اگلاس سامنے کیا۔ عرشہ نے دیکھا۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔  
 ”تمہاری طبیعت خراب ہے؟“  
 ”جی ہنار اور زکام ہے۔“  
 ”تو کوئی دوا لو۔“

”آپ کے پاس کوئی ٹیبلٹ ہو تو۔“  
 ”میں نے کیا وہ! خانہ کھول رکھا ہے۔“ عرشہ نے دیکھا۔

”تو پھر پوچھنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔“ وہ ذرا سا بڑبڑایا اور چلا گیا۔

عرشہ کا حیرت سے منہ کھلا پھر نبی آگئی۔  
 ”اتنا بھی سیدھا نہیں۔“ جتنا ہم مجھے پیٹھے ہیں۔“  
 ”کوئی رات کو اکیلی کچن میں کھڑی بیٹھ رہی ہو۔“ خدا خیر کرے۔

”توہان کی آواز پر وہ بیٹھی۔“  
 ”آپ ابھی تک سوئے نہیں۔“  
 ”بڑھ رہا تھا۔ چائے کا موٹا پتاؤ نیچے آ گیا۔“  
 ”میں بھی اسی ارادے سے آئی تھی۔“

”لو کے۔“  
 توہان واپس پلٹ گیا۔ عرشہ نے کافی کے ساتھ ساتھ ایک کپ چائے بتائی۔ الماری کھول کر بخاری گولی نکالی۔ چھوٹی ٹرے میں کپ اور گولی رکھ کر بیٹھک کی طرف آگئی۔ دروازہ کھلا تھا اور تیار کے خراٹے دروازے سے باہر تک آرہے تھے۔ دوسرے پتک پر ابراہیم اور ازکیٹی بیٹھ رہے تھے۔

”چائے لو۔“  
 عرشہ کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور تیزی سے سیدھا ہوا گیا۔

عرشہ نے ٹرے اس کی طرف بڑھائی۔  
 گولی پر نگاہ پڑی تو ابراہیم مسکرایا۔  
 ”شکر ہے۔“

”ابھی تو خاصی سردی ہے اور تمہارے پیاس تو کھیل بھی نہیں۔“ عرشہ کو پیٹھ پیٹتے خیال آیا۔  
 ”موسم بدل گیا تھا تو امی نے کھیل تھاپا۔“ بیٹی میں رکھ دیا۔

”ہاں صرف تمہارا۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی بیٹی کمرے میں آکر اپنا کھیل اٹھایا اور لے جا کر اس کی باگلی پر رکھ دیا اور بنا کچھ کے واپس مڑ گئی۔

ابراہیم نے حیرت سے کھل کود کھلا۔ پھر مسکرایا۔  
 ”ٹیکسول شہر لوی۔“

”سارے سایے میری جان کو ہیں۔ اب اس تیار کی خد میں الگ کروں۔“ میں نے کیا سا فرخانہ کھولا ہے۔“

کلم کرتے ہوئے حیدر ایل کو بڑبڑانے کی علامت تھی اور آج تو ابراہیم کے لیے دلہ بھی بتانا پڑ گیا تھا کہ رات سے بخار میں پھنک رہا تھا۔

”کیا ہوا نکلی ای!“ عرشہ کالج جانے کے لیے تیار ہو کر آئی۔



"ہوتا گیا ہے" مفت کی مصیبت اور یہ مریم کہاں مر گئی ہے۔ کھانے کے وقت سارے نازل ہو جائیں گے میری عمر ہے اب صبح سویرے اٹھ کر یہ سیاہے کروں۔" انہوں نے دلیرانہ لہجے میں اٹھ دیا۔  
 "یہ اس مفت خور سے کو پکڑا آ۔"

عریشہ نے پالہ اٹھایا اور جیسے کھسک گئی۔ کام کا شوق نہ اسے تھا نہ مریم کو جس مارے پاندھے کام کرتی دونوں۔

"مجھے ہی شوق ہے۔ کیوں نہیں نعمان کی شادی کرتی۔ سو کھر آجائے تو پھر چار پائی پر بیٹھ کر ناشتہ کرنا۔" برکت حسین غسل خانے سے نکل کر کچن میں چلے آئے تھے۔

"تو دے اور بیٹوں کو شہ۔" وہ پہلے ہی ہاتھوں سے نکلے جا رہے ہیں۔ "انہوں نے پراٹھا زور سے توڑے پر ڈالا اور میز پر پھینک دیا۔

"ساری عمر گزرنی۔ آج تک تجھے دھتک کی روٹی پہنچی نہ آئی۔"

عریشہ دل لے کر دھتک میں لگی تو ابراہار کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

بخار کی شدت سے چہرہ تھما رہا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو۔ اتنا بخار ہے، دو اکھا کر لیٹ جاؤ۔"

"عریشہ لی لی! یہ غرے ان پر جتے ہیں۔ جن کے غرے اٹھانے والے ہوں۔" وہ ہنسا۔ سفید یونیفارم میں صبح کی پہلی کرن جیسی ٹھہری ٹھہری لڑکی نے اس کا مزاج خوشگوار کر دیا تھا۔

عریشہ اس کے جواب پر خاموش سی ہو گئی۔

شاید ماں یاد آگئی تھی۔

"یہ دلیر غالب" میرے لیے ہے۔" اسے سوچ میں گم کر کے ابراہار نے اشارہ کیا۔

"جی۔" اس نے جھینپ کر پالہ آگے بڑھایا۔

"شکر ہے۔" ابراہار نے تمام لیا۔

"تائی کاوا کیجئے۔" وہ مسکرائی۔

"میری طرف سے آپ ہی کہہ دیں۔ سچی بات ہے"

مجھے تو ان سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر ہی لگتا ہے۔"

"وہ جس زبان کی تیز ہیں ورنہ دل کی بہت اچھی ہیں۔" عریشہ ناگواری سے بولی۔

"انسان کا دل اس کے لہجے سے پہچانا جاتا ہے۔"

ورنہ دل میں کس نے جھانک کر دیکھا۔ "ابراہار کو خود بھی احساس نہ تھا کہ وہ بات کو خواہ مخواہ بڑھا جاتا رہا ہے۔ لا شعوری طور پر عریشہ کی مودودی کے لہجوں کو طول دینا چاہتا ہے۔

"تمہارا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"ارے میں تو یونی کہہ گیا۔ آپ کو برا لگا۔"

عریشہ بغیر بولے توری چڑھا کر مڑی۔

ابراہار نے بیٹھ کر دلے کا ٹوالہ لیا۔ تو فوراً "شکر ہے"

واپس لینے کوں چلا۔ کیونکہ دلے میں اگر زیادتی تھی تو نمک کی ورنہ تو ہر جگہ کی ہی کی تھی۔



"خانہ بارو! اب اپنے اپنے کمروں میں نہ کھس جانا۔ اذان کی آواز سننے ہی شیطان کی طرح مزہ چھانے لگتے ہو۔ یہ دو قدم کے فاصلے پر مسجد ہے۔ برکت حسین کی آواز پر نعمان جاتے جاتے پلٹا۔ آج جوہ تھا۔ سو وہ کل جلدی نہ کر گیا تھا۔

"ابا! خود تو ساری زندگی مسجد کی شکل نہ دیکھی اور ہمیں سنا رہے ہو۔"

واش روم سے باہر نکلتے ابراہار نے حیران ہو کر نعمان کو دیکھا۔ وہ کس بد فحاشی سے آپ سے بات کر رہا تھا۔

ابراہار تو لیے سے سرگرداں دھتک میں آگیا۔

"بھو! اس بند کر اوئے یہ تو گھنٹوں کے دروازے مار دیا۔ میں تو جوانی میں جوہی پر پڑھا لیتا تھا۔ تمہیں تو وہ بھی نصیب نہیں۔"

"جہانے دیا ابراہار عمر کے بعد تم نے بھی بڑھاپے میں مسجد کی شکل دیکھی ہے۔" وہ غراپ سے کمرے میں کھس گیا۔ برکت حسین بڑھاتے رہ گئے۔

ابراہار ایک نظر اٹھ کر دیکھ کھل پلٹا لگا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"جمعہ پڑھنے۔" اس نے آہستہ سے بتایا۔

"ہاں ہاں۔" اچھا۔ یہ ہوتی ہے نیک اور سعادت مند اولاد ورنہ سب تو۔"

"بس کریں ماموں! کیوں مجھے اس گھر سے نکلوانا ہے۔ نعمان بھائی کا موڈ آج ویسے ہی خراب لگ رہا ہے۔" ابراہار نے مسکراتے ہوئے نکھٹاواپس رکھا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

"ہاں۔ اسے کھانا جو پڑ گیا ہے۔ موڈ تو خراب ہو گا ہی۔ ایک ہم تھے۔ ساری زندگی ان ہی لوگوں پر اٹھایا۔"

نعمان کو کمرے میں بھی ابا کی آواز آرہی تھی۔ مگر وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ دل میں اواسی گھرے پچھے گاڑے بیٹھی تھی۔

عائشہ کے کمر کو ٹالا لگا تھا۔ بائیں صاحب سے پتا چلا کہ وہ اپنے ماموں کے گھر گئی ہے۔ دو چار دن رکے گی۔

"کیسی عجیب بات ہے۔ اس کا اس شرمیلے ہونا ہی میرے لیے سکون کا باعث ہے۔" وہ کہیں سے تو سارا شرمیلی ویران لگ رہا ہے اور اگر وہ زندگی سے چلی گئی تو۔

"تو کیا ہو گا۔" یہ خیال اتنا دہلا دیتے والا تھا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مریم۔ مریم!"

مریم اس کی آواز پر بھاگ چلی آئی۔ "جی بھائی!"

"اس دن آئندہ خالہ آئی جیجی من سے کیا بات ہوئی تھی؟"

نعمان کا ذہن ابھی تک آئندہ کے رویے میں اٹکا تھا۔ اس کی چھٹی حس کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"پتا نہیں۔ میں تو کچن میں ہی تھی۔ ابا کی ہی بات ہوئی تھی۔"

"مریم نے حیران ہو کر بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر لیٹ گیا۔

مریم واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اور عریشہ امتحان کی تیاری کر رہی تھیں۔

"نعمان بھائی کیوں بلا رہے تھے؟" عریشہ نے پوچھا۔

"اللہ جانتے۔ جب سے آئی بی بی ہو کر گئی ہیں۔ ان کے انداز ہی بدلے ہوئے ہیں۔ سچی بات ہے۔ مجھے تو دل میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔"

"دل میں سے کالے پیلے نکالنے کے بجائے تم پیپر کی تیاری کرو۔ جو سچی بات ہوگی، سامنے آئی جائے گی۔"

"عریشہ! ہم لوگ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیں گے؟"

مریم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"اجازت ملے گی تو لے لیں گے۔" عریشہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"اور اگر نہ ملی۔"

"تو نہیں لیں گے۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگی۔

مریم نے اسے گھورتے ہوئے کتاب کھولی۔



خوب صورت چاندنی میں اصلی رات تھی۔

ستارے بھم بھم کر چھانے روپ روشن تھا۔ لہذا میں موجود نکلی جو جسم و باپ پر نشانہ لکھ کر چلی گئی۔

ہوا بوائے خوبوں میں بیٹھ خوشبو چرائی۔

خوشبو جوان کی کوئی میں بدل ہوئی۔

بند لیوں کا بندوبست دوسرے کمرے تک پہنچا دیتی۔

سامنے چھوٹی دیوار پر دو تک رکھے تھے جس میں سے اٹھتی کانی کی منگ اور بھاپ دونوں ہی معدوم ہونے کو چھیں۔

وہ ایک ہاتھ دیوار پر ٹکائے ذرا سا چہرہ اوپر اٹھائے

چاند کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کٹے بال ہوا کی شرارت سے ہولے ہولے لہرا رہے تھے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"چاند کتنا قریب لگ رہا ہے۔"

"ہاں۔ وہ تو ہے۔" عریشہ نے رخ موڑ کر اسے دیکھا اور جھینپ گئی۔

"ٹوبان اسی کو دیکھ رہا تھا۔"

"اور خوب صورت بھی۔" وہ شرارت سے بولی۔

"ہاں وہ تو ہے۔" ٹوبان سابقہ انداز میں گویا ہوا۔

"ہمت مقدس اور ان پچھو اس۔"



"ہاں وہ تو ہے۔" ٹوپان نے ہاتھ پرجھا کر اسے پھونکا چاہا۔ وہ کڑاگئی اور گنگ اٹھا کر ٹوپان کی طرف پرجھا۔

"کافی تو ٹھنڈی ہو گئی۔"

ٹوپان نے اسے گھور کر گنگ قہقہا لیا۔

وہ کھٹکھٹا کر نرس دی۔

پانی کی گرائے ہوئی بستر کی طرف جاتی حیدراں چونک گئیں۔ انہوں نے رک کر کمرے میں جھانکا۔

عروشہ کلاسٹر خالی تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں چلی گئیں۔

فکر ہوئی بھی تو گئیں؟

ان کی اپنی بی بی سکون سے سو رہی تھی۔

\*\*\*

بہت گہرا کونواں تھا۔ اتنا گہرا کہ جب بھی جھک کر دیکھو۔ نگاہ گھنی تاریکی سے گھرا کر لوٹ آئے۔ اس نے ڈول کونو میں پھونکا۔

بہت دور جا کر وہیلی کی سطح سے نکل آیا اور ڈول۔

وہ دیوانہ وار رسی پھینچنے لگا۔ ڈول اتنا بھاری ہو چکا تھا کہ وہ ہلپ ہلپ گیا۔

پایس سے قلع میں کانٹے چھو رہے تھے اور رسی تھی کہ چینی قلعیں جاری تھیں۔ اس کی ہتھیلیاں چھلنے لگیں تب لیس جا کر ڈول اس کی پہنچ تک آیا۔

اس نے بے لمانہ پانی پینا چاہا مگر ششدر ساہ گیا۔ ڈول یا نکل خالی تھا۔ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

ڈول اس کے ہاتھوں سے پھسلا اور دور دور بہت دور جا کر پانی کی سطح سے نکل آیا۔

ابرار ایک دم خیر سے اٹھ بیٹھا۔

گرمی اور جس جسم کے ایک ایک مسام سے بہتا پیوند۔

اس نے حیرت سے اپنی ہتھیلیاں دیکھیں۔ جن میں اب بھی درد دور رہا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر یرکت حسین کی طرف

دیکھا۔ وہ نہ کھوئے گہری خند میں تھے۔ کمرے کی فضا میں اتنی گرمائش تھی کہ وہ چادر اتار کر اپنے ہاتھوں سے اس پر رکھ لیا۔

کھلی فضا میں لیے لیے سانس لینے سے طبیعت کچھ بہل ہوئی۔

واپس کمرے میں جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہیں اسی خواب میں اٹھا تھا۔

"یہ فحش ہے یا سہی میرا مقدر ہے؟" اس نے تیری میڑھی پر قدم رکھتے ہوئے سوچا۔

"کیا میری کو شک میں بھی پار آور ثابت نہ ہوں گی۔" چھٹی میڑھی پر پاؤں سے سہرا اٹھا۔

"نہیں" مجھے ناامید نہیں ہوئے میری کوشش میرا ارادہ کمزور نہ ہو۔ مگر میری دل کی دعا میں اور میرے

رب کی رحمت بے پایاں ہے۔" آنکھوں اور آخری میڑھی پر اس نے اپنی باؤں کو پکڑا چاہا مگر رک گیا۔

قدم اپنی جگہ جم رہے تھے۔

سانے چاندنی میں دھلی رات تھی۔

رات کی تاریکی میں مدغم ہوئے دو سانے۔ جو ایک دوسرے سے دور مگر ہوا کے آنچل پر سرگوشیاں کاڑھتے۔

اک شوخ حشر غم نہی۔

لانی کے قتل میں کرتے چاندی کے سکے۔

وہ خاموشی سے واپس لوٹ آیا۔

ہتھیلیوں میں پھر سے درد اٹھنے لگا تھا۔

نیلے کیوں؟

گرا کر ڈول میں بھی جاگ اٹھا تھا۔

\*\*\*

دورو کے جمیلاں نے اپنی آنکھیں سجالی تھیں۔

میں تھے کہ ختم ہوئے گا تاہم میں نہ لیتے۔

اس کی جینس مری تھی۔ کسی نے اس کے چارہ

میں زہریلی دوا ملا دی تھی۔ گھوٹوں کا گھوٹا افسوس کے لیے آہ آیا تھا۔ کبریٰ سب کو کسی پانی دیتے دیتے عاجز آ گئی تھی۔

"ہم تو اس سے جینس خریدنے والے تھے۔" امفر نے تو پیسے بھی اکٹھے کر لیے تھے۔

"کسی دشمن کی چال ہے۔" میں تو کہتی ہوں جمیلاں! کھوئی کو بلاؤ پولیس کو خبر کرو نہ کوئی چھوٹا جرم تو نہیں۔

"کسی سہیلی نے مشورہ دیا۔" بشری گھبرا کر اٹھی اور اندر چلی گئی۔

"ارے رہے دو ہمیں نہیں بڑا ناں پولیس پکھڑیوں کے چکر میں۔" کبریٰ نے تشریح کر رکھی۔

"تیری جینس میں بھی اور ہری تھیں۔ آخر اس بیماری کے ساتھ یہ یہ علم کیوں ہوا؟" سہیلی چپک کر

بولی۔ "اس کی تو آخری پوچھی بھی لٹ گئی۔"

مگر صدمہ بھی جمیلاں کے کمزور دھڑکنے میں پھری

ی اٹھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اپنی ہمدرد کو دیکھا۔

"میری پوچھی تو میرا پتر ہے حلیمہ۔ یہ تو اس کے سر کا صدقہ نکل گیا۔ دشمنوں کو لگتا ہے کہ وہ اس طرح

میرے بیٹے کی رلہ روک لیں گے۔ ایسا نہیں ہو گا۔ تو بھٹائی ہی گلیوں میں وہ اپنی گڈی میں بیٹھ کے آئے

گا اور دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

"مگر تو کھو گئی۔"

"میں نے اپنا حساب اللہ پر چھوڑا۔ وہ خود ہی انصاف کرے گا۔ تو بھٹائی میرے جتنے ہی کرے گا۔"

اس کے لیے میں کچھ تو کیا تھا کہ کبریٰ اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی۔

لوگ ایک ایک کر کے آتے رہے جاتے رہے۔

گھر خالی ہوا تو جمیلاں سر شام اپنے کمرے میں گھس گئی۔

اس کا کہہ کم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔

امفر خود عاجز آ گیا تھا۔ رات کو کبریٰ پر برس پڑا۔

"جانتا ہوں۔ تجھے بڑا جلاپا ہے۔ پر ایسی بھی کیا دشمنی لے کے ایک بے زبان جانور کو مار ڈالا۔"

"ک۔ کیا کہہ رہا ہے تو؟" کبریٰ کا کارہ گئی۔

"تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ پر اب جو تو نے کیا ہے۔ یاد رکھ رب بھی نہیں بخشے گا۔"

"ہوش کی دوائے امفر! تو مجھ پر الزام لگا رہا ہے۔" وہ تڑپ اٹھی۔

"میں نے کمر اکبیل نہیں نکھوایا؟ پتا تھا مجھے یہ کھرا میرے گھر تک آئے گا۔"

"خدا کا خوف کر" کہیں اپنی طرف سے گھڑا جا رہا ہے۔ ہاں مجھے زہر لگتا ہے بلو۔ اس کی پڑھائی۔ پر ج

کے ساتھ میری کیا دشمنی تھی۔

"بہت برا کیا تو نے کبریٰ بہت ہی برا۔" وہ ٹامف سے سر ہلا کر اپنی بڑھاپہ ہو گیا۔

کبریٰ غصے سے آگے گھورتی رہ گئی۔ جیسے سمجھ نہ پا رہی ہو۔ وہ امفر کی غلط فہمی دور کرے بھی تو کیسے۔

\*\*\*

"یہ تو ظلم ہے۔" نیلہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ابرار نے چائے کے کپ سے نظریں ہٹا کر

ان میں دیکھا۔

"میں تو ہر روز انسانوں کو زہر پلایا جاتا ہے۔ خالہ! آپ ایک جانور کے لیے پڑیشن ہو رہی ہیں۔"

"پھر تجھی پر اڑ بیٹا۔"

"چھوڑو خالہ! انہیں لگتا ہے کہ وہ اس طرح میرا رستہ روک لیں گے۔"

"کیسی عجیب بات ہے یہ تمہارے اپنے ہیں؟"

"میں اپنے گھر سے خالی ہاتھ نکلا تھا خالہ۔ صرف اس ذات کے آسرے پر۔ مجھے اب بھی یقین ہے

رستہ دشمن سہی مگر لائن شاء اللہ منزل ضرور ملے گی۔ بس ملاں نے رستہ نشین لیلی ہے۔"

نیلہ اس بات کو نہ جان کر دیکھ کر رہ گئیں۔

دوسرے لمحے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھیں۔

"سنو ابرا ریٹا! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔

اس دنیا میں اچھے برے سب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ مگر ایک انسان ہی دوسرے انسان کا آسرا بننا ہے۔

تمہاری خود داری مجھے بہت عزیز ہے۔ مگر میں نے جسے بیٹا کہا اس کی نہیں سمجھا بھی ہے۔ اور ملاں بیٹے میں کوئی اتنا نہیں ہوتی۔"



ایرا کسی حد تک ان کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔  
 "میں چاہتی ہوں۔ تم یہاں میرے پاس شفٹ ہو جاؤ۔ کچھ دنوں تک محل اور طبعہ واپس چلے جائیں گے۔ میں سمجھوں گی میرا ایک بیٹا کیا تو دوسرا آیا۔  
 "لیکن خالہ۔" وہ متذنب تھا۔  
 "ایرا! وہاں تمہیں سازگار ماحول نہیں ملے گا۔  
 تم یہاں سکون سے بڑھ سکتے ہو۔"  
 "خالہ! جب مجھے وہاں رہنا مشکل لگا تو میں آپ ہی کے پاس آؤں گا۔"  
 "وعدہ کرتے ہو؟"  
 "جی۔" وہ کھل کر مسکرایا۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس نے نبیلہ کی بات کیوں نہیں مانی۔

بے بااں خوشی کا احساس دل میں گھر کر گیا جب نعمان نے پورے پانچ دنوں کے بعد اس گھر کا دروازہ کھلا دیکھا۔ یہ تو وہی جانا تھا کہ یہ پانچ دن اس کے لیے پانچ صدیوں کے برابر تھے۔  
 اس نے بے اختیار دروازے پر دستک دی۔  
 وہ اس وقت سب کچھ بھول گیا تھا۔ آمنہ خاتون کے لیے کارو کا بیان بھی دروازہ انہوں نے ہی کھولا۔  
 "اندر آ جاؤ۔" اس کے سلام کا جواب دے کر انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور دست چھوڑ دیا۔ پھر ٹاسا صحن عبور کر کے کمرے میں بیٹھنے تک اس کی نگاہیں اوپر اوپر چلتی رہی تھیں۔  
 "بیٹھو۔"  
 وہ خود بھی سامنے بیٹھ گئیں۔  
 "آپ لوگوں نے مدت دن لگا دی۔"  
 "جانا بھی اوجہت عرصے کے بعد ہوا تھا۔ میرا بھائی تو اب بھی نہ آئے وہ رہا تھا۔ عائشہ کے اسکول کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید کچھ دن اور رک جاتے۔" وہ مسکرائیں۔  
 نعمان نے شکر کیا۔  
 "چائے پیو گے؟"

ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے نعمان کو انکار ہی کرنا چاہیے۔ مگر اس نے نیلی سے شکایت میں سر ہلادیا۔  
 "عائشہ بیٹا! چائے لے آؤ۔" انہوں نے اونچی آواز میں کہا۔  
 نعمان کا پورا دھیان اپنے پر جا بیٹھا۔  
 "گھر میں سب خیریت ہے۔"  
 "جی۔ بالکل۔" وہ چونکا اور کھسا کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ دل ہی دل میں خود کو سرزنش بھی کی۔  
 "آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہی؟"  
 "ارے بیٹا! انسان سب ملنا فرض ادا کرے تو ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔"  
 "جی بالکل۔" نعمان نے بالکل دھیان نہ دیا کہ وہ کس فرض کی بات کر رہی ہیں۔ اس کی ساری توجہ اندر آئی عائشہ کی طرف ہوئی۔ جو غالباً پہلے ہی چائے بنا چکی تھی۔  
 "کہاں تو میں عائشہ کے لیے اتنا پریشان تھی اور کہاں اللہ نے ایک بل میں سب بنا دیا۔" منگنی چھوڑ نکاح ہی کر دیا۔ "انہوں نے نظریں چراتے ہوئے خود ہی بتا دیا۔  
 پاتھ نعمان کا رونا تھا عائشہ کا۔  
 مگر چائے سفید کرتے ہوئے ان فریاد کرتی چلی گئی۔  
 "وہ تمہارے تو کپڑے خراب ہو گئے۔"  
 ان کا انداز سراسر مصلحتی تھا۔ عائشہ نے حیرت سے ان کو دیکھا۔  
 "نکاح کس کا نکاح؟" نعمان کھڑا ہو گیا تھا۔  
 "اپنی عائشہ کا۔" اس کے ساموں کے جاننے والے تھے سارا انتظام بھی انہوں نے ہی کیا۔ "نعمان کا پورا وجود گھرے سنائے میں ڈوب گیا۔  
 وہ صرف آمنہ کے بچنے لب دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے عائشہ کو دیکھا۔ وہ گرین جھکائے چائے کی برالی میں جھانک رہی تھی۔ وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ سکتا۔  
 "مبارک ہو آپ کو۔" ایک انجینیئر سی آواز اس کے لیوں سے نکلی اور وہ عائشہ کے قریب سے اٹھ چلا گیا۔

آمنہ اپنی جگہ پر بڑھے سی گئیں۔  
 عائشہ نے ایک شاکی سی نگاہ میں پر ڈالی اور تیزی سے پلٹ گئی۔

عروشہ نے دو گھرے میں رکھے۔ کافی کی منک اور ٹوہان کی باتیں اب نشے کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔ ایک دن بھی ماتہ ہو تو ساری رات نیند نہ آئی۔ محبت کی خوب صورت دواہوں میں ٹوہان کا ہاتھ تھام کر وہ اتنی دور نکل چکی تھی کہ واپسی یا دوری کا تصور تو ایک طرف شائبہ تک نہ تھا۔ ٹرے اٹھا کر ہولے ہولے گشتا تو وہ بیڑھیوں کی طرف بڑھی۔  
 ٹھکانا در کر گئی۔  
 مک آپس میں ٹھکانے اور کافی ٹرے میں چھلک گئی۔  
 وہ بیڑھیوں پر ایک سائے کی صورت بیٹھا تھا۔  
 "تم۔" تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ "عروشہ نے اپنے وحزہ حراتے دل کو سنایا۔  
 "کچھ نہیں۔ اندر ٹھخن محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے یہاں آکر بیٹھ گیا۔" ایرار نے سادہ سے کمرے میں وضاحت دی۔ حالانکہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ بچن میں ہوتی کھٹ پٹ پر وہ کیوں اتنا بے چین ہوا کہ اسے یہاں آکر بیٹھنا پڑا۔  
 "اب رستہ دو گے؟" وہ چڑ گئی۔  
 وہ خاموشی سے اٹھا۔ ایک ایک بیڑھی اترتا اس کے مقابل آکر ہوا۔  
 "میں کون ہوتا ہوں۔ آپ کا رستہ روکنے والا۔ لیکن عروشہ۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے پہلی بار عروشہ کا نام لیا تھا۔  
 "کیا ٹھیک نہیں ہے۔"  
 "مرا اور عورت کی تہلی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔" وہ اتنی بڑی بات تھی آسانی سے کہہ گیا کہ ایک بل کے لیے خود بھی ٹھک سا گیا۔  
 "تم۔ تمہاری یہ جرات۔" غصے سے عروشہ

کاتب کاتب گئی۔  
 "عروشہ۔" ایرار نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔  
 آپ کو پروا نہیں لیکن مجھے آپ کی عزت بہت پیاری ہے۔  
 عروشہ نے بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔  
 عروشہ جانتی تھی کہ آنے والا نعمان ہو گا۔ تب ہی غصے سے ایرار کو کھوڑتی تیزی سے اوپر چلی گئی۔  
 ایرار نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا اور جا کر دروازہ کھول دیا۔  
 نعمان کوئی بھی بات کیے بغیر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

کچھ وقت خاموشی سے کھٹک گیا۔  
 عروشہ کا گھر کر کے چڑھا دیا گیا تھا۔  
 لی اے کے بعد وہ دونوں نے لی ایڈ میں ایڈیشن لے لیا۔ جس پر میریم نے خاصا اوجھلایا۔ کیونکہ وہ اسٹرکٹ کرنا چاہتی تھی۔ مگر اب بات ہی نہیں ملی۔ ٹوہان کا ایم بی اے مکمل ہوا تو فوراً ہی چاہ بل گئی۔ جس پر حیدر ان فخر سے گردن اگڑائے پھر پی تھیں کہ ان کے بیٹے کو بغیر سفارش کے نوکری مل گئی۔ یہ صرف ایرار جانتا تھا کہ وہ مسیحہ کے والد کی بیٹی میں چاہ کر رہا ہے۔ خود ایرار کا سفر اس کی منت اور نبیلہ کی مدد سے منزل کے قریب تر ہو رہا تھا۔ اسے وہ وقت دور نہ لگتا جب وہ اپنی ماں کو شہر میں چھوٹے مگر خوب صورت گھر میں رکھے گا۔  
 گزرے وقت سے نعمان کو صرف خاموشیاں ملی تھیں۔ اس کے بعد حیدر اس نے بھی اس کے منہ سے شادی کا لفظ نہ سنا تھا۔ اس کے اندر کیا تھا۔ یہ اس کی ماں نہیں جان سکتی تھی۔  
 عروشہ اور میریم نے جس بی ایڈ کالج میں ایڈیشن لیا۔ وہاں کو ایجوکیشن تھی۔ کلاس میں ایک طرف لڑکے بیٹھے دوسری طرف لڑکیاں۔ عروشہ نے کبھی یہ بات



نوٹ نہیں کی کہ مریم ہمیشہ اسی رو میں کیوں بیٹھتی ہے؟  
ہو لڑکوں کی قطار سے قریب ہوتی۔ دوسری طرف  
سارے لڑکے مریم کے قریب والی سیٹ فم کے لیے  
کیوں چھوڑ دیتے تھے اور یہ بھی کہ مریم کلچ جانے  
سے پہلے اپنی تیاری کیوں کرتی تھی۔ اسے تو زندگی میں  
دو چیزوں سے دلچسپی تھی۔

اپنی پرہیزی اور توہان۔  
حالانکہ حمید ادا اکثر وہ بے لطفوں میں جتا جکی تھیں  
کہ اسے ان کا مزہ کرنا کیا ہے۔ مگر اس معاملے میں  
پچھو نے نہ ٹانگی کی چٹنے دی نہ عرشہ کی۔ ہمیشہ عاقلہ کی  
مشکل سامنے رکھتیں۔ جس نے مشکل حالات میں  
جانب کے ذریعے اپنی اور بیٹی کی کفالت کی۔  
دونوں کلچ سے دلچسپی آئیں تو بانو اتنی بیٹھی تھی۔  
"اسلام علیکم بانو کیا ہے؟"

مریم کی توہانوں میں بانو سے کبھی نہ بیٹھی تھی۔ بس  
مارے ہاتھ سے رکھی۔

بانو نے ہاتھ نہ لگھوں سے مریم کا جائزہ لیا۔  
"یہ تم جی جگ کا گورن کر رہی ہو یا بیوی بیار کا؟"  
"بیوی بیار کا۔" مریم بے وجہ کبھی کمرے میں  
چلی گئی۔ عرشہ تانے سے سر ہلاتی پیچھے تھی۔  
"اے! لکھ رہی ہو۔ اس کے تیر۔"

"شوہر ہی سے ایسی ہے۔" حمید ادا نے لا پرواہی  
سے کہا۔

"شوہر سے نہیں ہے۔ اب اس کے لچھن  
بدل رہے ہیں۔ کچھ چارہ کر لو۔ ورنہ سر پکڑ کر روؤ گی۔"  
بانو نے ڈرانا چاہا۔

"چارہ میں نے کرنا ہے۔ تم تینوں کیا سسرال میں  
بیٹھی ہو یا کٹ رہی ہو۔ مگر کوئی چارہ۔ میں اب اس  
عمر میں کہاں کہاں دھکے کھاؤں۔ یہ ایک رہ گئی ہے۔  
کچھ کر کر کے میرے سر سے بوجھ اتار دو۔" حمید ادا  
بے زاری سے بولیں۔

"لائی تو بھی رشتہ۔ اب تم لوگوں کو پسند ہی نہیں  
آتا نہیں۔"

"اب نہیں مانتی تمہارے دیور کے لیے تو میں کیا

کروں۔ کبھی ہے نہ کر لے کی شکل والا میرے لیے  
ہی رہ گیا ہے۔"

"تو خود کیا ہے۔ کللی تو رہی۔ اس کے لیے کون سا  
شہزادہ آئے گی۔" بانو کو آگیا۔

"اب کیا کروں چارہ بتائیں جو بڑھ چکی ہیں۔"  
"ہاں اور بڑھا۔" استی بن گئی تو کون سا کسی  
بروفیسر کا رشتہ آئے گا اس کے لیے۔" بانو کا طنز۔ لوجہ  
سننے ہی مریم کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔  
"ابھی ملتا ہے۔ تم میرے لیے زیادہ پریشان نہ ہوا  
کو۔" وہ دھڑکی سے گیا ہوئی۔

"تو یہ۔" کسی کو کبھی نہیں ہے۔ ایسی زبان  
والیاں سسرال میں نہیں ہیں۔"

"تم میں کس توہان بھی بس جاؤ گی۔"  
"جاؤ گی تو بس۔" جیسے تو لگتا ہے ساری عمریں  
باب کے سینے پر مونکسی ہوئی۔

"تمہارے سینے پر تو نہیں دلوں گی۔"  
حمید ادا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ دونوں میں سے چپ

کروائیں تو کس کو۔  
عرشہ خبر کر رہی تھی اور مریم کو بانو سے پکڑ کر لے  
گئی۔

"یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟"  
"تم مجھے طریقے مت سکھاؤ۔" مریم غصے سے

بانو چھڑا کر بیڑ پر بیٹھ گئی۔  
"تم بانو کیا سے انتظار کرتی کیوں ہو۔ بڑی سن ہیں۔"

"اپنے دیور کے لیے میرا رشتہ مانگتی ہیں۔"  
"تو؟" چھاننا سا ہے۔

"تو تم کروالو۔"  
"تم ہی نہ۔" عرشہ ہنسی ہوئی سامنے بیٹھی۔

"ہاں۔ تم نے تو آرام سے میرے بھائی پر نظر کا  
رکھی ہے۔ اور میرے لیے وہ کیا۔ بانو کا دیور۔"

مریم نے گویا کو نہیں چلائی۔  
"غصوں تو مت بولو۔" عرشہ کو برا لگا ہاتھ کر رہا ہر  
نکل گئی۔ جہاں بانو قہقہہ مچاتے کو تیار تھی۔

"اے! بانو کیا اب کلچ جا رہی ہیں۔" عرشہ

بوکھا کر اسے روکنے لگی۔

"بس رہنے دو۔ بڑی بے عزتی کر دالی۔ اور جتا  
دینا اس بیٹھن کے منہ والی کو۔" میرا دیور بھی اس کے

انتظار میں نہیں بیٹھا۔ ایک ماہ کے اندر اندر اس کی  
شادی نہ کی تو میرا نام بانو نہیں۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیرتی

باوازیلند کھتی چلی گئی۔  
"شکر ہے۔" مریم باہر نکلی۔ حمید ادا نے کہا

جانے والی نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔  
"تیرے بچے میں تو قہقہہ بڑھ گئی۔"

"جی۔" وہ دھڑکی سے کہہ کر بچن میں گھس گئی۔  
کلچ سے آکر کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

"اللہ معاف کرے۔" سگی بنیں ہیں۔ مگر انداز  
سارے دشمنوں والے۔" وہ بیڑ والی ہوئی عرشہ کی

طرف متوجہ ہوئیں اور جھپٹا کر بولیں۔  
"اب تو میرے سر پر لکھی کیا کر رہی ہے۔ جا کر  
کھانا کھا لے۔"

عرشہ کلن دبا کر کھک لی۔ مائی خاصی غصے میں  
تھیں۔ بچن میں مریم ٹنگتے ہوئے کھانا نکال رہی

تھی۔ گویا اس پورے ہنگامے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا  
تھا۔



"عرشی! میں چاہتی ہوں۔ اب تمہاری شادی ہو  
جائے۔" نبیلہ کی بات پر فریج فرار از کھاتی عرشہ نے

ٹی وی سے نظرس ہٹا کر انہیں دیکھا۔ وہ آج صبح سے ان  
کی طرف آئی ہوئی تھی۔ حمید ادا کی پوری کوشش

ہوئی کہ وہ نبیلہ کی طرف نہ جانے پائے مگر نبیلہ کا دل  
جب بدل چاہتا۔ اسے اس بلا لیتیں۔

"تم نے کچھ کہا نہیں۔" نبیلہ نے غور سے اسے  
دیکھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی۔

"میں کیا کہوں؟" مایا جان اور مائی جی کو بتا ہو گا۔  
اس نے بظاہر لا پرواہی سے کہا۔ مگر لپوں پر مسکراہٹ

ی آگئی۔ جب سے توہان کی جانب ہوئی تھی۔ اس کے  
سننے کچھ لوور نہیں ہو گئے تھے۔

"انہیں پتا ہوتا تو کھ کس بات کا تھا۔" نبیلہ  
بڑبڑائیں۔

"بہر حال ایک دورشتے ہیں میری نظریں۔ کسی دن  
آتی ہوں بات کرنے۔"

"مگر پچھو۔" عرشہ نے پلٹ ہاتھ سے رکھ  
دی۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو۔؟"  
"میرا مطلب ہے باہر رشتے دیکھنے کی کیا ضرورت

ہے جبکہ مائی ہمیشہ۔" وہ جھجک گئی۔  
"کیا کیا ہے؟"

"میں اور توہان۔" عرشہ نے دانستہ جملہ اوجھڑا  
چھوڑ دیا۔ نبیلہ کچھ لمبے خاموشی سے اسے دیکھتی

رہیں۔ شاید ذہن میں عاقلہ کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔  
عاقلہ کبھی بھی عرشہ کی شادی اس گھر میں کرنے کے

حق میں نہیں تھیں۔  
"انہوں نے تم سے کبھی بات کی؟"

"وہ تو اکثر ہی ذکر کرتی ہیں۔"  
"تو پچھو یہ کس بات ہے؟"

"وہ توہان پہلے سیٹ ہونا چاہتا تھا۔" عرشہ کا لہجہ  
انداز صاف بتا رہا تھا کہ وہ خود کس حد تک انا لو ہے۔

"شاید ان حالات میں یہی مناسب ہو۔" نبیلہ نے  
سوچا۔

"اب تو اس کی جانب بھی ہو گئی ہے۔ وہ خود بھی باہر  
جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب تو دیر نہیں ہوئی

چاہیے۔"  
"باہر کون جا رہا ہے؟" عرشہ نے حیرت سے

پوچھا۔  
"توہان ہی پلاٹنگ کر رہا ہے تم سے ذکر نہیں کیا؟"

"نہیں تو۔" آپ کو مغلطہ ہوا ہو گا۔  
"نہیں۔" توہان نے خود جمل سے ساری

انفارمیشن لی تھی۔  
"اچھا۔" وہ اب بھی بے یقین تھی۔ تب ہی



"کو فاطمہ۔" وہ فاطمہ کے ہاتھ میں ڈبہ دیکھ کر سمجھ گئی تھیں کہ وہ کس مقصد کے لیے آئی ہے۔

"پچھو! یہ عرشہ کا زیور۔ میں مزید یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔" اس نے ڈبہ عرشہ کی طرف بڑھایا۔ عرشہ بدک کر چیخے ہوئی۔

"میں فاطمہ! آپ! یہ زیور نہیں۔ زہر ہے جو میں نے اپنے ہاتھوں اپنی ماں کو دیا تھا۔"

"ایسا تم کو عرشہ! یہ زیور نہیں۔ تمہاری ماں کے ارباب ہیں۔" نیلہ نے سمجھایا۔

"پچھو! انہیں آپ اپنے پاس رکھیں۔ عرشہ کی شادی ہو رہی ہے۔"

"آپ نہیں جانتی ہیں۔ میں جب جب یہ زیور دیکھوں گی۔ تب تب اپنی گھٹی یاد آئے گی۔" وہ رونے لگی۔

"بس بچے! اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔" نیلہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"فاطمہ! اگر تم لوگوں کا ارادہ ٹوٹا اور عرشہ کی شادی کا یہ تو انتظار کس بات کا۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں پچھو! اسی کو چاہیے۔"

"اتھنا میں آئی ہوں کسی دن اور اس سلسلہ میں بات کرنی ہوں۔" وہ عرشہ سے مخاطب تھیں۔ عرشہ کا زہن پھر سے ٹوٹا۔ ہاتھ کے باہر جانے پر اٹک گیا۔

"آخر ٹوٹا ہے مجھ سے اتنی بڑی بات کیوں چھپائی؟"

\*\*\*

مریم کو ہمیشہ سے ٹوٹا ہوا یہ عادت زہر لگتی تھی کہ وہ کھانے کا کمرہ کر اوپر چلا جاتا۔ وہ ہمیشہ پریشانی مگر اب یہ ڈوبی آرام سے عرشہ کے سنبھال لی تھی۔

"ایک تو ماں نے شروع سے انہیں سر پر چڑھایا ہے۔ اوپر سے تم ان کے خمرے اٹھاتی رہا کرو۔ مستقبل میں مسئلہ ہو جائے گا۔"

اسے ٹرے سجاتے دیکھ کر مریم نے کہا۔ تو وہ ہنس دی۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔"

"اچھے کون سے لاث صاحب ہیں۔ جو کچن میں آ کر کھانا نہیں کھا سکتے۔ ایک نوکر تو مستقل ان ہی کے لیے چاہیے۔ باہر چلے گئے تو خود کیا کھانا پڑے گا۔"

عرشہ نے چونک کر مریم کو دیکھا۔ گویا اس کے سوا سب ہی اس بات سے باخبر تھے۔ پھر ٹرے اٹھا کر اوپر چلی گئی۔ ٹوٹا ہوا فریش ہو کر نکلا تھا۔ عرشہ نے ٹرے اس کے سامنے پٹی۔

"نہایت اموذ کیوں خراب ہے؟"

"آپ آج کل ہوتے کہاں ہیں؟"

"تھیں بھی یہاں ہے جی جی جاب ہے۔" اس نے کف لٹا۔

"اور باہر جانے کی تیاری بھی تو ہے۔ مصروفیت تو ہو گی۔" ٹوٹا نے زور عرشہ کو دیکھا۔

"تو نہیں پتا چل گیا۔"

"آپ کو چھپانا تھا اور وہ بھی صرف مجھ سے؟"

برہم تھی۔

"عرشہ! احم سے چھپا کر میں نے کہاں جانا ہے۔ بیٹو! بیٹو کر بات کر لو۔ تم تو کمزور سوخت کر کھڑی ہو گئی ہو۔"

عرشہ نوٹھے پن سے بیٹھ گئی۔

"میں کون سا آگئی جا رہا ہوں۔ ابھی تو صرف خیال ظاہر کیا ہے۔ باہر جانے کے لیے ڈھیر سارے پیسے ملتے ہیں۔"

"اچھی جھلی آپ کی جاب چل رہی ہے، آپ نے باہر جا کر کرنا بھی کیا ہے۔"

"یہ جاب مجھے وہ سب نہیں دے سکتی جو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"دراصل ٹوٹا! آپ کے خوابوں کی اڑان ہے ہی بہت اونچی۔" وہ نہ پڑھ لیا، جاب مل گئی۔ اب اور کیا چاہیے۔"

"میں آسمان چھونا چاہتا ہوں عرشہ! زندگی میں یہی سب کچھ نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک کہا۔ زندگی میں اور بھی بہت کچھ ہے۔"

لیکن سب کچھ ہمارے لیے نہیں ہوتا۔"

"کہیں ان کے سروں پر سینک ہیں۔ جو بیٹی گاڑیوں میں گھومتے اور شان دار بیگلوں میں رہتے ہیں؟"

عرشہ نے اسے دیکھا وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

"ابھی کتنی تھیں انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے نصیب میں لکھا ہو۔ یا بتنے کے لیے وہ سخت کرے اور کوشش کرے۔"

"میں کوشش ہی تو کر رہا ہوں۔"

"کامیابی کے پیچھے اتنا بھی نہیں بیٹھنا چاہیے کہ ساتھ چلنے والے پیچھے رہ جائیں۔" عرشہ کھڑی ہو گئی۔

"تم کہنا لیا جانتی ہو؟"

"میرے اور آپ کے درمیان جو بے نام ساقی ہے ہے اسے نام دینا چاہتی ہوں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے آہستہ سے کہہ دیا۔

"لیکن ابھی تو۔"

"پچھو کسی دن آئیں گی یہ بات کرنے۔"

"پچھو سے تم نے بات کی۔؟" ٹوٹا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں! خود ہی کہہ رہی تھیں۔"

"ہوں۔ دیکھتے ہیں۔" اس کا انداز مبہم سا تھا۔

عرشہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور ٹھٹھے سے باہر نکل گئی۔

\*\*\*

"تمہیں مصیبت کیا ہے؟" لیکچر نوٹ کرتی عرشہ نے مریم کو ٹوکا دیا۔ وہ کب سے اپنی نشست پر بے چین بیٹھی تھی۔ مجاہد ہے جو ایک لفظ بھی نوٹ کیا ہو۔

حسان کھڑکی سے باہر تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ بس ذرا دیر ہی سکون سے بیٹھی۔

پھر تیزی سے کھڑی ہو گئی۔

"سر! میں تمہاری در کے لیے کلاس سے باہر جا سکتی ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

عرشہ نے حیرت سے مریم کو دیکھا۔ سر نے گھڑی پر لگا دوڑائی اور اجازت دے دی۔ کلاس ختم ہونے میں

دس منٹ رہتے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو؟" عرشہ نے اشارے سے پوچھا۔

"واش روم۔" مریم نے سرگوشی میں کہا اور بیگ اٹھا کر چلی گئی۔ دس منٹ گزر گئے کلاس ختم ہو گئی۔

مریم واپس نہیں آئی۔ اسٹوڈنٹس باہر نکلنے لگے۔ عرشہ کا رنڈور میں رک گئی۔

"تو یہ! یہ تو واش روم جا کر سوئی گئی ہے۔"

"لیٹی مجنوں کہاں ہیں؟" کارنڈور کے دوسرے سرے سے عاصم نے نجانے کس سے پوچھا تھا۔

"کینٹین کے عقب میں ہوں گے۔" کسی نے تقہر لگایا۔

عرشہ لڑکیوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھ گئی۔

"لوگوں نے تو تعلیمی اداروں کو بھی پینکاپ پوائنٹ بنالیا ہے۔" صبا تنفر سے کہہ رہی تھی۔

"گندہی چھٹیاں تو ہر جگہ ہی ہوتی ہیں۔" رضوانہ نے کن اکھیوں سے عرشہ کو دیکھا تو عرشہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو۔ یہ کوئی عام ادارہ نہیں یہاں اساتذہ کی تربیت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بچوں کو کیا سکھائیں گے۔"

عرشہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ لوگ کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں۔ صبا اور رضوانہ نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے رد عمل پر عرشہ عجیب سی ہو گئی۔

"میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا۔" اس نے حیرت سے سوچا۔ تب ہی مریم تیز چلتی اس کے قریب آئی۔

"تم کیا واش روم جا کر سو جاتی ہو۔" وہ مریم پر چڑھ دوڑی۔

"ہاں! نہیں چلیں۔" اس نے چور نگاہوں سے اور گردن لڑکیوں کو دیکھا۔

"چلو۔" وہ غصے سے کہہ کر آگے آگے چل دی۔

رضوانہ اور صبا ہنس دیں۔

"یہ جی جی اتنی ہی سادہ ہے یا بن رہی ہے۔"



کتنی آسان سی زندگی تھی۔ اسٹور گھر دوست  
مڑے میں گزر رہی تھی۔  
زندگی کیسی ہے۔  
کیا کھانا کیا پانا۔

ایسا کچھ سوچا ہی نہ تھا اور اب۔ اب تو ایسا روگ  
لگا تھا کہ ہونٹوں پر گہری چپ کے تالے تھے دوست  
اجنباب پوچھ پوچھ کر ٹھک گئے تو وہ ان سے کترانے  
لگا۔ دو بجے اسکول کی بچیاں اسٹور کے سامنے سے  
گزرتیں۔ تو وہ وہاں سے غائب ہو جاتا۔  
جو اس کی نہیں ہو سکتی۔ وہ اسے دیکھنے کا اندازہ  
بھی کیوں ہوتا۔

شاید خود سے ڈرتا تھا کہ کہیں اس کے سامنے نہ  
کھڑا ہو جائے۔ اس سے جواب طلبی نہ کر بیٹھے مگر  
جواب طلبی کیسی؟ محبت تو نعمان نے کی تھی۔ عاشق  
نے تو ایسا کوئی عوا نہیں کیا تھا۔  
”بھائی جی دو بج گئے۔“ اسٹور والے لڑکے کو یہ تو  
نہیں پتا تھا کہ وہ دو بجے دکان سے کیوں اٹھ جاتا ہے۔  
بس یاد دہانی کرادی۔

نعمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر سڑک سے  
گزرتی بچیوں کو اور خاموشی سے اٹھ گیا۔ جانا کہاں تھا۔  
سڑکیں تلتے تلتے گھر کی طرف مڑ گیا۔  
دروازہ کھلا تھا وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔  
بیٹھک میں حیدر اور برکت حسین نے کس  
موضوع پر آپس میں باتیں کر رہے تھے ایسے شہر و  
شکر ہو کر بیٹھنے کے مواقع ان کی زندگیوں میں بہت ہی  
کم آتے ہوں گے۔

نعمان کے لیوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ  
خاموشی سے وہاں سے گزر کر اپنے کمرے میں جانا چاہتا  
تھا مگر دک گیا۔ برکت حسین کہہ رہے تھے۔

”ہاں۔ تو نیلیہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ گھر کی لڑکی  
گھر کا لڑکا دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔ پھر اب تو ثوبان کی  
نوکری بھی ہو گئی ہے۔“

”خواتین کا کردار۔۔۔ ابھی بڑا رہتا ہے اور چھوٹے  
کی شادی کر دیتا۔ وہ تو پہلے ہی کہتا ہے کہ ہم لوگ  
ثوبان کو اس سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔“  
”غلط تو نہیں کہتا۔ بچپن سے اب تک تو نے ہر  
اچھی چیز چھوٹے کے لیے سنبھال کر رکھی ہے۔“

”ثوبان بڑھنے والا بچہ تھا۔ کتابوں کے علاوہ اور کسی  
چیز کی طرف دھیان ہی نہ دیتا۔ اسی لیے خیال کرتی  
تھی۔ نعمان تو بچپن سے لڑاؤ کو تھا۔“  
”تو پہلے اس کی گردن تھی۔ اچھی بھلی لڑکی پسند کر کے  
بیٹھا تھا۔“ نعمان ٹھک گیا۔

”ہاں۔ وہ اسٹائل بیادلاتی۔۔۔ وہ دن میں لڑکے کو لے  
کر اٹک ہو جاتی۔“

نعمان کو جھٹکا سا لگا۔ جو محبت دل کے نمل خانوں  
میں بچھا کر رکھی تھی۔ وہ میاں کیسے ہوئی۔  
”دیے بھی نعمان کے لیے تو میں کسی غریب گھر کی  
کم پر مچی لکھی لڑکی لاؤں گی۔ جو ساری زندگی میری  
خدمت کرے۔“ حیدر نے پاؤں بلند اپنے  
ارادے ظاہر کیے۔ ان کے خیال میں اس وقت گھر میں  
کوئی بھی نہ تھا۔

”پھر کتنی ہے۔ میں میٹوں میں فرق نہیں کرتی۔“  
”کچھ سوچ کچھ بھی لیا کرو۔ ثوبان نے کالج  
یونیورسٹی کامت دیکھ لیا ہے۔ اس کے ارادے اور  
خیال بڑے اونچے ہیں۔ پھر عرشہ کامکان اور عابدہ کی  
رقم بھی اسی کے حصے میں جائے گی۔ وہ ہمارا خیال  
کیوں کرے گا۔ ہاں گیارہ تو عرشہ کو بھی ساتھ لے جائے  
گا۔ ہمارے ہاتھ خاک آئے گا؛ یہی وہ جائے گا  
نعمان اور اس کا اسٹور۔“

یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے۔ وہ بھی اسی طرح ان کا  
بیٹا تھا۔ جس طرح ثوبان مگر ثوبان کے لیے سب اچھا تھا  
اور اس کے لیے؟

”ویسے ہے یہ نا اصفانی حیدر! اب کچھ ثوبان کا  
ہے تو نعمان کو اس کے دل کی خوشی ہی دے دیتی۔ پسند  
کرنا تھا اس لڑکی کو۔ دیکھا میں کیا چپ چپ رہنے  
لگا ہے۔“

”اب بار بار اس لڑکی کا نام نہ لے۔ کروادوں  
گی اس کی شادی۔ کنوارہ تو نہیں رکھوں گی۔ ہونہ میرا  
بیٹا پھانسنے چلی گئی۔ ایسی باتیں سنائیں اس ماشینی کو  
کہ دوبارہ نعمان کا سوچے گی بھی نہیں۔“  
نعمان کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔  
”اجنباب نیلیہ کو کیا کہوں؟“

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف  
پلٹ آیا۔

اس کے دل کی خوشی جیسے والی کوئی اور نہیں خود  
اس کی اپنی ہوتی تھی۔  
وہ اس کا کھٹو بیٹا تھا۔ مگر عیشہ دو نمبر کا شری سمجھا  
گیا۔

اسے وہ ساری یاد دہانیاں سارے فرق یاد آئے جو  
بچپن سے آج تک اس کے ساتھ رہتے گئے تھے مگر یہ  
زیادتی۔۔۔  
اس کا دل چاہا کہ اٹھ کر سارے گھر کو آگ لگا دے۔

مگر وہ نفس سال اپنے بستر پر اٹھا۔

وہ کب سے کھڑکی سے باہر چھوٹے سے صحن میں  
ہوتی بارش دیکھ رہی تھی۔  
بارش جو ننھی بچی کی طرح پورے صحن میں نکلی  
ڈال رہی تھی۔

پانی کے پیلے پیلے اور پھونٹے۔ بچپن میں وہ ان  
بالباؤں کے پیچھے بھاگتی اور وہ اس کے پیچھے سے بھی پہلے  
مردم ہو جاتے۔ اسے کیا خبر کہ وہ آج بھی پیلے کے  
پیچھے ہی بھاگ رہی تھی اس کے عقب میں مریم آئینہ  
کے سامنے کھڑی کب سے اپنے خدو خال کا جائزہ لیتی  
ہوئے ہوئے نکلتا رہی تھی۔

”عرشی! ایسا میری آنکھیں بہت چمکتی ہیں۔“ وہ اپنی  
آنکھوں کو کسی اور کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔  
”جائیں۔“ عرشہ نے بغیر پلٹے جواب دیا۔ مریم  
پر مڑا ہوئی۔

”تم نے مجھے کبھی غور سے دیکھا ہو تو ہی پتا چلے۔“  
”اب تمہیں کس نے غور سے دیکھ لیا؟“ عرشہ  
نے پوچھی سرسری انداز میں پوچھا۔

”کسی نے نہیں۔“ وہ بدھضم سا مسکرائی۔ اور اس  
کے ساتھ آکھڑی ہوئی کچھ لمبے صحن میں ہوتی بارش  
دیکھتی رہی۔

”عرشہ! محبت خوب صورت ہوتی ہے۔“

”ہاں۔ بہت۔“

”تم ثوبان سے کتنی محبت کرتی ہو؟“

”میں اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔  
وہ میری سانسوں میں رہتا ہے مریم! بچپن سے آج تک  
صرف اسی کو دیکھا اسی کو چاہا ہے۔“ اس نے بات  
کرتے کرتے مریم کو دیکھا۔ وہ کھڑکی سے سر ٹکائے  
ہوئے ہونے مسکرا رہی تھی۔

”اے۔“ عرشہ نے اس کے سامنے چمکی بجا لی۔

”تم کس جہان میں پھنی ہوئی ہو۔“

”کیس نہیں۔ میں ہوں۔“ وہ کھٹکلا کر نفس

ڈلی۔

”لگتا تو نہیں۔“

”کو بارش میں نہاتے ہیں۔“ مریم نے اس کا ہاتھ  
چکڑا۔

## خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

کوئی ایسا اٹل دل چھو

فیصلہ جلد

قیمت۔۔۔ 250/- روپے

نکھانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37۔ اردو بازار، کراچی۔



"ہی۔" جس میں نہیں پتا مجھے صرف بارش کو دیکھنا  
 اچھا لگتا ہے۔" عرش نے ہاتھ چمکانا چاہا۔  
 "اور مجھے بھیکنا۔" وہ اسے چھینتی ہوئی بارش میں  
 لے گئی۔

"مریم! چھوڑو مجھے۔ کیسا اکل پن ہے۔"  
 "ہاں۔ میں پاگل ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر  
 کھل کھل گھومتی گئی۔ بارش ان کے وجود سے چھوٹی  
 کنواری خوشیوں سے مست ہونے لگی۔  
 آسمان ان کی سرخوشی دیکھ کر مسکرایا اور کھل کر  
 برسا۔

ان کے قدموں کی دھمک سے پانی میں دائرے سے  
 بن رہے تھے۔  
 ابراہان نے مسرت ہو کر یہ دیکھ دیکھا۔

بارش میں نہاتی ہوئی گئیں۔  
 ان کی مقدس ہیبت۔ مندر میں بحق گھنٹیں۔  
 مریم کی نگاہ ابراہان پر پڑی تو اس نے ایک دم عرش  
 کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ لڑکھارہ کی طرح ابراہان سے  
 ٹکرائی۔ مریم کھنگھلائی اندر بھاگ گئی۔  
 ابراہان نے اسے قہقہہ کر دے سر سے ہل چھوڑ دیا تھا۔  
 عرش نے غصہ سے اپنے چہرے سے پانی صاف  
 کیا اور قہقہے سے گھورا۔  
 ابراہان کی نگاہ جھک گئی۔

وہ پاؤں میں آکر ناچ کچھ کئے اندر بھاگ گئی۔  
 ابراہان کی نگاہ اس کے بھاگتے پیچھے والی پر تھی۔  
 یہ نظر کا حیران کن واقعہ تھا۔  
 ابراہان کو ان پانی میں سناؤں رنگ کھل گئے ہیں۔



"تم باہر جا کر کیا کرو گے؟" سنیعہ نے گھاس وال  
 سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ باہر بارش ہے تو از کس  
 کے ساتھ کر دی تھی۔ وہ دونوں اس ریسٹورنٹ میں ہر  
 روز آتے ہی لگ کر رہتے تھے۔ جس کا کل ظاہر ہے سنیعہ  
 رہتی تھی۔

"وہی جو سب کرتے ہیں۔" وہ ان نے بات کو مذاق  
 میں لانا چاہا۔  
 "مطلب۔"

"ظاہر ہے چھپنا لائف اسٹائل بہتر کرنے کی  
 کوشش کروں گا۔"

"کتنا بہتر؟" وہ عجیب سی باتیں بھجوا رہی تھی۔  
 "اتنا کہ تمہارے مقابل آسکوں۔" وہ ان اس کی  
 طرف جھکتے شرارت سے بولا۔ سنیعہ نے اس کی  
 آنکھوں میں جھانکا۔

"میرے مقابل آنے کے بجائے میرے ساتھ چلنے  
 کی کوشش کرتے تو کوئی فائدہ بھی ہو تا۔"

"ایسا تو میں صرف خواب میں سوچ سکتا ہوں۔"  
 "میں اس خواب کو حقیقت میں بدل سکتی ہوں۔"  
 وہ براجمد ہو گئی۔

"سنیعہ! زمین اور آسمان بھی ایک نہیں  
 ہوتے۔"

"میں یہ فلسفہ نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا سمجھتی  
 ہوں کہ زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ جسے میں  
 حاصل کرنا چاہوں اور کر نہ پاؤں۔" اس کے لیے  
 میں اس کی ذات کا غور و درسا تھا۔

"تم انسانوں کو بھی چیزوں میں شکار کرتی ہو۔" وہ ان  
 نے لپکھن اٹھایا۔

"نہیں۔ اسی لیے تو تم سے پا چھ رہی ہوں۔"  
 "کیسے؟"

"جو کچھ باہر جا کر حاصل کرنا چاہتے ہو اگر میں مل  
 جائے تو۔"  
 "کیسے؟"

"مجھ سے شادی کر کے۔" سنیعہ نے آرام سے  
 اپنے چوڑے اس کے سامنے رکھا۔

وہ ان کے ہاتھ سے لپکھن چھوٹ گیا۔

بقیہ آگے کی صفحہ پر















[illegible][illegible][illegible][illegible]







”تو لکھو عزیز سے لا کھول دیا ہے وہاں سے لکھی  
 ہے۔“  
 ”لا کھول ہے۔ سب کچھ تو اس سے لکھو لیا  
 ہے۔ سب اس کیس سے پایا ہے۔“  
 ”کھلتے۔“  
 ”کھلتے۔“  
 ”ہاں۔ ہاں۔ لکھو لکھو کر ہی کھلتے ہیں۔ عزیز کی  
 لکھو اس نے پورا اس کیس میں لکھ لیا ہے۔ وہاں لکھ لیا  
 کہ اس کیس میں لکھ لیا ہے۔ یہاں سے لکھ لیا ہے۔  
 ”وہاں سے لکھ لیا ہے۔“

کر کے نقل کر دی سے اور ممالک گزشتہ چاروں ملکوں  
 پرانی چاندنی کوٹھیں۔  
 اس نے لکڑی میں بھی ان چیزوں کو آگنی شدت  
 سے محسوس کیا تھا۔  
 وہ بھی لکڑی آگنی مثل میں ہوئی کہ گرفت  
 کو ان کے گھبراہٹ سے بڑا کر دیا۔ اس طرح فریاد  
 رستہ بڑھتا ہوا کہ حمل تک پہنچتے سے پہلے کہ ہر  
 میں۔  
 اس نے لکڑی آگنی بڑھتا ہوا کہ حمل تک پہنچتا ہوا۔

حضرت دکن کرنا تھا تو اس وقت کو دیکھ کر اس شخص کا  
منکر ہو گیا۔ یہ شخص نے خلیفہ کا نام لیا اور کہا کہ یہاں  
کہ یہ وہاں اس سے بہت میں لگے ہیں۔ مگر  
خاطر کی بات کی کہ یہ وہاں لگے ہیں۔ مگر  
یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر  
یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر  
یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر  
یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر  
یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر یہاں بھی لگے ہیں۔ مگر

وہ چپ کر بیٹھے ہوئی اور غلبہ لہہ گلوں سے  
 شوقانہ طور پر کہنے لگی۔  
 اسی لڑائی جھگڑاتے کیسب ہی جسے کولا کھٹیلنا ہو  
 کر اکیلا کیا؟  
 صوفی اس کی کولا کھٹیل کر مافیہ سے چلا گیا۔  
 چپے چپے سے مافیہ کو لائی کولا کھٹیل کر۔  
 صوفی نے کہا کہ تم نے کولا کھٹیل کر۔  
 کھٹیل کر چپے چپے سے چلا گیا۔  
 کولا کھٹیل کر۔

"دوران کھانا ہے ساندہ تھلا۔"

نعمان کی توار اٹھری۔ چمگھٹوں پہلے گزرنے والے مل کا خوب تھا کہ عرش نے دوران بھا کر نرے جے رکھ دی۔ جب تک نعمان نے دوران کھانا۔ وہ بھائی بھائی اپنے کمرے میں جا گئی تھی۔ نعمان نے دوران کھول کر دھواڑ دھک دھک پھر رکھ دی۔ اسے پیش آیا۔ اس نے کھو کر سے نرے اڑائی کتب خانہ میں جا کر ٹوٹا۔ کھانے پر کھانے سے کھن تک کھن کھن کھن کھن کھن۔

○ ○ ○

"مجھے بھی اس کی تواری ہے۔ جو دنوں میں گھر ہے۔ اگرچہ ہمیں آج تک ایک۔ چلا نہیں۔ کھلا۔ پھر پھر کھانے کی ضرورت لیا ہے۔" پرست میں نے اعتراض کیا۔

"پرست حسین احمدی میت تو مددگار لنگی میں بھرے گی۔" میری ہمت تھی پتا تھا۔

"ہاں۔ تو تو تے تے ہوئے ہیں وہی ہے۔ مجھے دکھائی دیتا ہے۔ ان دنوں کو اتنی فکر میں کہ وہ ہوئے ہیں۔ کو سوار ہیں۔ ان دنوں اس لنگی کمرے میں کھانا ہوں۔ کھانا ہو انہیں اپنا مکان دیا۔ ایک اس کا لاریہ تو میری بیب میں جا گئے۔" وہ غصہ کیا کرتے تھے۔

"مے پرست میں میں" آپ نے کہا ہو گیا ہے۔

آپ کیا کھانا کھاتے تھے۔

میرے بھائی کو کھانا تھے۔ نعمان نے ایک نظر دھن کو دیکھا اور آواز دیا۔

"ہاں۔"

"ہاں۔" وہی آواز تھی۔

"آپ کھانے کھاتی کرتا ہے۔" اس نے واضح الفاظ میں مدعا بیان کیا۔

وہوں نے ٹھک کر نعمان پھر ایک دھڑکے کو دیکھا۔ پھر پرست میں میں مدعا بیان کیا۔

"شرم کر شرم" میں نے اپنے منہ سے کھانا شروع ہو گئے ہیں۔ تو بڑی سوتی۔

○ ○ ○

"خدا ان کو سوری ہوں۔ کچھ تواری ہوں ان کی لیں۔"

وہ بڑی سوتی۔

"ان کی لیں کھانے کی کیا ضرورت ہے۔" نعمان نے تواری چھٹی۔

"تو پھر" میری کابل ایک سے دھکیلا۔ اچھی ہے۔

مزدی کے بعد بھی وہ انتہائی کی میں رشتہ میں کو تیار ہے۔

میرے ہی ہے میرے لوگ ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

"تو کمرے میں ہے اس کا لاریہ ہمارا" ہے۔

کی لیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔

میرے ہی میں ہیں۔















یہ کہہ کر سوئے۔ اس نے ایک طبقہ لقاؤں کی طرف پھلایا۔  
 ہنس کر کہے۔ "میرے بھائی۔" عورت کو کہہ کر چلے گئے۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

فریڈم کی گلی۔  
 سارا جی اس کی شوقی نگاہ کے توجہ میں رہا۔ وہ ایک چپ لہریے میں گنبد کا قند کو کہہ کر راستہ چھوڑنے کے لئے گھبراہٹ سے عورت کی طرف نظر نہ کیا۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

ی اکتالی بیٹہ کی شکل و صورت بھی بس گوارا ہی ہے۔ وہ چار پہلوئے کوئے تو مانجہ پاؤں جس لئے گئے۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

عورت جذبات کی اسے کہنے لگی۔  
 "تم تو ذرا محبت کر لی ہو عورتی۔ اگر میں یہاں رہتا۔  
 کہیں۔" عورت نے اپنے لیے گھر کا گھر عورت چلی گئی۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

اگر دن چلتی کا قند عورت نے مشین نکالی۔  
 سارے گھر کے کپڑے ایک طرف اور لوہان کے کان کے ساتھ ایک طرف۔  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

وہ چار پہلوئے کوئے تو مانجہ پاؤں جس لئے گئے۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

عورت نے اپنے گھر کی طرف دیکھا۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

عورت نے اپنے گھر کی طرف دیکھا۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

عورت نے اپنے گھر کی طرف دیکھا۔  
 "میرا ایک نہیں ہے۔"  
 "میں اس عورت ایک آخری کو عشق کر رہا ہوں۔  
 ہوں۔ شیعہ قوم کے والدین کو سہلی اسے پڑھائی ہے۔  
 ہمیں ان کی طرح چھوڑنا ہوگا کہ ہم نے کوئی شے نہیں کی۔"

لٹوئی وکس بکنا تھا کر دہ

# سوہنی ہائر آئل

SOHNI HAIR OIL



- گنتے سے زیادہ ہار کا تھکا
- بھاری ہار
- ہار کا جھڑکا ہوا ہونا
- مین ہار کا جھڑکا ہونا
- گنتے سے زیادہ
- ہار کا جھڑکا ہونا

قیمت 100 روپے

سوہنی ہائر آئل 100 روپے  
 200 روپے  
 300 روپے  
 400 روپے  
 500 روپے  
 600 روپے  
 700 روپے  
 800 روپے  
 900 روپے  
 1000 روپے  
 1100 روپے  
 1200 روپے  
 1300 روپے  
 1400 روپے  
 1500 روپے  
 1600 روپے  
 1700 روپے  
 1800 روپے  
 1900 روپے  
 2000 روپے  
 2100 روپے  
 2200 روپے  
 2300 روپے  
 2400 روپے  
 2500 روپے  
 2600 روپے  
 2700 روپے  
 2800 روپے  
 2900 روپے  
 3000 روپے  
 3100 روپے  
 3200 روپے  
 3300 روپے  
 3400 روپے  
 3500 روپے  
 3600 روپے  
 3700 روپے  
 3800 روپے  
 3900 روپے  
 4000 روپے  
 4100 روپے  
 4200 روپے  
 4300 روپے  
 4400 روپے  
 4500 روپے  
 4600 روپے  
 4700 روپے  
 4800 روپے  
 4900 روپے  
 5000 روپے  
 5100 روپے  
 5200 روپے  
 5300 روپے  
 5400 روپے  
 5500 روپے  
 5600 روپے  
 5700 روپے  
 5800 روپے  
 5900 روپے  
 6000 روپے  
 6100 روپے  
 6200 روپے  
 6300 روپے  
 6400 روپے  
 6500 روپے  
 6600 روپے  
 6700 روپے  
 6800 روپے  
 6900 روپے  
 7000 روپے  
 7100 روپے  
 7200 روپے  
 7300 روپے  
 7400 روپے  
 7500 روپے  
 7600 روپے  
 7700 روپے  
 7800 روپے  
 7900 روپے  
 8000 روپے  
 8100 روپے  
 8200 روپے  
 8300 روپے  
 8400 روپے  
 8500 روپے  
 8600 روپے  
 8700 روپے  
 8800 روپے  
 8900 روپے  
 9000 روپے  
 9100 روپے  
 9200 روپے  
 9300 روپے  
 9400 روپے  
 9500 روپے  
 9600 روپے  
 9700 روپے  
 9800 روپے  
 9900 روپے  
 10000 روپے





# کای جیو لای قی

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں، مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیوہ اور جھانی اپنے بچوں نعمان، ثوبان، فرید، فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں، بانو اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں، عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیوہ کا گھر انہ جاہل ہے۔

نبیلہ، عادلہ اور حمید اں کی مندی ہیں، ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال، جمال ملک سے باہر مگر اس کی بد مزاج بیوی طیبہ نہیں رہتی ہے۔

ابرار جیلہ کا بیٹا ہے شہر میں بڑھتا ہے، باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چاچی کبریٰ کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ بڑوائی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشری کی ابرار سے شادی ہو جائے مگر ابرار صاف انکار کر دیتا ہے۔ اصغر کو غصہ آتا ہے وہ ابرار پر ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔ ابرار ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیتا ہے اور شہر آکر حمید اں کے گھر رہنے لگتا ہے۔ برکت حسین اس کی ماں کے چچا زاد بھائی ہیں۔ حمید اں ابرار سے سخت بیزار رہنے لگتی ہیں۔

نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ نعمان عائشہ کی ماں سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حمید اں کا دونوں بیٹیوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی جیل جت کے بعد مان جاتے

کافیلط





ہیں۔

عادلہ نبیلہ کے کہنے پر بچت کر کے عریضہ کے لیے سوئے کا سیٹ بنوا دی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریضہ حمیدال کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمیدال کی عریضہ سے لگاؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فاطمہ کی شادی پر حمیدال، عادلہ سے وہ سیٹ مانگتی ہیں۔ عادلہ پریشان ہو جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے وہ سیٹ عریضہ کے لیے بہت مشقت سے بنایا ہوتا ہے۔ حمیدال بھڑک اٹھتی ہیں کہ فاطمہ کو شادی پر سوئے کا سیٹ دیا جائے جبکہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ ٹوبان کی فیس کے پیسے نکال لیتی ہیں۔ ٹوبان بہت بگڑتا ہے۔ عریضہ ٹوبان کی پریشانی دیکھ کر کچکے سے وہ سیٹ نکال کر حمیدال کو دے دیتی ہے۔

شادی والے دن نبیلہ فاطمہ کے گلے میں وہی سیٹ دیکھتی ہیں تو عادلہ سے کہتی ہیں۔ عادلہ عریضہ سے پوچھتی ہیں تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے دھڑلے سے اعتراف کرتی ہے کہ اس سے ٹوبان کی پریشانی نہیں دیکھی گئی۔ عادلہ عریضہ کی حرکت سے اتنی دل برداشتہ ہوتی ہیں کہ ان کا دل بند ہو جاتا ہے۔ عریضہ پچھتاہٹا ہے۔ ٹوبان لگاؤ سے اسے بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔

ابرار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عریضہ ٹوبان کو پسند کرتی ہے، ساتھ ہی وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ ٹوبان اپنے فائدے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی خود غرضی جان کر ابرار اس سے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔

حمیدال کو نعمان کی خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور جب عائشہ کی والدہ عادلہ کی تعزیت کرنے حمیدال کے پاس آتی ہیں تو وہ ان سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتیں۔

”آج کل ماں باپ نے لڑکوں کو پھانسنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے اور لڑکیاں خودی معاملہ سیٹ کرتی ہیں۔“ جیسے سخت الفاظ کہہ کر ان کی بے عزتی کر دیتی ہیں۔

عائشہ کی والدہ دلبرداشتہ ہو کر ان کے گھر سے چلی جاتی ہیں بلکہ وہ عائشہ کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چند دنوں کے لیے دوسرے شہر چلی جاتی ہیں۔ نعمان اس تمام عرصہ میں سخت پریشان رہتا ہے۔ ان کی واپسی پر ان کے گھر کا نام تو وہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے عائشہ کا کہیں اور نکاح کر دیا ہے۔ وہ معصوم سا دل لیس آ جاتا ہے۔

نبیلہ عریضہ کا سیٹ لینے پر فاطمہ سے برگشتہ ہوتی ہیں تاہم فاطمہ کے وہ سیٹ لوٹا دینے کا وعدہ کرنے پر وہ راضی ہو جاتی ہیں۔

ابرار باسط کو ٹیوشن پڑھانے جاتا ہے۔ وہاں باسط کی بڑی بہن صنعیہ کے ساتھ ٹوبان کی بے تکلفی دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

ابرار عریضہ کو ٹوبان کے ساتھ چھت پر تھما دیکھ کر اسے متنبہ کرتا ہے کہ دو تا عمرم کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ گاؤں میں کوئی جمعیلاں کی بھیجس کو زور دے کر مار دیتا ہے۔ عریضہ اور مریم نے بی ایڈ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مریم کا کوئی افیر شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے عریضہ بے خبر ہوتی ہے۔

صنعیہ ٹوبان کو شادی کی آفر کر کے حیران کر دیتی ہے۔

## چھٹی قسط

”ٹوبان.....“ عریضہ کے صرف لب ہلے تھے، الفاظ اندر ہی کہیں لنگ ہو گئے۔ ٹوبان نے بول سلیب پر چٹی اور خو خوار نظروں سے اسے دیکھا۔

”تم اپنی بات متی محبت۔“ ٹوبان! خدا کے لیے بس کرو۔“ عریضہ حیرانی سے نکل کر دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی۔ ”تم بس کرو عریضہ۔“ اور ہو کے تو تھوڑی سی شرم بھی۔“ وہ اک ملا متی نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا۔ عریضہ ایک دم ہوش میں آ کر پیچھے لپکی اور برآمدے میں اس

کا بازو پکڑ کر روکا۔

”ابھی تم نے کیا کیا اس کی؟“

”میرا بازو چھو ڈو۔“

”کیوں چھو ڈوں، تمہارا جودل میں آئے، کہہ کر چلتے بنو اور میں تم سے پوچھوں بھی نہیں۔“

”تمنا شامت بناؤ۔“ ٹوبان نے دانت میسے۔

”تمنا شامت تو تم بنا رہے ہو۔ تمہیں اتنی گھنیا بات کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”میری بات گھنیا ہے اور جو کچھ تم کر رہی ہو۔“

”میں نے کیا کیا ہے، ٹوبان!“ وہ روٹا ہوا ہنسی ہو گئی۔

”خود سے پوچھو۔“ وہ بازو چھڑا کر چلا گیا۔

عریضہ خالی ہاتھ اسے دیکھتی رہ گئی اور واش روم سے نکلتا تو کیسے سر سرگزا ابرار عریضہ کو۔

عریضہ کی نگاہ ابرار پر پڑی تو احساس تو بہن سے روم روم حل اٹھا۔ وہ تیزی سے مڑ کر اندر کی طرف بھاگی۔

ابرار نے لب بھیج کر اوپر جاتی بیڑھوں کو دیکھا۔ پھر کمرے کے دروازے کو۔ محبت کرنے والے دکھ نہیں دیتے۔ مگر اس لڑکی کے نصیب میں محبت صرف دکھ بن کر آنے والی تھی۔ ابرار کا دل تاسف سے بھر گیا۔

\*\*\*

ٹوبان کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ اسے اپنی جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا۔ خود سے اچھے وہ کرسی پر گر سا گیا۔

”کیا ضرورت تھی اس طرح ری ایکٹ کرنے کی وہ بھی ایسی چیز میں جب مجھے عریضہ کی مدد کی ضرورت ہے۔“ اس نے انگلیاں بالوں میں الجھائیں۔ ”مگر یہ نعمان بھائی کو کیا ہوا ہے۔ ان کے انداز کیوں بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عریضہ سے۔“ وہ اپنی ہی جگہ ٹھٹک گیا۔ اندر کہیں جلن کا احساس پڑھنے لگا۔ وہ خود اپنی ہی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

”اگر ایسا ہے بھی تو مجھے کیا؟ میں تو ویسے بھی باہر جا رہا ہوں۔ لیکن ایک بات یاد رکھو، ٹوبان! اگر ایسا ہے تو تیرے ہاتھ پھولی کوڑی نہیں آئے گی۔ سب کچھ نعمان کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ اور سے عریضہ کے ساتھ تیرا رویہ۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے۔“ یہ خیال اتنا بے چین کر دینے والا تھا کہ وہ اٹھ کر خواہ مخواہ کمرے میں ٹھٹھنے لگا۔

\*\*\*

دو دن سے طبیعت کی خرابی کا ہمانہ کر کے وہ کمرے میں منہ سر پینے پڑی تھی۔ نہ کالج گئی، نہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگایا۔ مریم خوش خوشی کالج جاتی رہی۔ مائی اس کا خیال تو رکھتیں، مگر یوں جیسے مارے باندھے کر رہی ہوں۔ ان کے اندر سے وہ محبت، وہ دھمکانہ پن دھیرے دھیرے غائب ہونے لگا تھا۔ جس کی عریضہ عادی تھی۔

ڈھیر سارا رونے کے بعد بھی دل کا بوجھ تھا کہ کم ہونے میں ہی نہ آتا۔ اسے ٹوبان کا انتظار تھا کہ شاید وہ شرمندہ ہو کر اس کے پیچھے آئے مگر وہ تو اپنے اندر کی ساری جلن عریضہ پر نکال کر غائب ہو گیا تھا۔ ٹوبان کی بدگمانی نے اسے مار ڈالا تھا۔

”حد کرتی ہو ملال! وہ بیچارہ پڑی ہے۔ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کے بجائے اپنے کاموں کا رونا رو رہی ہو۔“ باہر سے نعمان کی تیز جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔

عریضہ نے سر تک چادر تان لی۔ وہی تو تھا فساد کی جڑ۔

”ہاں سارے قصور تو میں کے ہیں۔ جا جا کے اس کی بیٹی سے لگ کر بیٹھ جا۔ سردیا، وہ انہیں ٹھلا، کتنی بار بھونک چکی ہوں کہ ڈاکٹر کے پاس چل۔“ نہیں مانتی تو کیا گود میں اٹھا کر لے جاؤں۔“

”تم سے تو بات کرنا فضول ہے ملال!“

عریضہ کو محسوس ہوا کہ وہ کمرے کی طرف آ رہا ہے۔ اس نے چادر سر تک تان لی۔

نعمان اس کے پلنگ کے پاس آکھڑا ہوا، پھر اس نے



چادر کے اوپر سے ہی عرشہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ عرشہ نے تیزی سے چادر ہٹا دی۔  
 ”کیا ہوا؟“ بخار ہے؟“ وہ پھر سے اس کا ہاتھ چھونا چاہتا تھا۔  
 ”میں ٹھیک ہوں؟“ عرشہ نے اس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا مگر وہ اس کی کلائی تھام کر نبض دیکھنے لگا۔  
 ”اگر ایسے میں پھر سے ٹوبان آجائے تو؟“ عرشہ نے وحشت زدہ ہو کر کلائی پھرنی۔  
 ”خدا کے لیے نعمان بھائی! آپ جانیں مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوا تو تائی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ نعمان نے لب بلبھت کر اسے دیکھا، پھر ایک ہاتھ پلنگ پر رکھ کر جھکا۔ عرشہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ کیا کرنے والا ہے۔  
 ”جس کے بل پر اتنا اکڑ رہی ہو وہ تمہیں کچھ بھی نہیں دینے والا۔ سب کچھ بچ کر کھا جائے گا اور خود باہر جا کر عیش کرے گا۔ اس بھول میں مت رہنا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔“  
 ”اللہ کا واسطہ اپ کھالیتا۔“ تائی ہاتھ میں دیے کا پیالہ لیے وارد ہوئیں۔ نعمان جان بوجھ کر ذرا دیر سے پیچھے ہٹا۔ تائی نے بے حد ناگواری سے یہ منظر دیکھا اور ترخ کر لوئیں۔  
 ”اب کیا سی کی پی سی لگے رہو گے۔“  
 ”نہیں میں دوائے کر آتا ہے۔“ وہ مسکرا کر چلا گیا۔ عرشہ کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جو کچھ اس کے چہرے پر تھا۔ حمیدہ نے اس سے نظریں چرائیں۔  
 ”کھالیتا۔ اب میں اکیلی جان کی کس کس کے خچرے دیکھوں۔“ وہ انہیں پکارنا چاہتی تھی مگر پکار نہ سکی۔  
 ”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ سوچا۔  
 ”ضرور یہ نعمان بھائی کی چال ہے۔ وہ جان بوجھ کر

ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ ٹوبان مجھ سے اور میں اس سے بدظن ہو جاؤں۔ ان کی اپنی نیت خراب ہے مجھ پر اور میرے گھر۔ مجھے اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ وہ بے قراری سے اٹھ بیٹھی۔ ”مجھے ٹوبان سے ملنا ہے۔ اس کی بدگمانی دور کرنی ہے۔“  
 ”مریم نے آتے ہی بیک پلنگ پر پھینکا اور خود بھی ڈھیر ہو گئی۔ وہ بڑی مسرور اور مگن سی دکھائی دیتی تھی۔  
 ”کیسی طبیعت ہے؟“  
 ”ٹھیک ہے۔“ اس نے پیر نیچے اتارے اور جھک کر چہل دیکھنے لگی۔  
 ”کہاں جا رہی ہو۔ کچھ چاہیے تو مجھے بتاؤ۔“ مریم نے کماؤدہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔  
 ”آج تم بہت خوش لگ رہی ہو۔“  
 ”نہیں تو۔۔۔ میں تو روزی ایسی ہوتی ہوں۔“ مریم ایک دم سنبھلی۔  
 ”ہوں۔۔۔ میں نمالوں۔“ عرشہ چہل پہن کر کھڑی ہو گئی۔  
 ”ہاں تمہاری طبیعت فریش ہو جائے گی۔“  
 ☆ ☆ ☆  
 وہ بہت دنوں بعد رات کو ٹوبان کے کمرے میں آئی۔ ٹوبان کے اندر اطمینان کی لہر اٹھی، مگر اس نے کچھ بھی ظاہر کے بغیر کتاب اٹھالی۔  
 ”ٹوبان! مجھے تم سے بات کرنی ہے؟“ وہ انگلیاں چٹکاتے بہت مضطرب تھی۔  
 ”سن رہا ہوں۔“ وہ آہی گئی تھی تو کچھ خچرے دکھانے میں کیا ہر حال تھا۔  
 ”تم مجھ سے اتنے بدگمان کیوں ہو؟“ آخر میں نے کیا کیا ہے؟“ عرشہ روپائی ہو گئی۔  
 ”تم نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔“ اب وہ عرشہ کے کندھے پر بندوق رکھ کر

پارہا تھا۔  
 ”بس اتنا ہی اعتبار تھا؟“ اس کے لہجے میں دکھ مٹ آیا۔  
 ”اعتبار کی وجہاں خود تم نے نکھیڑی ہیں۔“  
 عرشہ ہنسنے لگی۔ اس کے قریب بیٹھ کر بازو تھامتے ہوئے وہ بلک اٹھی۔  
 ”مت کرو ٹوبان۔۔۔ میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ جس بل میں جذلوں کو سمجھنے کے قابل ہوئی، دل پر تمہارا نام لکھا پایا۔ آج تک تمہیں سوچا، تمہیں چاہا۔ ہر لمحہ تمہاری بن کے گزارا، میری سوچوں پر کسی اور کی پرچھا میں تک نہ بڑی اور نعمان بھائی۔۔۔ بتا نہیں کیوں ان کی نظر بند نہ لگی ہے۔ مجھے نہیں پتا وہ کیا سوچتے اور کیا چاہتے ہیں لیکن میں صرف تمہیں چاہتی ہوں۔ میرا یقین کرو میں تمہارے بغیر مرجاؤں گی۔“  
 وہ ٹوبان کے بازو پر سر رکھ کر رونے لگی۔ ٹوبان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ عرشہ کے لہجے میں اس کے جذلوں کی سمائیاں بول رہی تھیں۔ ٹوبان کا دل اس میں ڈوبنے لگا۔ مگر پھر اس کی غرض اڑے آگئی۔  
 ”یہی تو وقت ہے۔ گرم لوہے پر بس ایک چوٹ اور سب کچھ تمہارے ہاتھ میں۔“ اس کی آستین عرشہ کے آنسوؤں سے جھینکنے لگی تھی۔ جب ٹوبان نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔  
 ”ٹھیک ہے عرشی! میں نے مان لیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔“ عرشہ نے سر اٹھا کر ٹوبان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی کیفیت ڈوبتے مسافر جیسی تھی، جسے نکلے کا سہارا مل گیا ہو۔ ٹوبان نے نظریں چرائیں۔  
 ”آئندہ ایسا مت کرنا ٹوبان! ورنہ میں مرجاؤں گی۔۔۔ وہ نعمان بھائی تو۔۔۔“  
 ”تم جانتی ہو۔۔۔ دل کے آئینے پر چھائی ذرا سی گرد ساری تصویر دھندلا دیتی ہے۔“  
 عرشہ کی سانسیں پھر سے اٹکنے لگیں۔ اس کی حالت اس فقیر جیسی تھی جسے صد اگائے کے بعد انتظار کا کہا گیا ہو اور اب وہ کاسہ پھیلائے دیکھ رہی تھی

کہ دینے والے کی جیب سے اس کے لیے کیا نکلتا ہے۔  
 ”تم کیا چاہتے ہو ٹوبان۔۔۔“  
 ”اپنا مکان مجھے دے دو۔۔۔“  
 عرشہ یک نیک اسے دیکھتی رہ گئی ٹوبان نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے۔  
 ”عرشی! سوچو یہ صرف میرے نہیں، تمہارے بھی مستقبل کا سوال ہے۔ ہم دونوں۔۔۔ اس سے آگے وہ خوش رنگ خواب تھے جو وہ پھولوں کی طرح ہمیشہ سے اس کی راہوں میں بچھاتا آیا تھا۔ عرشہ کو بس ایک لمحے کو احساس ہوا کہ نجانے یہ پھول ہیں یا خواب۔  
 ”جس کے بل پر اتنا اکڑ رہی ہو۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دینے والا سب کچھ بچ کر کھا جائے گا اور خود باہر جا کر عیش کرے گا۔ اس بھول میں مت رہنا کہ وہ تم سے شادی کرے گا۔“  
 عرشہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور زخمی نگاہ سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔  
 ”تمہیں پھر میری محبت کا ثبوت چاہیے؟“  
 ”یہ بات نہیں ہے عرشی! میں اپنے پر اہلم تم سے شیر نہیں کروں گا تو کس سے کروں گا۔“  
 عرشہ سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔  
 ”محبت سوچنے میں اتنا وقت جیتی ہے؟“ ٹوبان نے اکیسایا۔  
 ”نہیں۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی۔ ایک بار اپنی محبت کا ثبوت دیا تو ماں جان سے چلی گئی۔ اب کون اپنی جان سے جائے گا۔“ اس نے بے دردی آنسو گرے۔  
 ”کچھ تو تھا جو کیلئے میں اپنی کی طرح کر گیا تھا۔“  
 ”مجھے اپنی محبت ثابت کرنے کے لیے اور کیا کیا کرنا ہو گا۔ ایک ہی بار بتاؤ۔“  
 ”میں تمہیں فوراً تو نہیں کر رہا۔“ اندر شرمندگی کا احساس کروٹ لینے لگا تھا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ ایک بار اور سہی۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔



”عریشہ! یو آر کرٹ۔“ ٹوبان نے اٹھ کر بے اختیار اسے ساتھ لگتا چلا۔ وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گئی۔

”میں تمہیں اپنا مکان دے رہی ہوں۔ میری محبت ہر آزمائش سے گزری اور سرخرو ہوئی۔ زندگی میں کبھی تمہیں اس مقام سے گزرنا پڑا تو کیا کرو گے؟“ عریشہ نے گھرے گھرے لہجے میں کہا۔

ٹوبان گڑبڑا سا گیا۔ ”اگر عریشہ کو پتا چل جائے تو۔۔۔ تو کیا ہو گا۔ یہ دیوانی سی لڑکی تو پاگل ہو جائے گی یا جان سے گزر جائے گی۔“

عریشہ چلی گئی۔ ٹوبان بدوم سا کرسی پر گر گیا۔ خوشی کے ساتھ اک احساسِ ندامت بھی اسے گھیر رہا تھا۔

\*\*\*

”اچھی طرح چھان بین تو کروالی ہے۔ خاص طور پر لڑکے کے اخلاق و کردار کے بارے میں۔“ نبیلہ اور فاطمہ آئیں۔ آج انہیں لڑکے کو انگوٹھی پہنانے جانا تھا۔

”ہاں لڑکوں نے اچھی طرح چھان پھنگ کر والی تھی، پھر بلوایا تھا۔“ برکت حسین نے غور لٹھے کے سوٹ میں لمبوس بالکل تیار تھے۔ ٹوبان اور حسن کا انتظار تھا جو مٹھالی لینے گئے تھے۔

”اچھی بات ہے۔ مریم کی فکر تو کم ہوئی اب عریشہ کے بارے میں سوچیں۔“ انہوں نے موقع دیکھ کر بات چھیڑ دی۔ حمیدہ بس ایک لمحے کو گڑبڑائیں۔

”اس کے بارے میں کیا سوچنا۔ گھر کی بات ہے۔“ فاطمہ نے گھبرا کر کہا۔

”جب گھر کی بات ہے تو دیر کس بات کی چند لوگوں کو بلا کر نکاح کر دیتے ہیں۔“ برکت اور حمیدہ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے لگے۔ نبیلہ کو حیرت سی ہوئی۔

”کوئی مسئلہ ہے؟“ انہوں نے فاطمہ کو دیکھا۔

”کوئی مسئلہ نہیں چھو پھو۔“ فاطمہ نے ماں کو

ٹھوکا دیا۔ جو اندر ہی اندر جھجھک رہی تھیں۔

”ٹوبان کے باہر جانے سے پہلے نکاح ضروری ہے؟“

”ٹوبان۔۔۔ حمیدہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچیں۔“ پر نعمان بڑا ہے۔

”نعمان تو یہیں پر ہے اس کے لیے اطمینان سے لڑکی ڈھونڈتی رہیں۔“

”نعمان کے لیے لڑکی کیوں ڈھونڈوں۔ میں نے تو ہمیشہ سے عریشہ کو بڑی بہو کے روپ میں دیکھا ہے۔“ انہوں نے بڑی سفاکی اور اطمینان سے جھوٹ بولا۔

نبیلہ تو کچھ کہنا ہی بھول گئیں۔

”مگر جوڑو عریشہ اور ٹوبان کا ہے۔“ انہوں نے پریشانی سے بھائی کو دیکھا۔ وہ غصیل جھانکنے لگے۔

”چند سال کی چھوٹائی بڑائی کیا، پھر ٹوبان تو ابھی شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔ کتا ہے کہ کسی گوری میم سے شادی کروں گا۔“ حمیدہ کو بس ایک منٹ لگا بس کچھ الٹ پلٹ کرنے میں۔

”تو عریشہ نے یہ کیوں کہا؟ اسے غلط فہمی ہوئی ہے یا یہ اس کے ایک طرفہ جذبات ہیں؟“ فاطمہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

”میں دیکھوں، عریشہ تیار ہو گئی۔“

عریشہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے آئینے میں مریم کو دیکھا جو پینک پر نیم دراز سالہ بڑھ رہی تھی۔

عریشہ قصداً خوشگوار موڈ میں اس کی طرف مڑی۔

”میں کسی لگ رہی ہوں؟“

مریم نے رسالے سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

”ہمیشہ کی طرح خوب صورت۔“

”شکریہ۔۔۔“ وہ دوسرے پینک پر بیٹھ کر سینڈل پہننے لگی۔ باہر شور ہو رہا تھا کیونکہ بانو آپا اپنے اہل و عیال کے ساتھ تشریف لے آئی تھیں۔

”مریم! تم خوش تو ہونا۔۔۔؟“ اس نے ہلکے سے خدشے کے ساتھ پوچھا۔

جب کوئی آپشن ہی نہیں تو میں خوش ہوں۔“ مریم نے لاہروانی سے کہا۔ تب ہی فاطمہ آگئی۔

”عریشہ! تیار ہو؟“

”جی بالکل تیار۔“ وہ وہیٹ اوٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”ٹھیک لگ رہی ہوں؟“

فاطمہ نے بے اختیار اسے گھلے لگایا۔ وہ سب مل کر عریشہ کے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔ فاطمہ اس کے جذبات سے اچھی طرح آگاہ تھی۔

”نہیں اس کھیل میں مجھے ساتھ نہیں دینا۔ میں واپسی پر اماں سے بات کروں گی۔ عریشہ کے ساتھ اتنی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔“

اس نے محسوس ارادہ کیا۔ عریشہ اس کے انداز پر حیران تھی۔

”کیا ہوا ابھی؟“

”کچھ نہیں، آؤ دیر ہو رہی ہے۔“ فاطمہ نے ضبط کرتے ہوئے کہا تو دونوں باہر نکل گئیں۔ باہر برکت حسین ابراہیم سے کہہ رہے تھے۔

”ارے بھی تم بھی گھر کا فرد ہی ہو۔ ساتھ چلے چلے۔“

”سارے محلے کو لے چلیں۔“ حمیدہ انہیں خواخوہار نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑبڑائیں۔

”نہیں ماموں۔۔۔! مجھے جھٹھی نہیں ملے گی۔“ اس نے ایک ہلکی سی نگاہ اندر سے آئی عریشہ پر ڈالی اور نظر ہٹا لیا۔

”میں چلتا ہوں۔ رات کو آؤں گا۔“

”زیادہ دیر نہ لگانا، ہم لوگ وقت پر آجائیں گے۔“

برکت حسین نے تاکید کی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ لڑکا اپنی ذہانت اور سعادت مندی کی وجہ سے ان کے دل کے قریب ہونے لگا تھا۔

\*\*\*

مریم نے سنسان گھر پر اک نگاہ دوڑائی۔

”شکر ہے، چند گھنٹوں تو سکون کی ملیں گی۔“

پکن میں جا کر اک بڑا بگ ودھتی کا بنایا۔ کمرے میں آکر اسے کالج بیگ سے ایک موبائل فون نکالا جو سائلنٹ پر تھا اور پینک پر پھسکا مار کر بیٹھ گئی۔ ودھتی کی چسکیاں لیتے موبائل پر کسی کو مس کال دی۔ ایک منٹ کے بعد موبائل گنگنا اُور ”فند کالنگ“ کے الفاظ جگمگانے لگے۔ مریم نے مسکرا کر کال ریسیور کی۔ وہ چھوٹے ہی پوچھنے لگا۔

”خیریت۔۔۔؟“

”کیوں۔۔۔؟“

”بھئی یہ آج ہی رات تو نہیں۔“

”فرضت تھی، تمہاری تھی عمو تم یاد آگئے۔“

”گھر والے کہاں گئے؟“

”میری منگنی کرنے۔“ مریم کا منہ کڑوا ہو گیا۔

”اوہ۔۔۔“ وہ چپ سا ہو گیا۔

”فندا! میں نے تمہارے کنبے پر منگنی کر دیا تو ابھی۔“

لیکن اب بھی تم نے کچھ نہ کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔“ اس نے سنجیدگی سے دھمکی دی۔

”یوں تو نہ کہو۔ کریں گے کچھ نہ کچھ۔ کیوں پریشان ہوتی ہو؟“

”تم لڑکے کے ہر بات کو اتنا لٹکلی کیوں لیتے ہو؟“

”تم لڑکیاں ضرورت سے زیادہ سنجیدہ کیوں ہو جاتی ہو؟“

”کیونکہ ہم لڑکیاں تمہاری طرح ٹائم پاس نہیں کرتیں۔“

”میں ٹائم پاس کر رہا ہوں؟“ فندا کو برا لگا۔

”فندا! یہ لڑکیاں ہم دونوں کی زندگی کا معاملہ ہے۔“

”مریم! میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھا ہوں۔ گھر والوں کو متاؤ رہا ہوں۔“

”اگر وہ نہ مانے تو؟“ مریم کے لہجے میں ہزاروں خدشے تھے۔

”تو ہم گھر سے بھاگ جائیں گے۔“ فندا نے آرام سے کہا۔

”فندا۔۔۔“ وہ بھونچکی رہ گئی۔



”اس کے بعد ہمارے پاس اور کوئی آپشن نہیں بچے گا۔ اچھی کہتا ہوں، حضور! انتظار کر لو۔ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوا جاؤں۔ ہم اپنی زندگی خود بنائیں گے۔“  
 فہد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔  
 ”فہد! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔“  
 ”یہی ہماری زندگی ہے۔ ہم پالنے اور باشعور ہیں۔ اپنے فیصلے خود کر سکتے ہیں۔ میں تو کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ ہماری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔“  
 فہد کے ٹھوس لہجے نے مریم کے اندر توانائی سی بھر دی۔



نبیلہ نے بے حد چونک کر سامنے بیٹھی عریشہ کو دیکھا۔ وہ کلج سے سیدھا ان کے گھر آئی تھی۔ یہ بھی غیبت تھا کہ فاطمہ اور محسن گھر پر نہیں تھے۔

”ٹوبان کو بیسوں کی ضرورت ہے تو۔۔۔“

”ٹوبان کو ضرورت ہے اور تم اپنا گھر اسے دے دو گی۔۔۔ ان لوگوں کی ضرورتیں کہیں رکیں گی یا نہیں؟“

نبیلہ کو تاؤ آگیا۔ ”اور عریشہ! تم کتنی بے وقوف ہو۔ ٹوبان کو ضرورت ہے تم اپنا پورا روے دو گی۔ ٹوبان کو ضرورت ہے تم اپنا گھر دے دو گی۔ ٹوبان تمہیں کب تک سیڑھی بنائے گا۔۔۔ اور جب تم خالی ہو جاؤ گی تب یہ ٹوبان تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔“

اندر آتا ابرار عریشہ کی آواز سن کر رک گیا۔

”پھوپھو! میں یہ سب نہیں جانتی۔۔۔ شروع سے آج تک میں نے اور ٹوبان نے صرف ایک دوسرے کے خواب دیکھے ہیں۔ ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش کی ہے۔ اب اپنی معمولی سی بات کے لیے کیسے دستبردار ہو جاؤں؟“

”عریشہ! تم کچھ نہیں جانتی ہو وہاں فیصلے کچھ اور ہو رہے ہیں۔“ نبیلہ نے بے بسی سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ وہ انہیں بے حد پیاری تھی۔ اپنی تمام تر بے وقوفیوں اور غلطیوں کے باوجود۔۔۔

”مجھے کسی فیصلے سے کوئی سروکار نہیں۔ پھوپھو! وہ مجھ سے دور چلا جائے گا اگر میں مکان اسے دے دوں تو۔۔۔“

”وہ تب بھی تم سے دور چلا جائے گا عریشہ!“ ابرار سے پانہ گیا۔

”تم؟“

”میں جب سے وہاں آنا ہوں میں نے ایک بار بھی اس کی مستقبل کی پلاننگ میں تمہارا ذکر نہیں سنا۔“

”تم۔۔۔ تم ہوتے کون ہو تمہارے ذاتی معاملے میں بولنے والے۔“ عریشہ غصے سے پھنکاری۔

”کوئی نظروں کے سامنے ڈوب رہا ہو تو مجھ میں اتنی انسانیت ہے کہ اسے بچانے کی سعی کروں۔“ ابرار نے مدھم اور ٹھوس انداز میں کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں تمہیں کسی کو بچانے یا انسانیت کا علم بردار بننے کی۔ یہ میرا معاملہ ہے اور کسی ابرے غیرے کو کوئی حق نہیں کہ۔۔۔“ وہ غم غصے سے سلگ اٹھی۔

”تم نے ٹھیک کہا۔ مجھے واقعی کوئی حق نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس شخص میں ذرا بھی وفا نہیں اس کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر مت لگاؤ۔“ وہ جانے کو پلٹا۔

”ابرا۔۔۔“ نبیلہ نے پکارا۔

”خالہ! میں باہر بیٹھا ہوں۔“ ابرار آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

”پھوپھو! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔ میرے لیے دنیا کی کوئی بھی چیز ٹوبان کی محبت سے زیادہ اہم نہیں۔“ وہ نبیلہ کی طرف پلٹی۔ ”آپ کاغذات مجھے دے دیں۔ ٹوبان باہر چلا گیا تو سب کی زندگیاں سنور جائیں گی۔“

نبیلہ کا دل چاہا، کس کے ایک پھنٹے عریشہ کے منہ پر ماریں۔ اپنے اسی اندھے اور احمقانہ پاگل پن کے ہاتھوں وہ ایک بار اپنی ماں کو کھو چکی تھی اور اب پھر بغیر سوچے سمجھے بغیر جانے بوجھے وہی غلطی دوہرائی جا رہی تھی لیکن اب وہ چپ چاپ تماشا تو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

”عریشہ! بیٹھ جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔“ وہ جیسے بادل خواستہ بیٹھی تھی۔

”جانتی ہو عادلہ کبھی بھی تمہاری شادی اس گھر میں نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

عریشہ نے سر اٹھا کر نبیلہ کو دیکھا۔

”کیونکہ وہاں رہنے والے سب لوگ خود غرض اور مطلب پرست ہیں۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کسی بھی رشتے کو آرام سے استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ میرے بھائی کا گھر ہے، مگر کیسی فطرت حمیدہ کی ہے ویسے ہی اس کے بچوں کی۔“

”آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔“ عریشہ الجھ کر بولی۔

”تمہاری آنکھیں کھولنا چاہتی ہوں بے وقوف لڑکی! میں نے حمیدہ اور برکت بھائی سے تمہارے



رشتے کی بات کی تھی۔ جانتی ہوا انہوں نے کیا کہا؟  
ان کے ذرا سے وقفے پر عریشہ کی سانس اٹک گئی۔  
”وہ تو شروع سے ہی عریشہ اور نعمان کے رشتے کا  
سوچے بیٹھی ہیں۔“  
”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟“ عریشہ کے لبوں سے  
بمشکل نکلا۔

”اور یہ بھی۔۔۔“ انہوں نے ایک ہی بار عریشہ کے  
قدموں سے زمین کھینچنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ”کہ ثوبان  
شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔“  
عریشہ کا رنگ خطرناک حد تک پیلا بد گیا۔  
”وہ مکان تمہارا ہے مگر میں اس کے کاغذات ابھی  
تمہیں نہیں دوں گی۔ ثوبان سے کہو اگر وہ تم سے  
مخلص ہے تو پہلے نکاح کرے۔ یہ مکان اسی کو ملے گا“  
جس کی تم سے شادی ہوگی۔“ انہوں نے حتی انداز  
میں کہہ دیا۔ کچھ کہنے کی کوشش میں عریشہ کے لب  
پھر پھڑا کر رہ گئے۔  
وہ بدقت کھڑی ہوئی۔

”وہ لوگ تمہاری محبت کو بار بار آزار ہے ہیں تو تم  
کیوں نہیں۔ یا پھر تم حقیقت کے سامنے آنے سے  
ڈرتی ہو؟“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے پھوپھو! ایسا کچھ نہیں  
ہے۔ ثوبان ایسا نہیں ہے۔“ وہ بیگ اٹھا کر بھاگتی ہوئی  
باہر نکلی۔ کارڈور میں کھڑے ابرار نے پلٹ کر اسے  
دیکھا مگر عریشہ بتا دیکھے اس کے قریب سے ہو کر چلی گئی۔  
اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور اسے صاف کرنے  
کا خیال تک نہیں تھا۔

ابرار نے تاسف سے اسے جاتے دیکھا۔



”سنو! یہ سامان کس کا جا رہا ہے؟“ پک اپ پر جاتا  
سامان دیکھ کر نعمان نے لڑکے سے پوچھا۔  
”ماسٹر صاحب ریٹائر ہو گئے ہیں۔ اس لیے واپس  
اپنے آبائی شہر جا رہے ہیں۔“  
”جا رہے ہیں؟“ اس نے زیر لب دوہرایا۔ نارسائی

کا گہرا احساس وجود میں آنے لگا۔ ”اب بھی  
آتے جاتے کبھی کبھار وہ دکھائی تو دے ہی جاتی تھی مگر  
اب۔۔۔“

وہ دست روی سے چلتا اسٹور کے اندر آگیا مگر سارا  
دن ایک بل بھی قرار نصیب نہ ہوا۔ تب ہی اسٹور  
بند کر کے گھر چلا آیا۔

”خیر تو ہے۔ تو اس وقت۔؟“ برکت حسین نے  
چونک کر پوچھا۔

”سر میں درد تھا۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔  
”چائے بنوا کے پی لے۔ ساتھ میں گولی بھی لے  
لیز۔“

”اچھا۔۔۔“ وہ ماں کو چائے کا کتنے آیا تھا۔ وہاں  
کچھ اور ہی بحث چل رہی تھی۔ وہ دروازے میں ٹھٹک  
گیا۔

”تیری پھوپھی کے پاس ہیں۔ بس پھر تو فاتحہ پڑھ  
لے۔ اب نہیں ملنے کے۔“

”اماں! عریشہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور لے کے  
آئے گی۔“ ثوبان نے کہا۔

”رہنے دے۔ تیری پھوپھی بڑی چالاک عورت  
ہے۔ کبھی نہیں دے گی۔ عرشی لاگہ سرخ لے۔“  
حمیدہ نے کہا۔

”اماں! مجھے نہیں پتا۔ اس مکان کا کچھ کرو۔ مجھے  
بس پیسے چاہئیں۔“

”تو میں کیا کروں، نکلو الے اس سے۔“ وہ بے  
زاری سے بولیں۔

”عریشہ کے مکان کی بات ہو رہی ہے اماں۔!“  
نعمان نے اندر قدم رکھا۔ ایک بل کو دونوں ٹھٹک  
گئے پھر حمیدہ اکتائے ہوئے انداز میں بولیں۔

”ہاں، وہی۔ اسے ویزے کے لیے پیسے جو  
چاہئیں۔“

”سب کچھ اسی بر لٹاتی رہتا۔ باہر چلا گیا تو مڑ کر  
نہیں دیکھے گا۔“ اندر کی کھولن زبان پر آگئی۔  
”میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔ زمین سے اٹھا کر آسمان پر  
لے جائے گا۔“ حمیدہ نے فخر سے کہا تو نعمان کو کچھ اور

تاؤ آگیا۔

”بس اسی خوش فہمی میں رہتا۔ بہر حال اس مکان کو  
بھول جاؤ۔ وہ عریشہ کا ہے۔“ نعمان کے اطمینان سے  
کہنے پر ثوبان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”اور عریشہ۔۔۔ عریشہ کس کی ہے؟“  
”اماں! تم نے بتایا نہیں کہ میری اور عریشہ کی شادی  
ہو رہی ہے۔“ نعمان نے استہانہ انداز میں کہا۔

حمیدہ نے ٹھہرا کر دونوں بیٹوں کو دیکھا جو آنکھوں میں  
آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔  
”تم دونوں احقر ہو۔ ایک معمولی لڑکی کے لیے لڑ  
رہے ہو۔“

”عریشہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔“ ثوبان نے جتنا یا۔  
”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ نعمان نے  
لا پرواہی سے کہا۔

”میں نے کہا۔۔۔ کیوں ایک دوسرے کا گریبان  
پکڑتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں۔“  
حمیدہ نے ڈپٹ کر کہا۔

”تیرے لیے زیادہ ضروری کیا ہے۔ عریشہ یا روپے؟“  
”ظاہر ہے اماں! مجھے رقم چاہیے۔“

باہر کھڑی عریشہ کے وجود کے رہنے اڑ گئے۔ تیز  
رفتار میں اسے روندتی چلی گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا۔  
نہ دل نہ جذبہ۔

نہ وجود نہ اس میں پنپتی خواہشیں۔  
”تو بس ٹھیک ہے۔ چچا کا کاروبار نعمان کے پاس  
ہے۔ مجھے عریشہ سے شادی کرنی ہے۔ بدلے میں  
ثوبان کو اتنی رقم دے دے کہ وہ باہر جا سکے۔ بس اتنی  
سی بات ہے۔“

عریشہ نے پورے زور سے سینے میں انکی سانس کو  
باہر نکالا۔

یہ وہ لوگ تھے جن کی خاطر اس نے اپنی سگی ماں کی  
پروا نہیں کی۔  
وہ ایسے کسی جاگیردار کی طرح جانٹ رہے تھے۔  
یہ تھی اس کی اوقات۔

یہ تھی اس کی حیثیت۔

وہ دروازے کے عین درمیان آکھڑی ہوئی۔ اس کی  
نظروں کے سامنے ثوبان تھا۔  
ثوبان کی نظر عریشہ پر بڑی تو چرے کا رنگ اڑ گیا۔  
اس کے اڑے رنگ نے بانی دو نفوس کو پلٹ کر  
دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

اک تکلیف وہ خاموشی ان کے درمیان کنڈلی مار کر  
بیٹھ گئی۔  
عریشہ لڑکھڑاتے قدموں سے ثوبان کے سامنے آئی۔

”کیوں کیا میرے ساتھ۔ کیا بگاڑا تھا میں نے؟“  
محبت کی تھی۔ تو اس محبت کی اتنی بڑی سزا دے گئے۔  
میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں تھی نہ آج نہ کل۔  
ایک اے لی ایم کارڈ تھی جسے جب دل چاہا پیش کروا  
لیا۔ میں نے تمہاری خاطر اپنی ماں کی نافرمانی کی۔  
تمہاری خاطر اپنی ماں کو مار ڈالا اور تم نے۔“

ثوبان کا بازو عریشہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ دیوانوں کی  
طرح جھوٹتی جھج رہی تھی۔  
”تمہیں صرف پیسہ چاہیے، میں نہیں۔ اتنی  
تذلیل۔ اتنی۔“

”ارے عرشی! بات سن، ہم یہ بات نہیں کر رہے  
تھے ہم تو۔“ حمیدہ سنبل کر آگے بڑھیں۔  
”بس۔“ عریشہ کرنٹ کھا کر ان کی طرف مڑی۔

”آپ کی اصلیت میں نے دیکھ لی۔ میں نے جس  
عورت کو ماں سے بڑھ کر سبھا۔ اس نے ناخن بن کر  
میری خوشیوں کو ڈس لیا۔ تم سب کے سب اتنا کہ  
خود غرض اور ظالم لوگ ہو۔ نفرت ہو گئی ہے مجھے تم  
سب سے۔ مجھے اب یہاں ایک منٹ نہیں رہنا۔  
مجھے تم لوگوں کی شکلیں بھی نہیں دیکھنی۔“

”عرشی! میری بات تو سن۔“ حمیدہ نے پکارا  
مگر وہ دیوانوں کی طرح بھاگتی باہر نکل گئی۔  
کلی سنسان تھی۔ وہ روٹی بھٹی اک دیوار کے  
سائے میں بیٹھ گئی۔  
اس نے عادلہ کو جھٹایا تھا۔



نبیلہ کو غلط کہا تھا۔

عریشہ کے نزدیک یہ لوگ سچے تھے۔ اس کے اپنے تھے اس کے لڑاؤ اٹھاتے ناز خیز دیکھتے یہ لوگ اپنے خود غرض اور ظالم بھی ہو سکتے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ مٹھیاں بھی بچھتی بچھتی کر رونے لگی۔

تب ہی وہ آہستہ سے اس کے قریب آکر بیٹھا۔  
”ماتا دکھ بہت برا ہے۔۔۔ مگر خود کو دنیا کے سامنے تماشامت بناؤ۔“

”تماشا تو میں بن گئی۔ اپنی ہی بھول کے ہاتھوں خود ہی تماشابن گئی۔“

”میں رونے سے نہیں روک رہا مگر یہ جگہ مناسب نہیں، اٹھو ہمت کرو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔“ ابرار نے رسانیت سے کہا۔

”میرا کوئی نہیں ہے۔“

”زندگی اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی عریشہ! اٹھ جاؤ۔“ اس نے نرمی سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

”میری تو ہو گئی۔“ وہ بزدلی۔

”دوڑو! دوڑو! لوسو۔“

دوڑتے اوڑھتے ہوئے عریشہ نے سامنے کھڑے شخص کو پہچاننے کی سعی کی۔ وہ بالکل غائب دماغ تھی۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”خالہ نبیلہ کے گھر۔“

\*\*\*

وہ اتنی چپ تھی کہ کبھی کبھی نبیلہ کو خوف آنے لگتا۔ وہ اسے بھلانے کی پوری کوشش کرتی مگر یہ بھی جانتی تھیں کہ عریشہ کو اپنی جنگ خود لڑنا ہوگی۔

فاطمہ الگ نظریں چائے رہتی۔ حالانکہ کسی نے اسے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

نبیلہ نے کمرے میں جھانکا۔ وہ دونوں بازوؤں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ نبیلہ نے تأسف سے سر جھٹکا۔

وہ آج وہی تکلیف اٹھا رہی تھی جو عادلہ نے اس کے ہاتھوں اٹھائی۔

مان اور اعتبار ٹوٹنے کی تکلیف۔

کوئی آپ کو جان سے بھی پیارا ہو۔۔۔ مگر وہ کاوے جائے تو حالت ایسی ہوتی ہے۔

”عرشی! نبیلہ آہستہ سے اس کے پاس بیٹھیں۔“

”بیٹا! خود کو سنبھالو۔ کب تک اس طرح بیٹھی رہو گی۔ یہ سب اسی طرح ہوتا تھا۔ خدا کا شکر کرو کہ تمہاری زندگی برباد ہونے سے بچ گئی۔“

اور نیت بروقت کھل کر سامنے آگئی۔ خدا کا شکر ادا کرو، تم کسی بڑے نقصان سے بچ گئی ہو۔“

”ابھی کوئی نقصان ہوتا یا نہیں تھا پھوپھو۔۔۔ میں نے سب کچھ تو کھو دیا۔“ وہ سر اٹھا کر ہارے ہوئے انداز میں بولی۔

”نہیں بچے۔“ نبیلہ نے اس کی پیشانی چومی۔

”اس طرح حمت سوچو۔ ابھی تو تمہاری پوری زندگی باقی ہے۔“

”تم عادلہ کی بیٹی ہو اور وہ بہت باہمت تھی۔“

”ماں کے ذکر پر عریشہ کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں۔ تب ہی فاطمہ چلی آئی اور جھجکتے ہوئے بولی۔

”چھوپھو! اماں اور ابا آئے ہیں۔“

”اچھا۔۔۔ ان میں ہمت ہے میرا سامنا کرنے کی۔“

عریشہ زہر خند لہجے میں بولی۔

”عرشی! وہ تم سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔“

”ہاں ابھی ان کا مطلب نہیں نکلا اس لیے۔“

فاطمہ شرمندہ ہو کر انگلیاں پچھانے لگی۔

”چھوپھو! میں ان میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی اور۔۔۔ چند دنوں میں وہ میرا مکان خالی کر وادیں۔“

اور رہی بات دکانوں کی تو نعمان کو ان کا قبضہ چھوڑنا پڑے گا، ورنہ میں کیس کر دوں گی۔“ وہ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔

”ریلیکس ہو جاؤ۔ میں ان سے بات کرتی ہوں۔“

چھوپھو اسے تسلی دے کر چلی گئیں۔ اس نے پھر سے کھٹنوں میں سر جھٹکایا۔

فاطمہ کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی پھر چلی گئی۔

\*\*\*

سوائے برکت حسین کے جو غصے میں گھر سے نکل گئے تھے۔ بقول ان کے سارا قصور حمیدہ کا تھا۔

”فطو! ایک اور سیپا۔۔۔“ حمیدہ نے تأسف سے ہاتھ ملے۔

”آپ اس سے بات تو کرتیں۔“ ثوبان جھنجھلا کر بولا۔

”عریشہ بھی ہاتھ سے لگی اور پیسوں کی آس بھی۔“

جھنجھلاہٹ اور شرمندگی الگ۔

”کیا بات کرتی۔ وہ تو میرے سامنے ہی نہیں آئی۔“

النا تیری پھوپھی راج کے میری بے عزتی کر کے گئی۔۔۔

اور وہ تیرا پاپا ہاتھ جوڑ جوڑ کے بہن سے معافی مانگ رہا تھا۔۔۔ کرو گھل ساری زندگی اسے کیلچے سے لگا کے رکھا۔ اپنی اولاد سے زیادہ اس کے خچے دیکھے۔ اور صلہ ملا یہ کہ ٹھیکہ دکھا کے پھوپھی کے گھر چلی گئی۔

کتنی ہے کیس کروں گی؟ کسی کی شہرہ ہے پھوپھی کی نا؟

اوپر سے وہ فاطمہ الگ ہم سے منہ پھلانی بیٹھی ہے۔

نعمان دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے گہری سوچ میں تھا۔

ثوبان نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور بدلائی سے بولا۔

”یہ سب اس کا قصور ہے۔ کیوں درمیان میں آیا۔“

سارا اٹھیل لگا ڈوبا۔

نعمان نے شرر بار نگاہوں سے چھوٹے بھائی کو گھورا۔ اس کے منہ کا نوالہ کھانے والا آج اسی کے منہ کو آ رہا تھا۔

”مکان تو مکان، دکانیں بھی گئیں۔ اب کرے عیش۔“

”میری دکانوں کی فکر مت کر۔ اپنے وزرے کے پیسے جمع کر۔“ نعمان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

”میرے پاس بہت آپشن ہیں۔ تم سوچو، کہاں کہاں مزدوری ملے گی۔“ ثوبان نے مذاق اڑایا۔

”مجھے کیا خزانہ مل گیا ہے یا اپنی نوکری پر اکتا رہا ہے؟“

فائدہ ہوا ہے تو وہ میں ہوں۔“ وہ سننے پر انگلی رکھ کر ہنسا۔ حمیدہ اور نعمان نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”میرا رستہ کلیئر ہو گیا۔ ایک فیصلہ کرنے میں دشواری تھی۔ وہ بھی دور ہوئی۔ اماں! میں سنیعہ سے شادی کر رہا ہوں۔“

”سنیعہ کون؟“ حمیدہ نے چونک کر پوچھا۔

”سنیعہ وہ میٹھی ہے۔۔۔ جس پر چڑھ کر میں آسمان چھو سکتا ہوں۔“ وہ ہنس دیا۔

نعمان ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔

خسارہ پھر اس کے حصے میں آگیا۔ یہ احساس ناقابل برداشت تھا۔

\*\*\*

دروازے کا ایک پٹ تو کھلا تھا، دوسرا بڑے زور سے کھلا۔ دھاتی آواز پر جو لہا لپٹی جیلہ نے سر اٹھا کے دیکھا۔ بشری تھی۔۔۔ بشری کا آنا اتنے اچھے کی بات نہ تھی۔ ایک ہی گاؤں میں ہونے کی وجہ سے وہ اکثر حللی آتی تھی، قیمتی کپڑوں پہ سارے زور پر چھائے صحن میں اٹھلائی پھرتی۔ ایسے میں کبریٰ کے انداز ہی کچھ اور ہوتے۔۔۔ ماں بیٹی کی باتیں، حرکتیں، فخریہ لہجہ جیلہ کو باور کروانا کہ دیکھو اگر تم نے بشری کو ہوس نہیں بنایا تو خسارے میں جیلہ رہی ہے۔۔۔ بشری نہیں لیکن آج بشری کا حلیہ بتاتا تھا کہ ابتدا کی دنوں کے چوچلے ختم ہوئے۔

”بشری خیر تو ہے۔۔۔ ساتھ میں کون ہے؟“ جیلہ نے متفکر انداز میں پوچھا۔

”کوئی نہیں۔“ وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔ تب ہی اندر سے کبریٰ نکلی اور بشری کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

”تو؟“

”ایسا۔۔۔“ بشری غالباً ماں کے گلے لگ کر رونا چاہتی تھی مگر گلے لگنے سے پہلے ہی کبریٰ نے اسے بازو سے دبوچا اور چور نظروں سے جیلہ کو دیکھتی اسے اندر دھکیل لے گئی۔

جیلہ اک طویل سانس لے کر پھر جو لہا لینے لگی۔

”خزانہ ہی سمجھ لو۔ اس پورے قصبے میں اگر کسی کو

خواتین ڈائجسٹ 143 جون 2012

خواتین ڈائجسٹ 142 جون 2012

سب کے سب کمرے میں سر پکڑے بیٹھے تھے۔



وہ بڑے صبر کے ساتھ اپنے اچھے دنوں کا انتظار کر رہی تھی۔ ابرار کی سسر میں کامیابی اس کا حوصلہ بڑھا دیتی۔ ابرار نے اسے سستا سا موبائل لا دیا تھا۔ اب بیٹے سے بات کرنے کے لیے اسے ماسٹر صاحب کے گھر نہ جانا پڑا۔ بس عشاء کی نماز کے بعد موبائل ہاتھ میں لے کر ٹکنگلی باندھ کر دیکھا کرتی۔ دوسرے موبائل پر تیل ہوتی۔ دوسرا اس کے سارے دن کی تھکن بیٹے کی آواز سننے کا سوچ کر ہی اڑ چھو ہو جاتی۔ ماسٹر صاحب نے اسے یہ بھی سکھا دیا تھا کہ اسے چارج کیسے کیا جاتا ہے۔

جیلہ نے سراٹھا کر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔  
 ”اب پڑھائے گی اسے انٹی سیدھی پٹیاں۔ اللہ ہی خیر کرے۔“  
 اندر کبریٰ اسے لتا رہی تھی۔  
 ”تو نے اپنا حال کیا کیا ہے نہ ڈھنگ کے کپڑے، نہ زیور۔ تو کیا پٹیاں (اپنے) تھاتی اٹھ کر آئی ہے دشمنوں کے کالج پر ٹھنڈ ڈالنے کو۔“  
 ”یہی سمجھ لے ماں! اپنا اصل دکھانے لگے ہیں۔ سارا دن ڈنگروں کی طرح کام کرو۔ راضی پھر بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اور میری سکس (ساز) کی زبان دیکھی ہے۔ سنہنی جیسی ہے زہر سے بھری۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”ماں! اکبر کچھ نہیں بولتا؟“  
 ”بولتا ہے اپنی ماں کی زبان۔“ بشری جل کر بولی۔  
 ”نہ کچھ دکھانہ سوچا۔ بیج دیا اس جنم میں۔“  
 ”اچھا جیسا بول۔ وہ سن لے گی تو کیا عزت رہ جائے گی۔“ کبریٰ نے مدھم آواز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔  
 ”جو مرضی نے، میری بلا۔ میں نے نہیں اب جانا۔“ وہ پھر سکڑا مار کے چارپائی پر بیٹھ گئی۔  
 ”اچھا زیادہ بک بک نہ کر، تیرا باپ آتا ہے تو کرتی ہوں بات۔ اکبر کے کوہلا کے سمجھائے۔“  
 ”وہ نہیں کچھ سنے گا۔ ماں کا مرید ہے۔“ بشری

نے تڑپ کر کہا، پھر تاسف سے ہاتھ ملے۔  
 ”کیا تھا جو میری شادی بلو سے ہی ہو جاتی۔ اتنے سیارے تو نہ ہوتے۔“  
 ”زبان اندر کر لے بے غیرتے۔ کوئی سن نہ لے۔“  
 ”مستنا ہے تو سنے۔!“  
 کبریٰ بے بسی سے دانت پیستے اسے دیکھ کر رہ گئی۔



پھوپھو کے بے حد سمجھانے پر وہ کالج جانے پر آمادہ ہوئی۔ دل تو پیسے مری گیا ہے۔ صرف ان کی تسلی کے لیے چلی آئی۔ مریم اسے دیکھتے ہی لپک کر قریب آئی۔ عریشہ باہل ناخواستہ رکی۔ وہ اس پر پورے گھر میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔  
 عریشہ! تم ٹھیک تو ہو۔“

”زندہ ہوں، اس لیے ٹھیک بھی ہوں۔ ورنہ تمہارے گھر والوں نے کوئی کسرنہ چھوڑی تھی۔“ کبریٰ تو روم روم میں بسی تھی۔ پھر زبان پر کیسے نہ آئی۔ مریم نے تادم ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا۔  
 ”میں بہت شرمندہ ہوں عرشی۔ ہم نے۔“  
 ”کیا وہ بھی شرمندہ ہے؟“ اندر کہیں ہلکی سی امید تھی۔ شاید اسے دکھ دے کر اسے دھوکا دے کر وہ بھی پشیمان ہو۔ مریم نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔  
 ”وہ پتھروں کا دیس ہے عرشی! وہاں آئینہ سے دل کرچی کرچی ہی ہوتے ہیں۔“

”تم نے ٹھیک کہا۔ پتھروں سے سر میں نے پھوڑا تھا، کسی کا کیا دوش۔“ عریشہ کے گلے میں پھندا سا بڑ گیا۔ سر کلاس میں آگئے تھے۔ سارا دن عریشہ نے کتابوں پر بکھرے حروف پر نظریں جملے گزار دیا۔  
 نعمان کو غالباً ”مریم کی زبانی ہی پتا چلا تھا کہ عریشہ کالج جانے لگی ہے۔“  
 چھٹی کے بعد وہ تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔ جب بایک اس کے پاس آگئی۔ عریشہ نے بے خیالی میں دیکھا پھر یکدم ٹھٹک گئی۔

”آپ۔۔۔“  
 ”بیٹھو، تمہیں گھر تک چھوڑ دوں۔“ نعمان نے نرم لہجے میں کہا۔  
 ”ضرورت نہیں، میں جا سکتی ہوں۔“ اس نے ساٹ لہجے میں کہا۔  
 ”خدا کیوں کر رہی ہو۔ چلو نا میں اسی طرف جا رہا ہوں۔“

”آپ جس طرف مرضی جائیں، میرا رستہ کیوں روک رہے ہیں؟“ وہ ترخ کر بولی۔  
 ”عریشہ! بد تمیزی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پورے قصے میں میرا کیا قصور؟ دھوکا تمہیں ٹوہان نے دیا، میں نے تو نہیں۔ میں تو یہ جاننے ہوئے بھی کہ تمہارے دل میں ٹوہان ہے۔ میں تم سے شادی کو تیار تھا۔“

مارے غصے کے عریشہ کا پورا وجود کانپ کانپ گیا۔  
 ”ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جائیں۔ ورنہ میں شور مچا دوں گی۔“  
 ”حد ہوتی ہے ہٹ دھرمی کی۔“ نعمان کو غصہ آیا۔  
 عریشہ نے جواب نہیں دیا۔ بس تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف بڑھ گئی۔ نعمان نے پیچھے آنے کی غلطی نہیں کی۔ بس لب پیچھے اسے جاتے دیکھتا رہا۔



”بس بلو! کیا بتاؤں۔۔۔“ جیلہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ اس وقت چھت پر کھلی فضا میں کھڑی چارپائی پر بیٹھی تھی کہ نیچے عمو ”سنگل نہیں آتے تھے۔“  
 ”ہر جو تھوے دن یا تو وہ خود آجاتی ہے یا اکبر گھر سے نکال دیتا ہے۔“ اصغر اور کبریاں کی فینڈیں حرام ہو گئی ہیں۔  
 کیسی ان کی لاڈلی تھی۔ اب دیکھو تو پہچانے نہ تو۔“  
 ”اماں! بس کریں۔ اس کی اپنی زبان بھی خاصی لمبی ہے۔ دو بدو مقابلہ کرتی ہوگی۔“ حاجی کے لاڈ نے ہی اسے لگا ڈالا ہے۔ کسی بڑے چھوٹے کی تمیز سکھائی ہوئی تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ ”ابرار نے آکٹا ہٹ سے کہا۔“

”تیری بات بھی ٹھیک ہے۔ پر وہ بڑے ڈھاڈے لوگ ہیں۔ بشری کی وال نہیں گنتی اور یہ کبریاں یہ بھی میرے آگے ہی شیر ہے۔ چوہدرائیں کے آگے اس کی بوتلی بھی بند ہو جاتی ہے۔“ اصغر گیا تھا بات کرنے، چوہدری یاسین نے صاف کہہ دیا۔ بیٹی بسانی ہے تان آئندہ شکایتیں لے کر نہ آتا۔ کیا کرنا آئندہ جھکا کے چلا آیا۔۔۔“

”اوپے لوگوں سے رشتہ کرنے کا یہی انجام ہوتا تھا۔۔۔ چلیں چھوڑیں یہ بتائیں! آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے ناں۔“ ابرار نے بات بدل دی۔  
 ”میں بالکل ٹھیک ہوں پتہ! بس تیری راہ دیکھ رہی ہوں۔“

”ان شاء اللہ! جب کسی قابل ہو جاؤں گا تو آپ کو لینے آؤں گا۔ اس سے پہلے میں نے گاؤں میں قدم نہیں رکھنا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے اماں!“ اس نے مصمم ارادے سے کہا۔  
 ”ماں کو کس بات کی سزا ہے۔ اپنی شکل تان دکھا جا۔“  
 ”میری اچھی ماں! بس تھوڑا سا صبر اور۔۔۔“ ابرار نے بچوں کی طرح پچکارا۔  
 ”بس ماں کو اسی طرح لارے لے لگا تارہ۔“ جیلہ ناراضی سے بولی تو ابرار نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں لگا لیا۔



”فاطمہ آئی۔۔۔“ عریشہ کچن میں آئی۔ فاطمہ ہنڈیا بھون رہی تھی۔ مڑ کر دیکھنے لگی۔ ”نعمان سے کہہ دیں۔ میرے رستے میں نہ آیا کرے ورنہ بہت برا ہو گا۔“  
 ”نعمان۔۔۔“ فاطمہ نے حیرت سے دوہرایا۔  
 ”ہر روز میرے کالج کے راستے میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں نے آج تک جتنی مہربانیاں ان لوگوں کے ساتھ کرنی تھیں، گر چکی۔ اب مزید کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“



”کیا ہوا عرشی۔۔۔؟“ محسن اس کی تیز آواز سن کر اندر آگیا۔  
 فاطمہ گھبرا گئی۔ اس کے گھر والوں کا کیا اس کے سامنے بھی آسکتا تھا۔  
 ”کچھ نہیں محسن بھائی! پانی پینے آئی تھی۔۔۔“  
 عریشہ نے ٹالنا چاہا۔  
 محسن نے ایک نظروں کو دیکھا۔  
 ”بات کچھ اور ہو رہی تھی۔“  
 فاطمہ چاہتی تھی۔ بات محسن کے سامنے نہ ہو مگر عریشہ میں اتنا ضبط کہاں؟ محسن کے ذرا سے اصرار پر پھٹ پڑی۔

”ہر روز میرا رستہ روک لیتے ہیں کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ کیا مجھے نہیں معلوم کہ وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔ وکانوں کلاچ ہے۔۔۔ مگر میں اب ان کے پاس ایک پھولی کوڑی نہیں چھوڑوں گی۔۔۔ سب کچھ نکلوا کے رہوں گی۔۔۔ اور فاطمہ آپ! انہیں اچھی طرح سمجھا دیں۔۔۔ ورنہ اگر میں نے سمجھایا تو تماشا پورا زمانہ دیکھے گا۔“  
 فاطمہ کا رنگ فق ہو گیا۔

محسن نے اپنا ہاتھ عریشہ کے سر پر رکھ کر سنجیدگی سے فاطمہ کو دیکھا۔  
 ”کھانا بنا لو تو میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔۔۔ آج ہی بات کرو۔ عریشہ ہمارے گھر میں رہتی ہے۔ ہماری ذمہ داری بھی ہے اور عزت بھی۔۔۔ میں کوئی اونچ نیچ برداشت نہیں کروں گا۔“

”جی۔“ فاطمہ نے دزدیدہ نگاہوں سے عریشہ کو دیکھا۔ کیا تھا جو وہ ذرا دیر کو خاموش رہتی۔ اسے عریشہ سے ہمدردی سے زیادہ غصہ آنے لگا۔ محسن عریشہ کو لے گیا۔ وہ اپنے اندر اٹھتے شرمندگی کے گہرے احساس کو دبائے کی کوشش میں جھنجھلائے لگی۔



”بس کرویں خدا کے لیے۔۔۔ اور مجھے سسرال میں کتنا ذلیل کروائیں گے۔۔۔ آپ کو اپنا خیال تو ہے

نہیں، کم از کم میرا خیال ہی کر لیں۔“  
 آج تک اس گھر میں کسی نے فاطمہ کی بلند آواز نہیں سنی تھی۔ مگر آج وہ چیخ رہی تھی۔ کھانا کھاتے اہل خانہ نے نوالے واپس رکھ دیے۔  
 ”کیا ہوا فاطمہ! یہ آتے ہی کیا واویلا مچا رہا ہے۔۔۔ تیری ساس نے کوئی نئی پھلجھڑی چھوڑی ہے۔“ حمیدہ نے پوچھا اور پوچھنے کا انداز ایسا تھا کہ اسے مزید غصہ آ گیا۔

”پھلجھڑیاں وہاں سے نہیں۔۔۔ یہاں سے چھوٹی ہیں۔۔۔ اور ذلیل ہو رہی ہوں میں۔“

”بیٹھ جا بیٹھ جا، یہ سب تیری ماں کے قصور ہیں۔ اسی کے کروتوت ہیں۔ جو آج اولاد کے سامنے آ رہے ہیں۔“ برکت حسین نے گھورا۔

”اب مجھے گھسیٹ لے۔۔۔ اس ملک میں جہاں جہاں ہم پھٹ رہے ہیں۔ حمیدہ ہی تو چلا رہی ہے۔ تو کیوں سر پر کھڑی ہے۔ بیٹھ کر تیر چلا لے، جو بھی چلانے ہیں۔“ وہ بات کرتے کرتے فاطمہ کی طرف مڑیں، جو اب نعمان کو دیکھ رہی تھی۔  
 نعمان نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔

”اور آپ۔۔۔ کیا نظر آتا ہے اس عریشہ میں، جو سارے کے سارے اسی کے گرد چکرارے ہیں۔۔۔ دنیا کی ساری لڑکیاں مرگئی ہیں۔ کیوں اس کے پیچھے جاتے ہیں؟“ وہ پہلی بار بڑے بھائی کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

”مجھے کیا ضرورت ہے اس کے پیچھے جانے کی۔“ وہ سب سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔

”تو کیا عریشہ جھوٹ بول رہی ہے؟“  
 ”تو اس کے پیچھے کیا لینے گیا تھا؟“ برکت حسین نے غصے سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ بے زاری سے کھڑا ہوا۔

اس نے کھر جا کے اچھا خاصہ واویلا کیا ہے۔ محسن نے سو باتیں مجھے سنا دیں۔ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اب وہ جس گھر میں رہتی ہے۔ وہ گھر میرا سسرال ہے۔ وہ بیٹھ کر رونے لگ گئی۔



”دیکھ لوں گا اس کو بھی۔“ نعمان کو غصہ آگیا۔  
 ”اسے کیا دیکھیں گے۔ اسے ذرا سی آج بھی آئی تو  
 میں گھر سے باہر ہوں گی۔“  
 ”اے ہے۔۔۔ ایسے کیسے ہوگی؟“ حمیدہ چمک کر  
 بولیں۔

”بس کر دیں اماں!“ فاطمہ نے دونوں ہاتھ جوڑ  
 دیے۔ ”آج تک اس گھر میں جو کچھ ہو گیا۔ وہی کافی  
 ہے۔ اب اور کچھ نہیں ورنہ یہ فاطمہ اجڑ جائے گی۔“  
 وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حمیدہ اور برکت ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔  
 نعمان غصے اور شرمندگی میں گھرا ہوا نکل گیا۔  
 ”اماں! ابابست تمنا ہے ہو چکے اب ان دونوں کو  
 سمجھائیں۔ ساری بات ختم کریں۔ نہ عریشہ کے پیچھے  
 جائیں۔ وہ اب ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی اس گھر کا  
 نام بھی نہیں سننا چاہتی۔“  
 فاطمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”اپنی اولاد کے منہ سے نوالے چھین کر اس کے  
 منہ میں دیتی رہی ہوں۔ اب یہی صلہ دے گی۔“ حمیدہ  
 تلملا لیں۔

”نیک نیتی اور خلوص سے کیا ہوتا تو وہ اپنی جان بھی  
 دے دیتی مگر آپ نے تو لالچ میں آکر۔“ فاطمہ کا جملہ  
 پورا ہونے سے پہلے ہی حمیدہ تڑپ کر اٹھیں۔

”ہاں! میں لالچی ہوں۔۔۔ تیرے بھائیوں کا فائدہ  
 دیکھا تھا۔ اپنی قبر میں نہیں لے جاتا تھا سارا کچھ۔ آگئی  
 ہے مجھے بائیں سانے۔“

”اماں! آپ کو اب بھی اپنی غلطی کا احساس نہیں؟“  
 فاطمہ نے حیرت دینے لینی سے ماں کو دیکھا۔  
 ”اولاد کا فائدہ دیکھنا غلط ہی ہے؟“

”اولاد کا فائدہ دیکھنا غلطی نہیں۔ دوسروں کا حق  
 چھیننا غلطی بھی ہے اور گناہ بھی۔“

”ہاں پر بھی لکھی ساس کے ساتھ رہ کے تو توملانی  
 ہی بنے گی۔۔۔ بخوشی بی ایمان لیا، سارے قصور ہمارے  
 تھے۔“ وہ دونوں ہاتھ زور سے جوڑ کر چپل گھٹی اندر  
 چلی گئیں۔

فاطمہ نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔  
 ”اس کی عقل الٹی ہے۔۔۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“  
 برکت حسین نے گویا نیکی کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

”سب آپ کا قصور ہے اماں!“  
 ”لو میرا کیوں؟“ وہ گڑبڑائے۔  
 ”اپس کے جھگڑوں میں آپ لوگوں نے دیکھا ہی  
 نہیں کہ اولاد کا کیا بن رہا ہے۔ اباب نعمان کو سمجھائیں  
 ورنہ کچھ برا ہو جائے گا۔“

”میں سمجھاؤں گا۔۔۔ تو فکر نہ کر۔“ برکت حسین  
 نے فاطمہ کا سر تھپتھپایا۔ حالانکہ ان کے اپنے لہجے  
 میں بھی یقین نہ تھا۔

”یہ تو بان اور مریم کہاں ہیں۔۔۔؟“ فاطمہ کو اب جا  
 کر ان کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

”مریم تو ادھر کہیں ہوگی۔ رہ گیا تو بان تو اللہ جانے  
 کن ہواؤں میں ہے۔۔۔ مجھے تو کبھی رک کر سلام  
 کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔ ایسی ناخبر اولاد ہے  
 کہ کیا بتاؤں۔“

”اولاد کی تربیت نہ ہو تو ایسی ہی ناخبر اور ناخلف  
 ہو جاتی ہے۔“ فاطمہ زیر لب بڑبڑاتی۔

ابراہیم نے کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹا کر تو بان کو  
 دیکھا۔ وہ صاف ستھرے جیلے اور فریش موڈ میں گنگنا تا  
 خود پر پیغمبر جھڑک رہا تھا۔ ابراہیم نے دوبارہ اپنے کام کی

طرف متوجہ ہونا چاہا مگر دل میں اک کھٹک سی ہونے  
 لگی۔ شاید وہ تو بان کو اتنا مطمئن اور خوش دیکھتا نہیں  
 چاہتا تھا۔ اس نے عریشہ کو جس دگرگوں حالت میں

خالہ کے گھر پہنچایا تھا۔ اس کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔  
 ”کیا بات ہے تو بان بھائی! آج بہت خوش لگ رہے  
 ہیں۔“

”ہم تو ہمیشہ ہی خوش رہتے ہیں بیٹا!۔“  
 ”اچھا۔“ ابراہیم ایک لحظہ چپ رہا۔ ”محبت کھو کر  
 بھی انسان اتنا ہی خوش اور مطمئن رہتا ہے جتنا کہ آپ؟“

ابراہیم نے دونوں ہاتھ سر کی پشت پر باندھ کر ٹیک  
 لگا لی۔  
 ”تو بات یہ ہے تو بان برکت حسین کہ تمہیں عریشہ  
 سے محبت تھی ہی نہیں۔“

کچھ ماہ دھیرے سے کھک گئے۔ زخم مندمل نہیں  
 ہوا تھا۔ بس اپنے اندر اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے  
 امتحانوں میں مصروف ہو گئی۔ اس کے بعد نعمان کبھی

اس کے راتے میں نہیں آیا۔۔۔ حسن نے امتحانوں  
 کے بعد کا عرصہ بھی اسے فارغ نہیں رہنے دیا۔ اس  
 کے لیے سب سے اچھی چیز مصروفیت تھی۔ سو کمپیوٹر

کورس بر لگایا۔ رزلٹ آیا تو اس کے لاکھ انکار کرنے  
 پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے دیا۔ جبکہ مریم نے اسکول  
 میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

سنہدہ کی امریکہ سے واپسی میں توں پر چلی گئی مگر  
 تو بان مطمئن تھا۔ وہ پہلے سے بڑھ کر آس و رک پر  
 توجہ دیتا۔۔۔ آخر اس کے باپ کو بھی متاثر نہ تھا۔

”کہاں چلیں؟“ مریم کے بائیک پر بیٹھتی ہی فہم نے  
 پوچھا۔

”یہاں سے تو چلو۔ کسی ٹیچر نے دیکھ لیا تو مصیبت  
 آجائے گی۔“ مریم نے دوپٹے سے چہرہ چھپاتے ہوئے  
 کہا تو فہم نے بائیک اشارت کر لی۔

”کسی پارک میں چلیں۔؟“ اسکول دور رہ گیا تھا۔  
 اب وہ سکون سے بیٹھی تھی۔

”نہیں لوگ گھورتے رہتے ہیں۔ کسی کی نظر پڑ گئی  
 تو خواہ مخواہ مصیبت پہنچائے گی۔“

”تم کچھ زیادہ ڈرو پوک نہیں ہو گئیں؟“  
 ”تمہاری بہادری بھی دیکھی ہے۔ کسی ریسٹورنٹ  
 کے فیملی کیمین میں چلتے ہیں۔“

”لیکن میری جیب خالی ہے۔“  
 ”ہمیشہ کی طرح۔۔۔“  
 ”یار! کیا کروں۔ ابو ساری تنخواہ بنور لیتے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ تو بان نے مڑ کر اسے دیکھا۔  
 ”کچھ نہیں میں شاید پرستل ہو رہا ہوں۔“  
 ”نہیں۔۔۔ جو تمہارے دل میں ہے پوچھ لو۔“ وہ

اس کے قریب آیا۔  
 ”آپ کو عریشہ سے محبت تھی؟“ ابراہیم نے پوچھ ہی  
 ڈالا۔ یہی سوال تھا جو اس کے ذہن میں کلنے کی طرح

چبھ رہا تھا۔  
 ”ہاں۔“ تو بان نے بغیر تامل کے جواب دیا۔  
 ابراہیم نے اٹھ کر اسے دیکھا۔

”یہ کیسی محبت تھی؟“  
 ”ارے۔۔۔ تم کیا وہ لیلیٰ مجنوں جیسی محبت ڈھونڈ  
 رہے ہو۔۔۔ برادر! وہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

”آج کل وہ محبت کہیں نہیں ملتی۔ وہ اچھی لگتی  
 تھی۔ حالات سازگار ہوتے تو شاید شادی بھی کر لیتا مگر  
 میرے نزدیک وہ اتنی اہم بھی نہیں کہ چلی گئی تو میں

مجنوں بن جاؤں۔ یوں بھی ہم ایک پر اکٹفا کرنے کے  
 قائل نہیں۔ وہ بھی اس صورت میں جب اس سے بہتر  
 اور شاندار پرہیز دل سامنے ہو۔“

”آپ کا مطلب ہے سنہدہ۔۔۔؟“  
 ”تم اسے جانتے ہو۔۔۔؟“ تو بان چونکا۔  
 ”انتا نہیں جتنا آپ جانتے ہیں۔۔۔“ ابراہیم کالج

طنز پر ہو گیا۔  
 ”اب اور بھی جان جاؤں گا۔ اس وقت ملک سے  
 باہر ہے۔ واپس آئے گی تو دیکھنا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر

یوں اوپر جاؤں گا۔“ اس نے ہاتھ کو جماڑی طرح  
 اڑایا۔  
 ”دھیان سے! کٹر کریش بھی ہو جاتے ہیں۔“

ابراہیم نے اس کے ہاتھ کے تعاقب میں دیکھا۔  
 ”ڈونٹ ڈری۔۔۔ نہیں ہو گا۔“ وہ کندھا تھپتھپا کر  
 سیدھا ہوا۔

”اوکے ایسٹ آف لک۔۔۔“ اس نے بے حد  
 اوریبل دل سے کہا۔  
 ”تو بان! اس کر چلا گیا۔“



بیوٹی بکس کا تیار کردہ

# سوہنی ہیرائل

SOHNI HAIR OIL

- گرے ہونے والوں کو روکتا ہے
- سے بال اکاٹا ہے
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے
- کیاں مفید
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے



قیمت = 100 روپے

**سوہنی ہیرائل** 12 جری بوتلیں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تجویزی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دتی خرید جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف = 100 روپے ہے، دوسرے شہروں والے سنی آڈر بھی کر جڑوا پارسل سے منگوائیں، رجسٹری سے منگوانے والے سنی آڈر اس حساب سے بھیجائیں۔

2 بوتلوں کے لئے = 250 روپے  
3 بوتلوں کے لئے = 350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکیج چارج شامل ہیں۔

منی آڈر بھجئے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53- اورنگزیب مارکیٹ، سیکٹر فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی  
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی بیوٹی آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53- اورنگزیب مارکیٹ، سیکٹر فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی  
کتبہ عمران ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی  
فون نمبر: 32735021

بیٹی اس کے ساتھ۔ گھگھرے اڑا رہی تھی۔ کوئی شرم اس میں نہیں بچی۔ پتا نہیں کہاں کہاں گھومتی رہی ہے۔ شہر میں کس کس نے دیکھا ہو گا۔ نعمان تھک کر ہانپنے لگا۔ مریم بدم ہو کر گر گئی۔ ”میں صاف صاف بتا رہا ہوں اماں!“ اس نے انگلی اٹھا کر حمیدہ سے کہا۔ ”یہ کسی دن بھاگ جائے گی یہ نہیں رکنے والی۔“

حمیدہ نے دل کرکچہ تھام لیا۔ ”آج سے اس کا گھر سے نکلتا بند ہے۔ کمرے میں بند کر کے تالا ڈال دو اور بلاؤ اس کے سرال والوں کو اور نکال چڑھو اور نہ سر پکڑ کر روٹی رہ جاؤ گی۔“ وہ نفرت سے اسے ٹھوکر مار کر باہر نکل گیا۔ تب حمیدہ کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔ انہوں نے قریب آکر وہ ہنر مریم کو مارے۔ ”کھینی۔۔۔ بد بخت! ایسی جوانی اچھل رہی تھی تو بتا دیتی میں دو بول پڑھوا کے بیچ کر دیتی۔ میرے سفید بالوں میں یہ کھے ضرور ڈالوانی تھی۔“

”اب کر دو تا رخصت۔“ مریم نے پھٹے ہوئے ہونٹ کو گرکڑا۔ ”بلائی ہوں تیرے سرال والوں کو۔۔۔ اب تجھے گھر میں رکھ کر میں نے اچار ڈالنا ہے۔“ ”نہ اماں! اتنی ماریں نے جس کے نام پر کھائی ہے رخصت بھی اسی کے ساتھ ہوں گی۔ میں شادی صرف فمد سے کروں گی۔“

مریم کے لہجے میں چھلکتی بغاوت نے حمیدہ کو سن کر دیا۔

\*\*\*

”پھوپھو!“ عرشہ نے کمرے میں جھانکا۔ وہ ابھی تک قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آیت ختم کر کے نبیلہ نے قرآن پاک بند کیا۔ ”تیار ہو گئیں؟“

”جی میں یونیورسٹی سے واپسی پر گھر جاؤں گی۔“ ”گھر؟“ نبیلہ نے تعجب سے دیکھا۔ ”وہاں تو

مریم ششدر سی رہ گئی۔ اس ریٹورنٹ کے فیملی کیمپن میں ہونے والی یہ گفتگو نئی نہ تھی۔ یہ کھیل صدیوں سے کھیلا جاتا رہا ہے۔ کتنے ہیں مرد عورت کو درغلا تا ہے، حقیقت یہی ہے کہ عورت لاشعوری طور پر پہلے سے ہی آمادہ ہوتی ہے۔ بس اپنی مندوق مرد کے کندھے پر رکھ کر چلائی ہے اور خود بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

فمد نے یہ بات پہلے بھی کہی تھی۔ مریم ڈر گئی، لیکن اندر کہیں وہ بھی آمادہ ہو چکی تھی۔ ”خیر! ہم ایک آخری کوشش تو کر سگے۔“ وہ سینڈوچ اٹھا کر کھانے لگا۔ جبکہ مریم کی چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ آخر فمد نے ٹوکا۔ ”تم کچھ لے کیوں نہیں رہیں۔۔۔“ ”بھوک نہیں ہے۔“ ”کیوں۔۔۔“

”اب چلیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔“ مریم نے پیسے نکال کر میز پر رکھے۔ فمد نے ویٹر کو بلا کر بل دیا۔ ”اب کب ملو گی؟“

”پتا نہیں۔“ وہ اب بھی ہوئی اور بے زار تھی اور اسی الجھن میں نقاب کرنا بھول گئی۔ فمد پر وہ ہانک رہا نظر آتا۔ مریم اس کے عقب میں تھی۔ وہ آگے نکل گیا اور مریم کے قدم وہیں جم گئے۔ عین سامنے والی میز پر نعمان اپنے دو دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

قیامت یہ کہ وہ اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ مریم کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

\*\*\*

گھر کے صحن میں شور مچا تھا۔ نعمان کی انتہی غیرت اس کے ہاتھوں پٹنی محبت کی ماری مریم۔

اور چھڑانے والا کوئی نہیں۔ حمیدہ فق چہرے کے ساتھ اسے پٹنے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ”ہماری عزت ہو ٹپوں میں رو لیتی آئی ہے۔ وہاں

پٹرول تک کے پیسے ان سے مانگتے پڑتے ہیں۔“ ”اور تم اتنے فراہ دار کہ سارے ٹھہارتے ہو۔ مجھے دیکھو، آج تک گھروالوں کو میری اصل تنخواہ کا بھی علم نہیں۔“ ”جینش۔۔۔“

”فیملی کو کیسے سپورٹ کرو گے؟“ ”جب فیملی آئے گی، دیکھا جائے گا۔“ فمد نے لاپرواہی سے ٹیک کی رفتار بڑھائی۔ فیملی کیمپن میں چائے اور سینڈوچ آنے تک دونوں نے زیادہ بات نہیں کی مگر ویٹر کے جانے کے بعد وہ تنہا ہی رہ گئی۔ ”فمد! اب کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔“ ”کر تو رہے ہیں۔“ فمد نے سینڈوچ اٹھا لے کر شرارت سے کہا۔ ”میری شادی کی تاریخ طے ہو رہی ہے۔“ مریم نے تنہائی سے بتایا۔

”اوہ۔۔۔“ فمد نے سینڈوچ واپس رکھ دیا۔ ”تم انکار کر دو۔“ ”کس بنیاد پر۔۔۔؟“

فمد خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ”میری شکل نہ دیکھو۔ اپنے گھروالوں سے بات کرو، انہیں مناؤ۔ آخر اسٹینڈ لپنے کے لیے میرے پاس کوئی ٹھوس وجہ تو ہو۔“ ”مریم جڑ کر لوں۔“ ”ہزار بار کر چکا ہوں، مگر وہ مانیں تو۔۔۔“ فمد جھنجھلا یا۔

”اوکے۔ پھر میرے یہاں ہونے کا جواز کیا ہے؟“ ”مریم دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر کھڑی ہوئی۔ ”مریم! اتنی ایموشنل کیوں ہو رہی ہو۔ بیٹھو! کچھ حل نکالتے ہیں۔“ فمد نے ہاتھ پکڑ کر روکا تو وہ روٹھی روٹھی سی بیٹھ گئی۔

”میں امی سے ایک بار پھر بات کرتا ہوں، مجھے امید ہے وہ کوئی نہ کوئی رستہ نکال لیں گی۔“ ”اور اگر نہ نکال سکیں تو۔۔۔؟ اس کے لہجے میں ہزار خدشے دھڑک رہے تھے۔ ”تو ہم کورٹ میں ج کریں گے۔“



کرائے دار ہیں۔“  
”فاطمہ آپ! اپنا رہی تھیں وہ جاچکے ہیں۔ گھر خالی  
پڑا ہے۔“

”وہاں کیا کرنے جاؤ گی عریشہ!“  
”یونہی ایک نظر دیکھ کر آھاؤں گی۔۔۔ آج ابی کی  
برسی بھی تو ہے۔“ اس کے گلے میں پھندا رہ گیا۔  
چائے لے کر آتی فاطمہ رک گئی۔ عریشہ نے ایک  
طرف ہو کر جگہ دی۔

”کہاں جانا ہے؟“ فاطمہ نے پیالی نبیلہ کے پاس  
رکھی۔

”گھر جاری ہوں آپ! آ!“  
”اچھا جلدی آنا، مجھے فکر رہے گی۔“ نبیلہ نے کہا تو  
وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔  
فاطمہ نے کچھ سوچ کر گھر کا نمبر لایا۔

”ہے۔۔۔ لو۔“ حمیدہ کی مخصوص آواز آئی۔  
”اماں! میں ہوں فاطمہ۔“  
”ہاں۔۔۔ بول اب تجھے کیا تکلیف ہے۔“  
فاطمہ سٹپٹا گئی۔ اسے کیا پتا تھا کہ اماں اس وقت  
کس موڈ میں بیٹھی ہیں۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“  
”کچھ نہیں ہوا۔ تو اپنا سیلا بول۔۔۔“ وہ  
جھنجھلائیں۔

”کیا سیلا! میں نے صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا  
ہے کہ آج عریشہ اپنا گھر دیکھنے آ رہی ہے۔“  
”کیوں گھر نہیں بھاگا جا رہا ہے۔ یا ہمیں کچھ کر کھا رہے  
ہیں؟“

”اماں! خدا کے لیے اپنے بیٹوں کو سمجھا دیجیے گا  
کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو۔ بس اتنا ہی کہنے کے لیے  
فون کیا تھا۔“ فاطمہ نے اتنا ہی کہہ کر ریسیور ڈال دیا۔  
”بس جو اماں نے اچھے طریقے سے بات کی ہو۔۔۔  
جب بھی کریں گی، ملے ہی ماریں گی۔“ وہ ہڑبولا لگی۔



دروازے پر آہٹ ہوئی یا کسی نے ہلکی سی دستک

دی تھی۔ اونگھتے ہوئے برکت حسین نے ہڑبولا کر  
آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے کو تو اپنی آنکھوں پر اعتبار  
نہیں آیا۔  
”عریشہ۔۔۔“

وہ بغیر بولے دو قدم آگے آئی۔  
”گھر کی چابی آپ کے پاس ہے؟“  
”ہاں میرے پاس ہی ہے۔ پر تو کھڑی کیوں ہے  
یہاں بیٹھ اپنے پایا ابا کے پاس۔ حمیدہ او حمیدہ ابا ت  
سن۔۔۔ دیکھ کون۔“

”میں یہاں کسی سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ چابی  
دے دیں۔“ اس نے بد لحاظی سے کہہ کر ہتھیلی پھیلائی۔  
وہ یہاں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رکنا چاہتی  
تھی۔ اس جگہ سے جتنی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں  
۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ تھیں۔

اس کا انداز اتنا طبعی تھا کہ برکت حسین نے چابی  
نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ وہ چابی بھپٹ کر  
انہیں کچھ بھی کہنے کا موقع دینے پر بیٹھ گئی۔  
پورے گھر میں دھول اڑ رہی تھی۔ نجانے کب  
سے کرائے دار گئے تھے اور تب ہی سے یہاں صفائی  
نہیں ہوئی تھی۔ اسے وہ صحن یاد آیا جو اس کی ماں کے  
ہاتھوں چمکا کرتا تھا۔ اس کے قدم دھول پر نشاں  
چھوڑتے تھیں تک آئے۔

”تم نے کھانا کھا لیا۔۔۔؟“ عادلہ کی تشویش بھری  
آواز ابھری۔  
”کہاں سے کھاتی۔۔۔؟“  
ہائے! وہ خمرے جو صرف ماؤں کو دکھائے جاتے ہیں۔

”میں کھانا بنا کر تو گئی تھی۔“  
”وہ بیگن۔۔۔ ہونہ۔“  
”بری بات۔ کھانے کی ناقدری نہیں کرتے۔“  
رسانیت و محبت پھر الجھنے۔۔۔ نجانے تب وہ محبت  
محسوس کیوں نہ ہوئی تھی۔ عریشہ کی آنکھیں بھر آئیں  
۔۔۔ اس نے بچن کے دروازے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

خالی ڈھنڈار بیڈ روم میں خاموشی دیواروں سے لپٹی  
تھی۔

”یہاں سے۔۔۔“  
”عرشی! بیٹھ رکبات کر لیتے ہیں۔“ حمیدہ نے پچکارا۔  
”میں تایا ابا کو آواز دوں گی۔“  
نعمان اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ عریشہ کو اس کی  
مجیدگی سے خوف آنے لگا۔  
”گھر پر کوئی نہیں ہے۔“  
”تم چاہتے کیا ہو؟“ وہ اندر سے ڈر گئی تھی۔  
”اس کاغذ پر دستخط کرو۔“  
عریشہ نے حیرت سے اس کاغذ کو دیکھا۔  
”نکاح نامہ ہے۔۔۔“

”امی! بہت یاد آتی ہیں آپ کی باتیں۔“  
ان خالی کمروں میں کچھ نہیں تھا۔ بس گم گشتہ  
آوازیں گونجتی تھیں۔ وہ جس طرف بھی دیکھتی، کوئی نہ  
کوئی لمحہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سسکنے لگتا۔ وہ روٹی ہوئی  
صحن میں آنکلی۔  
”کاش، کاش! انہیں کوئی ایک بار واپس لے آئے  
۔۔۔ میں ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں۔“ وہ کھلے  
آسمان تلے بیٹھ کر رو سکتی تھی۔ سو دل کھول کر روئی۔  
نجانے کتنا وقت گزرا تھا جب ڈیوڑھی کا دروازہ  
کھول کر حمیدہ نے اندر جھانکا۔ عریشہ نے دونوں  
ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے انہیں دیکھا۔  
”تمہاری پیچھے بھی آئی ہے؟“  
عریشہ کا سر بے اختیار نٹنی میں ہلا۔  
”چلو! اچھی بات ہے۔۔۔ آجاؤ۔“ انہوں نے  
آخری الفاظ دروازے کی طرف منہ کر کے کہے۔  
عریشہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انہیں دیکھا۔ تب ہی  
دروازہ کھول کر نعمان اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں  
اک ساہ کاغذ تھا۔  
عریشہ کی چھٹی حس نے الارم دیا۔ وہ تیزی سے کئی  
قدم پیچھے ہٹی۔  
”کیا بات ہے۔۔۔؟“

”کوئی بات نہیں میری بچی۔۔۔ مجھے تم سے کچھ  
بات کرنی ہے۔“ حمیدہ کا الجھہ منافقت بھرا تھا۔  
”مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ چلی جائیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے  
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول

دل کے موسم  
مریم عزیز  
250 روپے

ہنگے پاؤں  
نگہت سیما  
250 روپے

ہنگو انے کا پتہ:  
ملکتیہ عمران ڈائجسٹ: 37، اردو بازار، کراچی



## کای مولا علی قصبی

عریشہ عادلہ کی بیٹی ہے۔ عادلہ بیوہ ہیں اور اسکول میں ملازمت کرتی ہیں، مکان کے دوسرے حصے میں ان کے جیٹھ اور جھانی اپنے بچوں نعمان، ثوبان، فرید، فاطمہ اور مریم کے ساتھ رہتے ہیں، ثوبان اور ساجدہ شادی شدہ بیٹیاں ہیں، عریشہ ثوبان کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتی ہے۔ ثوبان کو علم ہے مگر ابھی اس کی طرف سے اعتراف نہیں ہے۔ عادلہ کو یہ چیز پسند نہیں کیونکہ ان کے جیٹھ کا گھرانہ جاہل ہے۔

نبیلہ، عادلہ اور حمیدال کی تندرہیں، ان کے دو بیٹے ہیں محسن اور جمال، جمال ملک سے باہر مگر اس کی بد مزاج بیوی طیبہ یہیں رہتی ہے۔

ابراہیم جیلہ کا بیٹا ہے شہر میں پڑھتا ہے، باپ کی وفات کے بعد چچا کے ساتھ رہتا ہے۔ چاچی کبری کا سلوک اس کے اور اس کی ماں کے ساتھ ناروا ہے۔ اپنے شوہر اصغر سے اکثر ڈانٹ بڑاوتی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کی بیٹی بشری کی ابراہیم سے شادی ہو جائے مگر ابراہیم صاف انکار کر دیتا ہے۔ اصغر کو غصہ آتا ہے وہ ابراہیم پر ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔ ابراہیم ناراض ہو کر گھر چھوڑ دیتا ہے اور شہر آکر حمیدال کے گھر رہنے لگتا ہے۔ برکت حسین اس کی ماں کے چچا زاد بھائی ہیں۔ حمیدال ابراہیم سے سخت بیزار رہنے لگتی ہیں۔

کاؤلڈ





نعمان اپنے اسٹور سے سودا لینے والے ماسٹر صاحب کی بیٹی عائشہ کو پسند کرتا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر ہے۔ نعمان عائشہ سے رشتے کی بات کرتا ہے اور ان سے فاطمہ کی شادی تک انتظار کرنے کو کہتا ہے کیونکہ حمید اس کا دونوں بیٹوں سے پہلے بیٹوں کی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ عائشہ اور اس کے گھر والے تھوڑی سی جیل حجت کے بعد مان چکے ہیں۔

عادلہ نیبلہ کے کہنے پر بچت کر کے عریشہ کے لیے سونے کا سیٹ بنواتی ہیں۔ عادلہ کے منع کرنے کے باوجود عریشہ حمید اس کو وہ سیٹ دکھا دیتی ہے۔ حمید اس کی عریشہ سے لگاؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ فاطمہ کی شادی پر حمید اس عادلہ سے وہ سیٹ مانگتی ہیں۔ عادلہ پریشان ہو جاتی ہیں کیونکہ انہوں نے وہ سیٹ عریشہ کے لیے بہت مشقت سے بنایا ہوتا ہے۔ حمید اس بھند ہوئی ہیں کہ فاطمہ کو شادی پر سونے کا سیٹ دیا جائے جبکہ ان کی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ ٹوبان کی فیس کے پیسے نکال لیتی ہیں۔ ٹوبان بہت بگڑتا ہے۔ عریشہ ٹوبان کی پریشانی دیکھ کر چپکے سے وہ سیٹ نکال کر حمید اس کو دے دیتی ہے۔

شادی والے دن نیبلہ فاطمہ کے گلے میں وہی سیٹ دیکھتی ہیں تو عادلہ سے کہتی ہیں۔ عادلہ عریشہ سے پوچھتی ہیں تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے دھڑلے سے اعتراف کرتی ہے کہ اس سے ٹوبان کی پریشانی نہیں دیکھی گئی۔ عادلہ عریشہ کی حرکت سے اتنی دل برداشتہ ہوتی ہیں کہ ان کا دل بند ہو جاتا ہے۔ عریشہ پچھتاتی ہے۔ ٹوبان لگاؤ سے اسے ہمسائیگی کو شش کرتا ہے۔

ایثار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عریشہ ٹوبان کو پسند کرتی ہے ساتھ ہی وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ ٹوبان اپنے فائدے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی خود غرضی جان کر ایثار اس سے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ حمید اس کو نعمان کی خواہش کا علم ہو جاتا ہے اور جب عائشہ کی والدہ عادلہ کی تعزیت کرنے حمید اس کے پاس آتی ہیں تو ان سے خوش اخلاقی سے نہیں ملتیں۔

”آج کل ماں باپ نے لڑکوں کو پھانسنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو آگے کر رکھا ہے اور لڑکیاں خود ہی معاملہ سیٹ کر رہی ہیں۔“ جیسے سخت الفاظ کہہ کر ان کی نے عزتی کو کرتی ہیں۔ عائشہ کی والدہ دبرداشتہ ہو کر ان کے گھر سے چلی جاتی ہیں بلکہ وہ عائشہ کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چند دنوں کے لیے دوسرے شہر چلی جاتی ہیں۔ نعمان اس تمام عرصہ میں سخت پریشان رہتا ہے۔ ان کی واپسی پر ان کے گھر جاتا ہے تو وہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے عائشہ کا کہیں اور نکاح کر دیا ہے۔ وہ مغموم سا واپس آ جاتا ہے۔

نیبلہ عریشہ کا سیٹ لے لینے پر فاطمہ سے برگشتہ ہوتی ہیں تاہم فاطمہ کے وہ سیٹ لوٹا دینے کا وعدہ کرنے پر وہ راضی ہو جاتی ہیں۔ ایثار باسط کو یوشن پڑھانے جاتا ہے۔ وہاں باسط کی بڑی بہن صنعیہ کے ساتھ ٹوبان کی بے تکلفی دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

ایثار عریشہ کو ٹوبان کے ساتھ چھت پر تنہا دیکھ کر اسے متنبہ کرتا ہے کہ دو نامحرم کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ گاؤں میں کوئی جمیلاں کی بھیجیں کو زہر دے کر مار دیتا ہے۔ عریشہ اور مریم نے بی ایٹ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مریم کا کوئی افیر شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے عریشہ نے خبر ہوتی ہے۔

صنعیہ ٹوبان کو شادی کی آفر کرتی ہے مگر ٹوبان انکار کر دیتا ہے تو صنعیہ بالکل پروا نہیں کرتی۔ ٹوبان نعمان سے باہر جانے کے لیے پیسے مانگتا ہے۔ اس کے انکار پر دونوں میں تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ نعمان حمید اس سے کہتا ہے کہ وہ عریشہ کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ حمید اس مان جاتی ہیں۔ نعمان کے انداز بدل جاتے ہیں۔ عریشہ گھبرانے لگتی ہے۔

حمید اس مریم کی زبردستی منگنی کو دیتی ہیں۔ وہ پھر بھی فائدے راجطے میں رہتی ہے۔ نیبلہ کے پاس جاتی ہے۔ نیبلہ اسے سمجھاتی ہیں، مگر وہ نہیں مانتی۔ کاغذات لے کر وہ گھر آتی ہے تو حمید اس ٹوبان اور نعمان کی باتیں سن لیتی ہے۔ جس میں اس کے مکان اور دکان کو ہتھیانے کا منصوبہ بنا رہے ہوتے ہیں۔ وہ غصے میں ٹوبان کا گریبان پکڑ لیتی ہے۔ ایثار اسے نیبلہ کے پاس لے جاتا ہے۔

بڑی اپنے سر اس میں خوش نہیں رہتی۔ نعمان فائدہ اور مریم کو ایک ساتھ دیکھ لیتا ہے۔ اور گھر آ کر خوب ہنگامہ کرتا ہے۔ مریم کو ناراض ہے اور جلد نکاح کرنے کا کہتا ہے۔ عریشہ نیبلہ سے کہتی ہے کہ حمید اس سے مکان خالی کروادیں۔ عریشہ مکان کی چابیاں لینے حمید اس کے گھر جاتی ہے۔ وہاں حمید اس اور نعمان اس سے زبردستی نکاح نامہ پر سائن کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔

## سکاتوں قید میں

نعمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔  
”اماں! تم جاؤ۔۔۔ میں اس سے خود بات کرتا ہوں۔“

نعمان کی آواز وہ نگاہوں نے عریشہ کے وجود میں پھریری کی بڑا دی۔  
اسے یقین تھا تائی نہیں جائیں گی۔ مگر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب اس نے تائی کو ڈیوڑھی کے دروازے کو پار کرتے اور پھر روانہ بند کرتے دیکھا۔

وہ ان کے پیچھے لپک کر جانے کو تھی جب نعمان نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا۔ عریشہ کے لبوں سے تیز چیخ نکلی۔ مگر نعمان کے ہاتھ نے اس کی چیخ کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ پوری طرح اس کے شکمے میں گھس اور وہ اسے کھینچ کر کمرے میں لے جانا چاہتا تھا شاید وہ ڈرنا تھا کہ کہیں ہمسائے اس کی چیخ و پکار نہ سن لیں۔ مگر عریشہ کی مزاحمت شدید تھی۔

”الو کی پچی۔۔۔“ نعمان نے ہاتھ ہٹا کر پوری قوت سے اس کے چہرے پر ٹھہر مارا۔ عریشہ کا ہونٹ پھٹ گیا۔ وہ پورے قد سے گر گئی۔ نعمان کے ہاتھ سے کاغذ بھی پھوٹ گیا۔ عریشہ نے جنونی انداز میں اس کاغذ کو بڑے بڑے کر ڈالا۔

نعمان گویا غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔ عریشہ کو تا بڑوڑ مکوں اور لاتوں کی زد پر رکھ لیا۔  
اس کی چیخوں نے آسمان ہلا ڈالا۔  
”میں دوں گی۔۔۔ مار دو گے تب بھی نہیں دوں گی۔“  
یہ میری جانب ادا ہے۔ میرے باپ کی ہے۔  
”عری! امیری بات۔۔۔“ حمید نے کچھ کہنا چاہا مگر

”کیسے کاغذات۔۔۔؟“ عریشہ نے حیرت سے کاغذ دیکھا۔

”یکل نامہ ہے۔“ نعمان ہنسا۔  
”کیا کو اس ہے۔۔۔“ وہ ڈر گئی۔ ”جائیں یہاں سے ورنہ میں شور مچا دوں گی اور تائی! آپ! آپ کو شرم نہیں آئی؟“ آپ کے اپنے گھر میں بھی بی بی ہے اور۔۔۔“

”ایس کو اس کر رہا ہے تو ہٹ پیچھے۔“ تائی نے دھپ لگا کر نعمان کو پیچھے کیا۔  
”دیکھ عری! میں تیری ماں کی جگہ ہوں۔ ہمیشہ عادلہ سے بڑھ کر تجھے چاہا۔“ حمید نے چاہلو سنانہ انداز میں کہنا شروع کیا مگر عریشہ نے تلخی سے بات کاٹ دی۔

”ہاں! اپنے مقصد اور فائدے کے لیے۔“  
”چلو ابوں ہی سہی۔۔۔ اب تو اتنا بڑا مکان اور دکانیں رکھ کر کیا کرے گی؟ تیرے کون سے استے خرچے ہیں۔ سائن کروے۔ مریم کی شادی بھی کرنی ہے اور۔۔۔“  
”میں نے آپ کے سارے کام سنوارنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟“ عریشہ بھڑ گئی۔ ”کبھی فاطمہ کی شادی ہے، کبھی مریم کی۔ آپ جیسے لالچی اور خود غرض لوگ میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ میں اور میری ماں آپ کو بہت کچھ دے چکے۔ اب میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ لوگ چلے جائیں۔ ورنہ میں چیخ چیخ کر سارا محلہ اکٹھا کر لوں گی۔“



نجانے اس میں اشیائے خفّیہ کمال سے آئی کہ وہ پورے مقابلے پر اثر آئی تھی اور یہی چیز نعمان کو پاگل بنانے لگی۔ ظلم و تشدد کا دورانیہ نجانے کتنا طویل ہوتا کہ ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر ابرار اندر آ گیا۔ عریشہ اور نعمان کی آواز دو بار بھی سنائی دی تھی تب ہی وہ بغیر سوچے بچھے پرانی آگ میں کود پڑا تھا۔

”تو ہونا کون ہے ہمارے گھر کے معاملے میں بولنے والا؟“ نعمان اس پر پل بڑا۔

”گھر کا معاملہ تھا تو آوازیں باہر کیوں گئیں؟ شکر کریں کہ میں آیا ہوں“ ساتھ میں پولیس کو نہیں لایا۔

”تیری یہ اوقات کہ مجھے پولیس کی دھمکی دے دی؟“

”اوقات تو آپ نے دکھائی ہے۔ جائیداد کے لیے مرحوم چچا کی بیٹی پر ظلم کرتے ہو۔“

”بیچہ گری عریشہ نے سر اٹھا کر مددگار فرشتے کو دیکھنا چاہا مگر آنکھیں دھندلا گئیں۔

اب وہ دونوں دست و گریبان تھے۔

ابرار نے بڑے زور سے نعمان کو دھکا دیا۔ وہ جا کر دیوار سے ٹکرایا تھا۔

”تم ٹھیک تو ہو؟“ وہ پلٹ کر عریشہ کو اٹھانے لگا۔

”ڈوبتے ڈوبتے کا سہارا کے مصداق عریشہ نے اس کا بازو بوجھ لیا۔

اور وہی لمحہ تھا جب بیرونی دروازہ ٹھہا کی آواز کے ساتھ کھلا اور محلے کے چند لوگ اندر گھستے چلے آئے۔

حمیدہ ان میں سب سے آگے تھیں۔

”لو۔ دیکھ لو۔ اپنی آنکھوں سے اس کے کروت۔ یہاں یہ گل کھلائے جا رہے ہیں۔ نعمان کی جگہ کوئی اور غیر مند ہوتا؟ بھی یہی کچھ کرتا۔“

چند لمحوں کے حمیدہ کی بات کو سمجھنے میں۔

ابرار کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور عریشہ بے جان گڑیا کی طرح زمین بوس ہو گئی۔

”دونوں کو زمین میں زندہ گاڑ دوں گا۔“

غیرت نہیں ہوں۔ مرحوم چچا کی عزت کو مجھے ملانے ڈرا حیانہ آئی۔

”ہائے۔ ہائے۔ لیاں باپ سر پر نہ ہوں تو ان کی یوں عزت نیلام کرنے لگتی ہیں۔“ حمیدہ سینہ دھڑک رہی تھیں۔

عریشہ نے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولا اور اس نفرت بھری نگاہ نعمان اور حمیدہ پر ڈالی۔ ہرگز راز ان لوگوں کا کچھ نیاروپ سامنے لا رہا تھا۔

عریشہ نے نفرت سے زمین پر ٹھوک دیا۔

”دیکھا۔ دیکھا اس کی اکثر۔“ نعمان کی ٹھوک نے عریشہ کا جگر ہلا دیا۔

بے ہوشی کے آخری لمحوں میں اس نے سب کے عقب میں جھانکتے اس چہرے کو بھی دیکھا جسے اس نے زندگی میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔

اس چہرے پر بھی عریشہ کے لیے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

اگلے پل عریشہ نے خود کو طویل اندھیروں کے چہرے کو دیکھا تھا۔

”میں نے کہا بھی تھا۔ ہاتھ ہولار کھنا۔ رو تو بٹھنے میں جلاؤں گی کیا تھا۔“ حمیدہ نے دو ہنر نعمان کے بارے تو وہ جھنجھلا کر ہڑا ہو گیا۔

”بس کرو اماں۔ تم بھی تو ساتھ ہی تھیں۔ بلکہ سارا پلان تمہارا ہی تھا۔ خود ہی کہہ رہی تھیں کہ تم سے وہ جھٹکا نہ بھر لڑی ڈرائی نہیں جاتی۔ میں تو صرف ڈرا دھکا کر سائن کروانا چاہتا تھا۔ تم نے پکڑ کر اس پر الزام ہی دھر دیا۔“

”اوسے میں نے کب؟“ حمیدہ کے ہاتھوں کے تو نے برکت حسین کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر اڑا گئے۔

”تو یہ سارا کچھ تیری شہ پر ہوا ہے بے غیرت عورت! یہ بھی بھول گئی کہ تیرے اپنے گھر میں وہ بیٹیاں ہیں۔ اب جو عریشہ کے غصے میں نبیلہ نے قاتل

کر کے نکال دیا تو؟“

برکت حسین کو حقیقی غصہ آیا تھا۔ حمیدہ زندگی میں پہلی بار گھبراہٹ میں حواس باختہ تو نعمان بھی ہو گیا تھا۔ محلے میں الگ چہ بیگونیوں ہو رہی تھیں۔ پھر نبیلہ کے رد عمل کا خطرہ بھی تھا۔

”ارے! انہیں نکالتے فاطمہ کو۔ کیوں دہلائے دیتے ہو؟“

”بے شرم۔ بے غیرت لوگ۔ میری بیٹی پر الزام دھرتے حیانہ آئی۔؟“

”تو زندہ تھا۔ ایسی سچ حرکت۔“

”بس کرو برکت حسین۔ پہلے تو یتیم بھتیجی کا خیال نہ آیا۔“

”یہ تو ہے ہی شاطر عورت۔ اور تو تو کسی ٹرین کے پیچھے آکر مر بھی جائے مجھے تب بھی افسوس نہ ہو۔“

”ہائے! اللہ نہ کرے۔“ حمیدہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

”اپنی اولاد کی دفعہ بہت دکھ ہوتا ہے اور اس لڑکی کو جو جیتے جی مار ڈالا۔“

”کچھ نہ کچھ دیکھا تھا تب ہی کہا تھا۔“ حمیدہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

”بس کرو حمیدہ! خود پر اور اپنی اولاد پر رحم کر۔ اپنا کیا ہی آگے آتا ہے۔ عریشہ بھتیجی تھی تو وہ لڑکا بھی میری نظروں کے سامنے ہی رہتا تھا۔“

نعمان جھنجھلا کر باہر نکل گیا۔ اسے احساس ہوا ان کے پیچھے لگ کر معاملہ بالکل ہی اُلٹے رخ پر چلا گیا ہے۔

برکت حسین سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ انہیں زندگی میں پہلی بار لگا کہ ان کے گھر میں کچھ غلط ہو رہا ہے ورنہ وہ تو سب کچھ حمیدہ کے ہاتھ میں دے کر بے فکر بیٹھے تھے۔

ابرار نے بلکا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو عریشہ کے پاس بیٹھی نبیلہ نے مڑ کر دیکھا، پھر ابرار کو چپ کا اشارہ کیا۔ ابرار دروازہ بند کر کے کوریڈور میں آکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر میں نبیلہ اس کے پاس تھیں۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“ ابرار نے پوچھا۔

”ٹھیک ہے۔ دوا کے زیر اثر سو رہی ہے۔“

”فاطمہ آپ نے کھانا بھجوا دیا ہے۔“

”ابرار! وہاں کیا ہوا تھا؟“

”پتا نہیں خالہ! میں دیر سے پوچھا۔“ وہ نظریں چرا گیا۔

”عریشہ پر ہاتھ کس نے اٹھایا؟“ وہ بے حد سنجیدہ تھیں۔

”مجھے نہیں پتا۔“ وہ رخ ہی بدل گیا۔

”ابرار! مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ کھل کر بتاؤ۔“ نبیلہ کے لہجے میں سختی در آئی۔

”خالہ! عریشہ ہوش میں آئے گی تو خود ہی بتا دے گی۔ میں گاڑی سے سلمان نکال لوں۔“

”یہ بھی شکر ہے کہ محسن شہرے باہر ہے۔ ورنہ جذباتی ہو کر نجانے کیا کر بیٹھتا۔“ وہ بیڑیا میں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے

فائرہ اختار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت - 500/- روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت - 500/- روپے
یہ گلیاں یہ چو بارے	قیمت - 300/- روپے
بھلاؤ دے رنگ ہزار	قیمت - 250/- روپے

ناول منکوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ - 45/- روپے

منکوانے کا پتہ:

کتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار راکھی - فون نمبر: 32735021



ابرانظر انداز کر کے چلا گیا۔ محسن کی گاڑی اسی کے پاس تھی کچھ دوستوں کی مہربانی سے وہ ڈرائیونگ بھی سیکھ چکا تھا۔  
نبیلہ اندر آگئیں۔ عریشہ کسمپرسی تھی۔  
وہ لپک کر قریب آئیں اور پیار سے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

”عرشی! میری جان! اب کیسی طبیعت ہے؟“  
”ای! ای!“

”عرشی! ادھر دیکھو، میں ہوں تمہاری پھوپھو۔“  
وہ اس کے گل تھتھانے لگیں۔

”میری ای! پھوپھو۔ میری ای مرگئیں۔ میں نے انہیں مار ڈالا۔“ وہ چلانے لگی۔ اسے خود بھی یاد نہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اسے صرف ماں یاد آ رہی تھی۔

اسے یہ یاد آ رہا تھا کہ ان لوگوں کے لیے اس نے اپنی ماں کے ساتھ کیا کیا۔

اسے یہ احساس مار رہا تھا کہ ماں نے کس کس طرح اس کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ اپنی نادانی میں سمجھ ہی نہ پائی۔

اسے دکھ حمیدہ کے رویے پر تھا، نہ نعمان کے سلوک پر۔

اسے تو ثوبان کی بے بسی، دھوکے بازی، خود غرضی کسی سے بھی غرض نہ رہی تھی۔

بس اک دکھ پشیمانی، بہت کچھ ختم ہو جانے اور اپنی جنت کھودینے کا احساس ہر جذبے پر حاوی تھا۔

نبیلہ نے اسے خود میں سمیٹ لیا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی عریشہ کو اس احساس زیاں سے نکال نہیں سکتی تھیں۔

کچھ دنوں میں وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو گئی۔  
دو دو کے زخم بھر گئے، مگر روح کے زخم نامور بننے جا رہے تھے۔

”عریشہ! اوور لے لو۔“ فاطمہ کی آواز پر کھڑکی سے باہر جھانکتی عریشہ نے چونک کر دیکھا، مگر ہاتھ نہیں بڑھایا۔

فاطمہ نے گلاس میز پر رکھا اور خود بھی بیٹھ گئی۔  
”کل محسن واپس آ رہے ہیں۔“ فاطمہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

عریشہ! میں جانتی ہوں، گھر والوں نے تمہارے ساتھ بہت براسلوک کیا ہے۔ میں اس سب کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ عین جانو! میں نے سب سے رابطہ ختم کر لیا ہے۔ کسی سے نہیں ملتی۔“

عریشہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔ فاطمہ یہ سب اس سے کیوں کہہ رہی ہے۔ نبیلہ یا عریشہ نے تو اسے اس کے گھر والوں سے ملنے سے منع نہیں کیا تھا۔

”میری اچھی بہن پلین۔ تم محسن سے کچھ مت کہنا، وہ تمہارے معاملے میں بہت پی پی ہیں۔ عریشہ! سن رہی ہو۔ میرا گھر خراب ہو جائے گا۔“ فاطمہ رو ہائی ہو گئی۔

”میں کہوں گی۔“ عریشہ نے تین لفظوں میں بات ختم کر دی۔

فاطمہ کچھ اور شرمندہ ہو گئی۔ اس نے بے اختیار عریشہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”تم بہت اچھی ہو۔ پلین! جو کچھ ہوا۔“  
عریشہ نے ہاتھ چھڑا لیا۔ تب ہی نبیلہ آگئیں۔

”تم نے ابھی تک وہ نہ نہیں پایا؟“  
”وہی تو اصرار کر رہی ہوں، مگر یہ مان ہی نہیں رہی۔“

فاطمہ نے گہرا کر گلاس اٹھایا۔  
”عریشہ! نبیلہ نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔“

”تبی تم صدم کیوں پیشی ہو۔“ کچھ بولا کہ۔  
”کیا بولوں؟“ وہ بے بسی سے بولی۔

”جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔“  
عریشہ نے حیران کن نظروں سے انہیں دیکھا۔

ابھی تو اس کی چوٹوں کے نشان بھی مندل نہ ہوئے تھے۔  
”جو الزام ان لوگوں نے مجھ پر لگایا ہے۔ پھوپھو!

نجانے کس کس نے اعتبار کیا ہو گا۔“  
”عرشی! لوگ اندھے نہیں ہیں۔“

”کسی کی پارسل پر حرف آئے تو سب پتھر مارنے

والوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔“ جج جھوٹ کی کھوج کون کرتا ہے۔“

فاطمہ کی نظریں جھک گئیں۔ وہ اپنے گھر والوں سے بہت کی توقع رکھتی تھی، سوائے اس ایک کے۔  
”کیا کوئی اتنا سفاک اور بے حس ہو سکتا ہے؟“

میں نے ان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ اپنی ماں کو بھڑایا۔ وہ میری وجہ سے مر گئیں۔ صرف اس لیے کہ میں نے ان کی نسبت ان لوگوں کو اپنا سمجھا۔ میں کیوں نہیں پہچان سکی۔ ہر دن ان کے چروں سے نیا

قلب نوج لیتا ہے اور میں بکا بکا رہ جاتی ہوں۔ یہ کسے خوں رشتے ہیں، جنہوں نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرا مان، اعتبار، میری جنت۔ میں کیا کروں، کہاں جاؤں۔ میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میں خالی ہوں۔ میرا دل خالی ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ انہیں میری دکانیں اور مکان چاہیے۔

سب لے لیں۔ سب کچھ لے لیں، بس! میری ای! واپس لو! دس۔ میرا اعتبار، میرا گھر، سالو ٹاؤن۔“

وہ جنونی انداز میں رونے اور چلانے لگی۔  
فاطمہ نے گہرا کر گلاس رکھا اور روتے ہوئے باہر نکل گئی۔

نبیلہ نے اسے خود میں بھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ روتے چلاتے نہ تھا، ہو کر بستر پر گری گئی۔



ثوبان اپنے کمرے میں دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے، کھومتے، نیچے پر نظریں جمائے ہوئے چت لیٹا تھا۔ ذہن میں خیالات کی رفتار نیچے کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تھی۔

سنیہہ ابھی تک امریکا سے نہیں لوٹی تھی۔ اور ہر گز راتوں اس کے حوصلے پست کر رہا تھا۔ اس تمام عرصے میں اس نے ایک بار بھی عریشہ کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی ہی تھی۔ ذہن کے کسی گوشے میں اس کی بے یقین نگاہیں

لب بھی بے سکونی پھیلا تھیں۔ لیکن وہ دانستہ اس

احساس ندامت سے نظریں چرائے صرف سنیہہ اور اس سے وابستہ اپنے روشن مستقبل کے بارے میں سوچا کرتا۔

”شاید مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے اسی وقت سنیہہ کے پروپونل پر ہاں کہہ دینی چاہیے تھی۔ آخر اتنی انا دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کاش! بوقت پلٹ جائے اور میں اس بل کو مٹھی میں جکڑ لوں۔ قسمت کی دیوی کو قید کر لوں یا خود اس کا غلام ہو جاؤں۔“

اس کے عین نیچے والے کمرے میں نعمان بے چینی سے ٹپک رہا تھا۔

”یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اتنا غصہ اتنی جذباتیت۔؟ اماں کی باتوں میں اگر میں نے بہت ہی غلط قدم اٹھایا۔ اس طرح تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پھوپھو اور محسن اب کبھی یہ دکانیں میرے نام نہیں ہونے دیں گے۔ عریشہ کی شادی ثوبان سے ہو جاتی، تب بھی دکانیں کھر میں ہی رہتی تھیں۔ پھر وہ اس سے محبت بھی تو کرتی تھی۔“

”محبت؟“ وہ اس لفظ پر انک سا گیا۔

”اسی محبت کے چھن جانے نے مجھے اتنا انتقامی بنا دیا کہ میں۔“

وہ تھک کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے عائنہ بے حد شدت سے یاد آئی۔

”اگر مجھے عائنہ مل جاتی تو کیا میں تب بھی یہ سب کرتا۔؟“

اس نے اپنے ہی سوال کے اندر سے اٹھتے جواب پر غور کیا۔ اس کے اندر آتش فشاں اٹھنے لگا۔

”ہاں! اٹھیک ہے، جب میرا دل ویران ہو چکا۔ تو کسی کا کیوں آباد ہو۔ یہی سب ہونا چاہیے تھا۔“

وہ اپنے اندر کے غصے پر قابو پا ناگھر سے ہی نکل گیا۔



”کب تک اپنے ہوتے سوتے کو روتی رہے گی؟“  
حمیدہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئیں۔

مریم نے آنکھوں سے بازو مارا انہیں دیکھا۔



”جب تک مجھے اس کمرے میں بند رکھیں گی۔“  
 ”مجھے کوئی شوق نہیں تیرے جیسی اولاد کو گھر میں رکھ کے گند ڈالنے کا۔“  
 ”تو کدیں رخصت۔۔۔ جان چھڑا لیں اس گند سے۔“  
 وہ بد لحاظی سے گویا ہوئی۔  
 ”وہی کرنے لگی ہوں۔۔۔ آئی بیٹھی ہے تمہاری ساس۔ ابھی شادی کی بات کر کے دفع کرتی ہوں۔“  
 ”مال۔۔۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔  
 ”اب ایک لفظ نہ کہنا زبان کاٹ دوں گی۔ اب اٹھ کر حلیہ ٹھیک کر اور چائے لے کر آ۔ تیرا پوہن بیٹھا ہے۔ زیادہ آنا کافی کی تو نعمان کو بلا لوں گی۔“ حمیدہ غضب ناک ہوئیں۔  
 ”جس کو مرضی بلا لیں۔ میں چائے نہیں بنا رہی۔“  
 مریم ہٹ دھرمی سے بولی۔  
 ”بے غیرت، کمینہ!“ حمیدہ ہاتھ تان کر اس کی طرف لپکیں۔  
 ”ہن جی۔۔۔!“ مریم کے عین سر پر جا کر انہیں ساکت ہونا پڑا۔ پھر کھینکی سی ہنسی ہنسنے لگی۔  
 ”وہ میں۔۔۔“  
 ”ہاتھ نیچے کر لیجئے۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔  
 حمیدہ نے کھینک کر ہاتھ نیچے کیا۔  
 ”ذرا اصل اس کی طبیعت۔۔۔“  
 ”جانتی ہوں اور یہ بھی پتا ہے کیوں خراب ہے۔“ ان کے لمحے میں طنز ہی طنز تھا۔ مریم نے بھی ابھ کر انہیں دیکھا۔  
 ”آپ بیٹھیں۔۔۔“  
 ”میں بیٹھنے نہیں۔۔۔ صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ اپنے گھر کا گند اپنے گھر میں ہی سنبھال کر رکھیں۔“  
 ”جی۔۔۔“ حمیدہ ہکا بکار ہو گئی۔  
 ”میرے اپنے گھر میں بیٹیاں ہیں اور ایک مچھلی سارے جل کو گندا کر رہی ہے اور اس قسم کی لڑکیاں پورے خاندان کو بدنام کرتی ہیں۔“ انہوں نے ہاتھ سے مریم کی طرف اشارہ کیا۔  
 ”آپ کیا بولے جا رہی ہیں؟ میرے ہی گھر میں

کھڑی ہو کر میری بیٹی پر الزام لگا رہی ہیں ہوش میں آکر غصے سے بولیں۔  
 ”میں نہیں لگا رہی۔ اس کے عاشق کا خون کیا اگر لڑکی راضی نہیں۔ تو کیوں زبردستی لے جا رہی ہوں۔ اس نے صاف کہا ہے کہ یہ لڑکی اس سے کرتی ہے۔ زبردستی ہوئی تو پھر سے بھاگ جائے گی۔ حمیدہ دل پر ہاتھ رکھے کرسی پر ڈھے گئیں۔  
 ”مریم خود بھی حق پر رہ گئی تھی۔  
 خاتون اچھی طرح جس کے اور انگوٹھی منہ پر چلی گئیں۔  
 ”مریم نے نظریں اٹھا کر کہاں کو دیکھا۔ اس کا خیال تو وہ چپل لے کر اس پر ٹوٹ پڑیں گی، مگر وہ اپنی جگہ ساکت و صامت بیٹھی تھیں۔  
 ☆ ☆ ☆  
 فضا میں ڈھلتی سہ پہر کی اداسی تھی، آسمان کے درخت پر پتوں میں چھپی کوئل دھیرے دھیرے کوک رہی تھی۔  
 ”عزیزہ نے پورے لان پر بے توجہی سے ڈھکے ڈھرائی۔ وہ کب سے بیرونی کوریڈور میں کرسی پر بیٹھی تھی۔  
 ”ذہن مختلف سوچوں کی آگاہ جگہ بنا تھا، مگر کسی ایک نقطہ پر جتنا تھکا ہوا تھا، نیلے اسے دو تین بار کہہ کر بھی۔  
 ”مگر وہاں سے اٹھنے پر آمادہ نہ تھی۔ آخر تک کر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اندر چلی گئیں۔ ابرار نے اسے گٹ سے ہی دیکھ لیا تھا، مگر اس کے برتنے میں قدم رکھنے تک عزیزہ متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہولے سے کھنکارا۔  
 ”السلام علیکم!“ عزیزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔  
 ”کچھ لمحے غائب دماغی سے دیکھنے کے بعد سر جھکا لیا۔  
 ”طبیعت کیسی ہے؟“ ابرار نے نرمی سے پوچھا۔  
 ”اچھی ہے۔“ آواز اتنی مدھم تھی کہ ابرار کو صرف اندازہ ہوا کہ جواب آیا ہے۔  
 ”یونیورسٹی کب سے جاری ہیں؟“  
 ”یونیورسٹی؟“ وہ مگر ٹکرا باریکی شکل دیکھنے لگی۔  
 ”نہیں جا رہیں؟“ ابرار کو اندازہ ہوا۔

”ایسا کر لوں گی جا کر؟“ عزیزہ کے لمبے میں تلخی سمٹ گئی۔  
 ”تو جا کر کیا کریں گی؟“ وہ مسکرایا۔ عزیزہ کو اس کی سربراہت نہ رہ گئی۔  
 ”آپ کا فائل ایئر ہے۔“  
 ”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے اب کس کے لیے پھانسا ہے۔ کون ہے جو میری کامیابیوں کا شکر ہو گا؟“  
 ”بے زاری سے بولی۔“ ”زندگی تو یوں بھی گزر رہی جائے گی۔“  
 ”ٹھیک کہا آپ نے؟“ زندگی تو یوں بھی گزر جائے گی۔“  
 اس نے فوراً اتفاق کیا۔ ”لوگ تو خواہ مخواہ اتنی اسٹرنگ میں لگے ہیں۔ حالانکہ زندگی تو ایک کرسی پر بیٹھ کر بھی گزر جائے گی۔“  
 ”تم۔۔۔“ عزیزہ نے جھنجھلا کر کچھ کہنا چاہا۔ ابرار نے سنجیدگی سے بات قطع کی۔  
 ”عزیزہ بی بی! زندگی کی علامت آپ رول ہے۔ ایک جگہ ٹھہرنا تعفن، گدلا پانی نہیں۔ لوگ بھی آپ رول کی رولائی دیکھتے ہیں۔ ٹھہرے پانیوں کا تعفن سونگھنے نہیں بیٹھ جاتے۔ اب آپ کو کئے کرنا ہے کہ آپ خود کو کس مقام پر رکھتی ہیں۔“  
 عزیزہ کچھ لمحے بول ہی نہیں سکی۔ وہ اس کے سامنے بڑی کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ جما کر جھکا۔  
 ”ابھی تک ٹوبان کو بھولی نہیں؟“  
 ایک غیر متوقع سوال۔ عزیزہ تڑپ کر رہ گئی۔  
 ”میں اسے اپنی نفرت کے قاتل بھی نہیں سمجھتی۔“  
 ”وہی گنڈ۔۔۔“ اس نے کرسی پر ہاتھ مارا۔  
 ”تو پھر یوں جوگ لے کر اس کی ٹوکسین کا سامان کیوں بنا رہی ہو؟“ اس نے جہیں چپٹ کیا۔ تمہاری محبت کا مذاق بنایا۔ گھر والوں نے تمہارے کردار پر کچھ اچھا اور تم منہ چھپا کر بیٹھ گئیں۔ کم آن عزیزہ! بیرونی ثابت کرو کہ تم اتنی گزروں میں ہو کہ لوگ یوں تمہیں ریگید کر گزر جائیں۔ اس خود ترسی سے نکلے۔ خود کو اس مقام تک لے جاؤ کہ یہ لوگ تمہیں کھونے

# خاتون

بہنوں کا اپنا ہاتھ

لاہور

جولائی 2012 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

جولائی 2012 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ اداکار ”میاں مرغوب احمد ہمدانی“

سے کاشف گورچیک کی ملاقات،

☆ ”خواہشوں کا موسم“ **ہما عامر** کا مکمل ناول،

☆ ”احساس وفا“ **قرۃ العین رائے** کا مکمل ناول،

☆ ”ستم گزیدہ“ **سدرہ سحر عمران** کا مکمل ناول،

☆ ”سچ کی سبولی“ **سندس جبین** کا مکمل ناول،

☆ ”مجھ پر یقین رکھنا“ **نازیہ مغل** کا ناول،

☆ اس کے علاوہ **حمین اختر، ہمارا، وراثتہ، ساجد، بشر، ناز،**

ناول ریاض اور خدیجہ فضل کے افسانے،

☆ ”وہ ستارہ صبح اُمید کا“ **فوزیہ غزل** کا

سلسلے دار ناول،

☆ ”تم ہی آخری جزیرہ ہو“ **ام مریم** کا

سلسلے دار ناول،

☆ اس کے علاوہ

بیارے نمی علی کی کہانیاں، انشاء نامہ، انٹرویو اور شوہر کی دنیا کی دلچسپ معلومات کے علاوہ کتاب کے سبب مستقل سلسلے شامل ہیں

جولائی 2012ء

کا شمارہ آج ہی اپنے قریبی کتب خانوں سے طلب کریں



حرف افسوس میں۔ اس طرح ہار کر بیٹھ جانے سے کچھ نہیں ہونے والا۔ سوائے اس کے کہ لوگ تم پر نہیں گئے، تمہاری کمزوریوں کو اچھا نہیں گئے۔ اور عریشہ اتم کمزور نہیں ہو۔ وہ ہم لہجے میں سمجھاتا چلا گیا۔

عریشہ نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظ لبوں پر جیسے منجمد ہو گئے۔

”سوری! میں شاید کچھ زیادہ بول گیا۔ لیکن میری باتوں پر غور ضرور کرنا۔ میں خالہ سے مل لوں۔“ وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

عریشہ نے دھندلائی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔

”کیا واقعی کچھ لوگوں کے چند لفظوں میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ وہ حوصلہ ہارے لوگوں کو پھر سے کھڑا کر دیں۔“

عریشہ کو واقعی لگا کہ وہ اسے دھیرے سے کھڑا کر گیا ہے۔

\*\*\*

ثوبان نے اپنے سامنے بیٹھی سنیعہ کو پر شوق نگاہوں سے دیکھا۔ وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور چار منگ ہو گئی تھی۔ رٹھ نورٹ کی نیم تاریک فضا میں وہ ہیرے کی طرح دکھ رہی تھی۔

”اور سناؤ! کیا ہوتا رہا؟“ سنیعہ نے بے حد نزاکت سے اپنے لب نشو سے صاف کیے۔

”وہی روٹن ورک۔“ ثوبان نے جوس کا گھونٹ بھرا۔

”شادی کر لی۔؟ وہ تمہاری کزن۔ کیا نام تھا؟“

”عریشہ۔“ ثوبان نے دم لہجے میں بتایا۔

”ہاں! عریشہ۔ کیسی ہے؟ اب تو بچہ و بچہ بن گئی ہو گی۔“

”پتا نہیں۔“ ثوبان نے بے زاری سے جواب دیا۔

”کیا مطلب پتا نہیں؟ وہ تم لوگوں کے ساتھ ہی تو

رہتی تھی۔“ سنیعہ نے حیرت سے پوچھا۔  
”اب نہیں رہتی۔“ ثوبان نے مختصراً کہا۔  
از جلد اس موضوع سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔  
”کیا مطلب؟“ وہ الجھ گئی۔

”سنیعہ! ہم یہاں عریشہ کو ڈسکس کرنے بیٹھے ہیں۔“ وہ بے حد آکٹا ہٹ سے بولا۔

وہ اس سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ کیسے اس نے پل سنیعہ کے لوٹنے کا انتظار کیا تھا۔ اور یہ کہ وہ اس نیلے ٹاپ اور سفید ٹراؤزر میں کتنی یک اور خوب صورت لگ رہی ہے۔ حالانکہ سنیعہ کو خود بھی اس بات کا بخوبی احساس تھا۔

سنیعہ نے غور ثوبان کو دیکھا اور مسکرا دی۔  
”آف کورس! ناٹ۔“

”تم نے اتنا عرصہ کیوں لگا دیا۔ جبکہ گئی تو صرف وہاں کے لیے تھیں۔“

”وہاں سے واپسی کا دل کہاں چاہتا ہے۔ اب بھی سمجھو! یہاں کے کچھ ادھورے کام وائز اپ کرنے آئی ہوں۔“ سنیعہ نے مینیو کارڈ اٹھاتے لاپرواہی سے کہا۔

ثوبان نے اسے رشک سے دیکھا۔ وہ جس دن سے پاکستان آئی تھی۔ ثوبان اس سے ملنے کے لیے مسلسل رابطہ کر رہا تھا۔ بس سنیعہ کے پاس ہی وقت نہیں تھا۔ آج بھی بڑی مشکلوں سے بچ کے لیے آلاہ ہوئی تھی۔ ثوبان آج دل لگا کر تیار ہوا تھا۔ خوشی سے قدم زمین پر نہیں ٹھہر رہے تھے۔ آج وہ اپنی زندگی کا بہت اہم فیصلہ کرنے جا رہا تھا۔ ایسا فیصلہ جس کے بعد وہ

لحوں میں آسمان چھونے کو تیار تھا۔

”بس اماں! دیکھنا اب تیرے بیٹے کے دن پھر نے والے ہیں۔“ اس نے خود بڑھیر سارا رنوم چھڑکتے ہوئے ماں سے کہا تھا۔ اس کے لہجے میں ایسی سرشاری تھی کہ نعمان بھی ٹھٹھک کر رہ گیا اور طعنے سے کہنے لگا۔

”کیوں تمہاری لاٹری ٹھنڈی والی ہے؟“

”یہی سمجھ لیں۔“ ثوبان نے قہقہہ لگایا، پھر مصنوعی حیرت سے نعمان کو دیکھا۔

”مگر بھائی جان! آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں؟“  
”ہاں! اجا کر عریشہ کی منتیں کریں۔ ورنہ ایسا نہ ہو جس دن میں میں لاکھ کی گاڑی میں بیٹھوں۔ آپ سڑک پر آجائیں۔“ نعمان اس کا گریبان پکڑنے کو تیار تھا مگر

ہند چل میں آگئیں۔  
سنیعہ نے مختصراً آڑ دیا۔

”بس۔؟“ ثوبان نے حیرت سے پوچھا۔ ورنہ وہ

بٹ خوا خواہ ڈشٹر منکواتی جاتی خواہ بعد میں چکھنے کی بات بھی نہ آئے۔

”ہاں! سنی! تمہاری جیب کا خیال بھی تو کرنا ہے۔“

آخر یہ تو تمہاری طرف سے ہے۔“ وہ ہنسی۔  
ثوبان کو ایک ہی بل میں اپنی اوقات یاد آگئی۔ وہ

پچکے سے انداز میں مسکرا دیا۔  
”تم چیخ ہو گئے ہو یا مجھے لگ رہا ہے؟“ وہ اب

فرصت سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔  
”نہیں تو ویسے کاویا ہوں۔“

”اب تمہیں شادی کرنی چاہیے۔ کس بات کا انتظار ہے؟“ وہ اپنی انگلی میں بڑی انگلی گھمائے گی۔

”تمہارا۔“ ثوبان نے اس پل کو گزرنے نہیں دیا۔ فوراً پکڑ لیا۔

سنیعہ اس کے انداز پر ٹھٹھکی پھر لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولی۔

”تو جلدی کرو۔ میں تو یہاں صرف ایک ماہ کے لیے ہوں۔ اس کے بعد جازب کے ساتھ کینڈا شفٹ ہو جاؤں گی۔“

”جاذب؟“ ثوبان نے چونک کر پوچھا۔  
”مائی فائنٹی۔!“ سنیعہ نے آطمینان اور سکون سے اس کے سر پر ہنپھوڑا۔

وہ اپنی جگہ سے مل نہ سکا۔  
”ہم نے امریکا میں منتقلی کر لی تھی۔“

”لیکن تم نے۔ تم نے تو مجھے۔“ الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

”وہ میرا جذباتی پن تھا۔“ سنیعہ نے ازلی آطمینان سے بات کا آغاز کیا۔ ”لیکن وہاں اپنے کزن سے مل کر

احساس ہوا۔ لائف پارٹنر ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ آپ پر رشک کریں تاکہ ترس کھائیں۔ انسان کی حیثیت شادی کے بعد کچھ اور بلند ہو۔ آپ اپنے اسٹیپ سے کئی اسٹیپ اوپر چلے جائیں۔ یہ نہیں کہ خود نیچے اترا پڑے۔ اور ثوبان! تمہارا گل ٹھیک تھے۔

تمہارے لیے وہی لڑکی مناسب ہے۔ عریشہ ساری زندگی تم سے محبت بھی کرے گی اور خدمت بھی۔“

اس نے شرارتی انداز میں لفظ خدمت ادا کیا۔ ”تم دونوں ایک جیسے ہو۔ تمہارا انٹینس، لائف اسٹائل میرے ساتھ بھی مینج نہیں کر پاتے۔ ویسے بھی تم نے انکار کر دیا تھا تو مجھے نہیں تو شادی کرنا ہی تھی۔“

وہ کھکھلا کر ہنسنے ہوئے اپنے بال ٹھیک کرنے لگی۔ اس کی انگلی میں ڈائمنڈ رنگ دکھ رہی تھی۔

لیکن ثوبان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ کچھ لمحوں پہلے وہ آسمان پر تھا اور اب قدموں تلے

زمین بھی نہ تھی۔  
وہ بڑھکھانا چنے لگا۔

ثوبان نے اپنی بچی کچی ہمت مجتمع کی اور خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

سنیعہ اس کی حرکت کو اپنی توہین سمجھتی، مگر ثوبان کی کیفیت سمجھ نہ رہی ہوئی۔

اس نے آطمینان سے نہیکن بچھایا اور کھانا کھانے لگی۔

\*\*\*

”مجھے پہلے ہی پتا تھا۔ یہ لڑکی کوئی نہ کوئی گل کھلائے گی۔ اس کی حرکتیں ہی ایسی تھیں اماں! بس تم نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔“ بانو کی پاٹ دار آواز پورے صحن میں گونج رہی تھی۔

”اچھی تک تو کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ پر تو ایسا کر لاؤڈ اسپیکر لے کر پورے محلے میں شکر کر آ۔ آہستہ آواز

میں بات نہیں کر سکتی؟“ حمید نے جل بھن کر کہا۔

”منتقلی توئی ہے۔ خبر تو پھیلے گی۔ ایسی باتیں چھپی تھوڑی رہتی ہیں۔ یوں، یوں۔“ چٹکی بجاتے

ہوئے ”پھیلتی ہے۔“

لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ان کی بیٹی ان کا دکھ بانٹنے آئی ہے۔ وہ تو کسی گنتی کی محلے والی کی طرح چمکے لے رہی تھی۔ حمیدہ بد مزہ ہو گئیں۔

”کیا کروں؟ سمجھ میں نہیں آتا“ اسے کہاں دفع کروں۔۔۔ اور نعمان کہتا ہے ہفتے کے اندر اندر رخصت کرو۔ ورنہ گلا خوںٹ کر مار دوں گا۔“ حمیدہ سچ مچ پریشان تھیں۔

”تو اسی کو بلا لو۔۔۔ ساتھ میں دفع کرو۔۔۔ ایویں کیوں پریشان ہوتی ہو اماں۔۔۔ جب لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔“ بانو نے مزے سے مشورہ دیا۔  
”نعمان نے اسے نہ دیکھا ہوتا تو بہانے سے بلوالیتی، اب سامنے آیا تو نعمان نے دونوں کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔“

”ہے کہاں؟“ بانو نے تجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

”دکان پر ہو گا۔“

”مریم کا پوچھ رہی ہوں۔“

”کمرے میں ہی ہو گی۔“

”ویسے ایک بات کہوں۔“ بانو نے رک کر کہاں کو دیکھا۔

”تب سے باتیں ہی کیے جا رہی ہے۔ آگے بول۔۔۔“ حمیدہ بے زار ہوئیں۔

”اکرم کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی۔“ بانو نے اپنے دیور کا نام لیا۔

”ہیں۔“ حمیدہ جو ڈھیلی ڈھالی بیٹھی تھیں غورا“ چو کننا ہوئیں۔ ”اب وہاں جائے گا؟“

”کیوں نہیں مانے گا۔ لالچ ہی ایسا دوں گی۔“

”کیسا لالچ؟ ہمارے پاس کون سی زمین جائیداد ہے جو مریم کے نام لگا دوں گی۔“

”سیدھی سی بات ہے۔ مریم کا رشتہ اب کہیں اور نہیں ہونے والا۔ جنہوں نے مفتی توڑی ہے وہ چپ نہیں رہیں گے۔ ہر جگہ مفتی ٹوٹنے کی وجہ دو سے ضرب لگا کر دیں گے۔ اور ایسی باتیں جنگل کی آگ

کی طرح پھیلتی ہیں۔ بدنامی تو ہو گی۔ ان حالات میں اکرم سے اچھا رشتہ مریم کے لیے نہیں ملے گا۔ پس نہ کرو کہ نعمان کے لیے میری منہ کا رشتہ لے لو۔“ حمیدہ حق دتی رہ گئیں۔

”تو بڑی چالاک ہے بانو۔“

”میری منہ اتنی بھی بری نہیں۔“ ایف اے پاس ہے۔ سلائی کر رہا لی میں ماہر ہے اور تجھے کیا چاہیے اماں! دونوں ایک گھر میں نمٹ جائیں گے۔“

”لیکن اگر اس کے ہوتے سوتے نے پھر فون کر دیا

تو۔۔۔؟“ حمیدہ متعذب تھیں۔

”اماں! تو اکرم کو کیا سمجھتی ہے۔ سارا محلہ اسے

اکرم بد۔۔۔“ بانو نے ”بد معاش“ کہتے کہتے زبان

دانتوں تلے دلی۔ ”فون کرنے والے کی کچی موڑ دے

گا۔۔۔ میں پہلے ہی اس کے کان میں یہ بات ڈال دوں گی

کہ کوئی آوارہ لنگھا ہماری مریم کو تنگ کر رہا ہے۔

اسی لیے تو جلدی جلدی شادی کرنا پڑی۔“

”بانو! تو سچ بڑی چالاک ہے۔“ حمیدہ کانوں کان

راضی ہو گئی۔

”اماں! آخر تیری بیٹی ہوں۔“ بانو نے خود ہی اپنے

کندھے پر ہتھکی دی۔

”پر اماں! تجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ مریم کا

اس لڑکے کے ساتھ رابطہ کیسے ہو رہا ہے؟“

”لو۔۔۔ رابطہ کیسے ہو گا؟ عزت کے ذریعے اس کی

نوکری چھڑا کر گھر بٹھالیا۔ سارا دن کمرے میں بند رہتی

ہے۔“

”نہ اماں! ایسے کام بغیر بطوں کے نہیں ہوتے۔“

بانو نے پرسوج انداز میں سر ہلایا۔ ”کوئی نہ کوئی

ذریعہ تو ہے۔“

”کیا ذریعہ ہو گا؟ عریضہ ہوتی تو میں سمجھتی اس کے

ذریعے رابطہ ہے۔ وہ بھی دفع ہوئی۔ ابراہم بھی چلا گیا

۔۔۔ یہاں نہ کوئی آئے، نہ جائے۔ میں اور تمہارا

باپ سارا دن گھر ہی ہوتے ہیں۔“

”چھا۔“ بانو سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔



”تو نے واپس جانا ہے؟“ حمیدہ نے پوچھا۔  
 ”نہیں! رات رکوں گی۔“  
 ”بچے ساتھ نہیں آئے۔۔۔؟“  
 ”رہ گئیں کے دادی کے پاس۔ کون سا چھوٹے ہیں۔“  
 ”بانو نے لاپرواہی سے ہاتھ ہلایا۔  
 ”اچھا۔۔۔ میں ہانڈی پڑھاؤں۔“  
 ”ہاں اور اماں! نعمان سے بھی بات کر لیتا۔ یہ نہ ہو  
 کہ عین وقت پر مکر جائے یہ روز روز کے تماشے  
 اچھے نہیں۔“  
 ”ہاں۔۔۔ ہاں کر لوں گی۔“  
 تب ہی ثوبان اندر آیا۔ اور ان کی طرف دیکھے بغیر  
 سیدھا بیڑھیاں چڑھ گیا۔  
 ”نہ سلام نہ دعا۔ اس کا بوتھا کیوں سو جا ہوا ہے۔“  
 بانو نے تیوری چڑھا کر کہا۔  
 ”اللہ جانے! کیا تو بڑا خوش باش تھا۔“ حمیدہ  
 بڑبڑائیں۔

\*\*\*

فاطمہ، محسن اور نبیلہ کے سامنے ناشتے کے  
 لوازمات چن رہی تھی۔  
 ”عریشہ کو بھی بلالیا کرو۔۔۔“  
 ”بہت زور دیتی ہوں، مگر وہ آتی ہی نہیں ہے۔۔۔  
 اسی لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔“ نبیلہ  
 نے بتایا۔  
 ”میں جب سے واپس آیا ہوں۔۔۔ اسے بہت گم  
 صم اور اداس دیکھ رہا ہوں۔ یونیورسٹی بھی نہیں جاتی۔“  
 محسن نے شکر انداز میں کہا تو فاطمہ نے گہرا کر  
 نبیلہ کو دیکھا۔  
 ”کبھی کبھی ڈپریشن میں آجاتی ہے۔۔۔ تو یوں ہی ہر  
 چیز سے کٹ جاتی ہے۔“ انہوں نے نارمل انداز میں  
 بتایا۔  
 ”یہ تو اچھی بات نہیں۔۔۔ اسے کسی سائیکلائسٹ  
 کو دکھائیں۔“  
 ”دھیرے دھیرے ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے تھوڑا

وقت دو۔۔۔ سنبھل جائے گی۔“  
 ”بہت برا سلوک کیا ہے ماموں لوگوں نے  
 کے ساتھ۔۔۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے۔“ اس  
 دے دے لہجے میں شدید غصہ تھا۔  
 فاطمہ نے سر جھٹک لیا۔  
 ”بس! جو ہو گیا۔ اسے بار بار دہرانے کا کوئی فائدہ  
 نہیں۔“ نبیلہ نے ہاتھ اٹھا کر محسن کو مزید کچھ بھی کہنے  
 سے روک دیا۔  
 ”جی! آپ کے تو بھائی بھانویں ہیں۔ آپ کیوں کہنے  
 دیں گی۔“  
 ”جو غلط ہے وہ غلط ہے، لیکن ناشتے کے وقت اس  
 ٹاپک کو چھیڑنا ضروری ہے؟“  
 نبیلہ کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری در آئی، جسے  
 محسن کر کے محسن چپ کر گیا۔  
 ”فاطمہ! ڈھنگ سے ناشتا کرو۔“  
 نبیلہ کے کہنے پر محسن نے چونک کر فاطمہ کو دیکھا۔  
 وہ اب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔ اسے بھی  
 احساس ہوا کہ اسے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔  
 آخر اس سب میں فاطمہ کا کیا تصور۔  
 ”بس! عریشہ پر بہت ترس آتا ہے۔ اتنی سی عمر  
 میں اتنے سارے دکھ دیکھ لیے، اس لیے کبھی کبھار  
 جذباتی ہو جاتا ہوں۔“ یہ معذرت خواہانہ انداز بقیہ  
 فاطمہ کے لیے تھا۔  
 فاطمہ نے ہلکی سی نظر اٹھا کر محسن کو دیکھا تو وہ مسکرا  
 دیا۔ لیکن دروازے میں کھڑی عریشہ ابھی محسن کے  
 چلنے پر انگلی تھی۔  
 ”تو کیا واقعی وہ اب اسی قابل ہے کہ لوگ اس پر  
 ترس کھائیں؟“  
 وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔  
 ”لیں! نعمان بھی آگیا۔۔۔ اماں! اس سے بات کرلو  
 تو میں آج ہی گھر بات کر سکتی ہوں۔“ بیرونی دروازے  
 سے اندر آتے نعمان کو دیکھ کر بانو نے سر کو شی میں کہا۔  
 ”کیسی ہو آپ!۔۔۔ نعمان قریب آگیا۔  
 ”میں ٹھیک ہوں۔“

”اماں! فون کر دیتیں۔ میں بچوں کے لیے کچھ پھل  
 تلے آتا۔“  
 ”بچے تو ساتھ آئے نہیں۔ رات ادھر ہی ہے جو  
 مرضی ہے آتا۔“ حمیدہ نے کہا۔  
 بانو ہانے سے اٹھ کر مریم کے کمرے میں آگئی۔  
 مریم نہانے لگی تھی۔ بانو نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی  
 مجلس طبیعت نے اسے بیٹھنے نہیں دیا۔ تب ہی وہ  
 مریم کی الماری تپت کرتے لگی۔ ایک ایک کپڑا جھاڑ  
 جھاڑ کے دیکھا۔ پھر نیچے بیٹھ کر جوٹوں والا خانہ بھی  
 ٹھیل لیا اور جوٹے کے ڈبے میں اسے گھر مقصود مل  
 گیا۔  
 ”یہ کوئی بات ہے کرنے والی۔“ نعمان جھنجھلا گیا۔  
 ”میں نے مجھے ساری بات کھول کر بتادی ہے۔۔۔  
 آگے اپنی مرضی دیکھ لے۔ میرا مجھ پر کوئی زور نہیں  
 پر کیا کروں؟ پیٹ کی جی ہے۔۔۔ آخر کدھر دکھا  
 دل۔“  
 ”میں نے کہا نا۔۔۔ جو بات تھی، تجھے بتادی۔۔۔  
 آگے تو مختار ہے۔“ حمیدہ اولاد کے ہاتھوں بے بس ہو  
 چکی تھیں۔  
 ”کیا تھا اماں! جو تو میری شادی عاشقہ سے ہو جانے  
 دیتی۔“ دل میں تیر کی طرح کڑا شکوہ زبان پر آہی گیا۔  
 حمیدہ ہری طرح چونکیں۔  
 ”میں۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟“  
 ”نہیں! اچھی طرح پتا ہے اماں! ساری زندگی  
 تو نے ہر اچھی چیز ثوبان کو دی اور میں نے خوشی خوشی  
 دے بھی دی۔۔۔ بس! ایک میرے دل کی خوشی مجھے  
 دے دیتیں۔۔۔ میں ساری زندگی احسان مند رہتا۔“ وہ  
 افسوس اور تلخی سے کتا چلا گیا۔  
 ”میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ پھر تو نے کون سا مجھے  
 بتایا تھا کہ تو اس استائی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ خود ہی  
 تو عریشہ کے پیچھے پر گیا تھا۔“ حمیدہ بوکھلائی۔  
 ”ٹھیک کہا ساری غلطی تو میری ہی تھی، بہر حال  
 سے۔“ وہ کھڑا ہوا۔ ”یہ بے جوڑ شادی نہیں ہو سکتی۔“  
 ”لیکن مریم۔۔۔“

”جہنم میں جائے مریم۔ میں نے اس سارے  
 خاندان کا ٹھیکہ لے رکھا ہے سارے مسئلے میں نے  
 ہی حل کرنے ہیں؟ وہ نواب کا بچہ بھی تو ہے۔ اس کی  
 کرو۔“ وہ بھڑک اٹھا تب ہی اندر شور سا ہوا۔  
 مریم نما کر تو لیے سے بال رگڑتی غسل خانے سے  
 نکلی تو بانو کے ہاتھ میں موبائل دیکھ کر بوکھلا کر کہی۔  
 ”آپا! یہ۔۔۔“  
 ”اچھا۔۔۔ تو اس پہ سارے صلاح مشورے ہوتے  
 ہیں۔“ بانو نے موبائل لہرایا۔  
 ”آپا! یہ مجھے واپس کر دیں۔“ اس نے لپک کر پکڑنا  
 چاہا۔ بانو نے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا۔  
 ”تو تو کچھ زیادہ ہی بے حیا ہو گئی ہے۔۔۔ تیرے  
 جیسی بے شرم لڑکی تو ہمارے پورے خاندان میں نہیں  
 ۔۔۔ کھے ڈال رہی ہے بوڑھے ماں باپ کے سروں پر۔“  
 وہ زور زور سے بولنے لگی۔ مریم کو ڈر تھا، آوازیں  
 باہر گئیں تو نعمان اندر آجائے گا۔  
 ”آپا! یہ مجھے دے دیں۔ اس کے بعد بات کریں  
 گے۔“ وہ موبائل چھیننے کی کوشش کرنے لگی۔  
 ”کیوں؟ اب اس کے ساتھ گھر سے بھاگنے کے  
 منصوبے بنانے ہیں؟ بے غیرت! ڈوب کے مر جا۔“  
 وہی ہوا۔ بانو کی چیخ و پکار پر نعمان اور حمیدہ اندر  
 آ گئے۔  
 ”کیا آفت آگئی ہے۔۔۔؟ اس گھر میں کوئی بات  
 سکون کے ساتھ نہیں ہو سکتی؟“ نعمان چلایا۔  
 ”نعمان! یہ دیکھ اس کہنی کے کروت۔ اس  
 موبائل پر رابطے رکھے ہوئے ہیں اور میری بھئی ماں  
 کہتی ہے رابطہ کیسے ہو سکتا ہے۔“  
 بانو نے لپک کر موبائل نعمان کو تھمایا۔  
 مریم اپنی جگہ بہت دن گئی۔  
 نعمان نے پہلے موبائل کو پھر مریم کو شعلہ بار  
 لگا ہوں سے دیکھا۔  
 دوسرے لمحے موبائل پوری قوت سے مریم کے سر  
 کے عین پیاس دیوار سے ٹکرایا۔  
 (باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



# سکائی ہوئی لڑکی

کانا ولایت

عریشہ نے سائن کرنے سے انکار کر دیا تو نعمان کو غصہ آ گیا۔ اس نے عیدہ کو دواں سے بھیج دیا اور عریشہ پر تشدد کرنے لگا۔ عریشہ کی جینس من کر ابراہیم دہاں پہنچ گیا۔ اس نے عریشہ کو بچانے کی کوشش کی۔ مگر اسی وقت عیدہ مکمل والوں کے ساتھ وہاں آگئیں اور ابراہیم اور عریشہ پر ناجائز تعلقات کا الزام لگا دیا۔ توہان بھی آگیا مگر اس نے بھی عریشہ کو بچانے کی کوشش کی۔ عریشہ کو بے حد صدمہ ہوا وہ بے ہوش ہو گئی۔

فدے نے مریم کے سسرال فون کر کے مریم اور اپنی محبت کے بارے میں بتا دیا۔ انہوں نے مریم کے رشتے سے انکار کر دیا۔ توہان نے منعبد سے شادی کی بات کی تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اسے اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ شادی ہم پہلے شخص سے ہی کر لی جا چکی ہے۔

عریشہ ہر وقت کم مہم رہنے لگی۔ وہ زندگی سے دور ہوتی گئی تھی مگر پھر ابراہیم کی کوششوں سے وہ رفتہ رفتہ زندگی کی طرف واپس آنے لگی۔

مریم کے لیے بانوائیک بار پھر اپنے دیور کا رشتہ لے کر آگئی۔ اس نے مریم کے کمرے کی تلاشی لی تو مریم کا میوا سلی اس کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ مریم پر پختہ ہو گئی۔ اسی وقت نعمان وہاں آگیا۔

## آٹھویں اور آخری قسط





مریم نے آنکھیں پونے دھو کر دیکھ لیں۔  
اسے پورا یقین تھا یہ موبائل اس کے سر پر لگے گا۔  
موبائل کے ٹکڑے مریم کے آس پاس بکھر گئے۔  
نعمان ایک کراس کا گلابانے کو تھا مریم حیدہ اور بانو  
نے اسے جکڑ لیا۔

"ماروں گا۔" زندہ نہیں چھوڑوں گا۔  
"اسے مار کے اپنی زندگی کیوں جتاد کرتے ہو۔ یہ تو  
بے غیرت اور بے رحم ہو گئی ہے۔ اس بے حیا کے  
لیے جیل کی ہوا کھانے کے؟" بانو نے اس کا بازو پوری  
قوت سے دبوچ رکھا تھا۔

"تو کیا زندہ چھوڑ دوں کہ یہ گلیوں میں اپنے عاشق  
کے ساتھ ہماری عزت روٹی کرے؟"  
"نکل چڑھو اس کے فوج کر۔ اس کا یہی علاج ہے۔"  
نعمان رنگ کر کچھ کسے تھر تھر کانپتی مریم کو خوں خوار  
نظموں سے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے! جمعہ کو اس کا نکاح ہے۔ بس دو چار  
بندے آجائیں۔ مجھے تم لوگوں کی ہر شرط منظور  
ہے۔"

وہ بانو سے بازو چھڑا کر باہر نکل گیا۔  
مریم جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ اس کا پورا  
وجود ہچکچاہٹ کی زندگی تھا۔

"بس! بوسے ایران پورے۔" بانو نے کھانے جانے  
والی نظموں سے مریم کو دیکھا۔ "تجھ جیسی لڑکیاں پیدا  
ہی اس لیے ہوتی ہیں کہ ماں باپ کے سروں پر گھنے  
ڈال سکیں۔ اہ! ہم بھی تو تھے ان ہی گلی گلوں میں  
کھیل کود کر جوان ہوئے۔ عشق عاشقی کے یہ کھیل  
ہمیں تو نہ سوجھے۔ یہ زنا پیدا ہوئی تھی۔" بانو بھی  
گرجت برس کر چلی گئی۔

مریم نے دست دلائی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔ اور  
بھاگ کر حیدہ کے پیروں پر لے۔

"اہ! میں مرجاؤں گی۔ ایسا مت کرو۔ میں  
فدے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"زندہ تو دویے بھی نہیں بچے گی مریم۔" حیدہ نے  
ٹھکے ٹھکے لہجے میں کہا۔ "عاقبت اسی میں ہے کہ

خاموشی سے نعمان کی بات مان لے۔"  
مریم نے ان کے پیچھے چھوڑ دیے۔

"کتنے عجیب لوگ ہو۔ عریشہ کو اس کی  
دلانے کے لیے خود اسی کے منہ سے انکار کر لیا۔"

راٹوں کو اٹھ اٹھ کر ٹوہن کے کمرے میں جاتی تھی۔  
لوگوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے اپنی ساری  
ٹوہن پر لٹا دی۔ تم لوگ خوش ہو کر تائیاں بجانے  
رہے۔ صرف اس لیے کہ وہ یہ سب آپ کے منے کے  
لیے کر رہی تھی اور عریشہ آپ کی نہیں ٹھاندا۔ کیا  
تھی۔ اسی لیے سب نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

اور میں یہ سب کسی اور کے لیے کر رہی ہوں تو  
قابل سزا ہوں؟ کتنا دغا پس ہے آپ لوگوں میں۔"  
"تو واقعی پاگل ہو گئی ہے۔" حیدہ کو یہ بھی باتیں  
ہنسنے نہیں ہوتی تھیں۔ تب ہی غصے میں پتی جیسی باہر  
نکل گئیں۔

"کاش! میں بچ چکا ہوں۔"

"کل سے کمرے میں بند ہے۔ باہر ہی نہیں نکلا۔  
پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ کیا تو بڑا خوش خوش تھا۔ دفتر  
بھی نہیں گیا۔"

حیدہ ابھی مریم کی فکر سے نکلی نہیں تھیں کہ ٹوہن  
کی فکر لاحق ہوئی۔

"میرے سر پر کھڑی ہو کر رڑ رڑ کر! جس کا جوتا  
سہاوتا ہے کمرے میں نہ پہلے کسی کھاتے میں تھا۔  
اب ہوں۔" برکت حسین نے بے زاری سے تڑا تڑا  
وہل مسوس کر اٹھ گئیں۔ گھر میں کوئی ایک فرد بھی  
ایسا نہ تھا جس سے وہ دل کا حال کہہ سکتیں۔ خاطر نے  
بھی آنا چھوڑ رکھا تھا۔

بھاری بھر کمرد کے ساتھ بیڑھیاں چڑھنا آسان  
نہ تھا۔ مگر وہ ہمت کر کے اوپر تک آ گئیں۔ ٹوہن  
اونچا ہلکا تھا۔

"ٹوہن! ابھی تک سویا ہے؟"

ٹوہن کوٹ بدل کر سیدھا ہوا تو دل دھک سے

ایس کی سرخ آنکھیں رات جنگوں کی آگ کا  
بکھرے بل بڑھی شیوہ اس نے آسمان چھوئے  
کی خواہش میں زمین سے پاؤں بھی اٹھا لیے تھے۔ منہ  
کھل کر مٹی تھا۔

"تجھے کیا ہوا ہے۔ بخار ہے؟"  
"نہیں! ٹھیک ہوں۔ آپ اوپر کیوں آئی ہیں؟"  
"تجھے کچھ میں حدود پر بے زاری تھی۔  
تجھے ہی دیکھنے آئی تھی۔ ورنہ مجھ سے کہاں  
بیڑھیاں چڑھی جاتی ہیں۔ کل سے مجھے ہی نہیں اڑا  
نہ کھانا نہ ناشتا۔"

"مر تو نہیں گیا تھا۔ آئی جاتا تھی۔"

"اللہ نہ کرے! کیسی عجیب بات کر رہا ہے۔" حیدہ  
نے دل پر کیلچر پر ہاتھ رکھا۔

"اہ! جاؤ تھی۔ یہ رات دل نہ کھاؤ۔"

"تو بڑا خوش خوش کیا تھا اس لڑکی سے بات کرنے  
کیا ہوا؟" حیدہ بھی کہاں بہت پارے والی تھیں۔

اب تک بات کی تہہ تک نہ پہنچ جاتیں۔  
"کیا ہونا تھا۔ اس منحوس گھر میں پہلے کچھ سیدھا  
ہوا ہے جواب ہوتا۔" وہ پھٹ پڑا۔ "کیا کیا ہمارے  
باپ نے ہمارے لیے؟ ساری عمر پلنگ پر بیٹھ کر  
بیٹوں کا کر گزار دی۔ کیا ہے ہمارے پاس؟ یہ وہ  
کے کا گھر۔ وہ بھی وہاں جہاں اس کی گاڑی بھی نہیں  
آ سکتی۔ کیسے ماں کر دیتی وہ۔ ہماری تو ساری زندگی  
سک سک کر گزار گئی اور آگے بھی اسی طرح  
گزرے گی۔ کیڑے کوڑے ہیں ہم۔ کیڑے  
کوئیوں جیسی زندگی۔"

"مجھے رب کا شکر بھی ادا کر لیا کر۔" حسب فطرت  
حیدہ کو تو آگیا۔

"کھانا تھا؟" وہ مزہ کریں کو لال لال آنکھوں سے  
نہرے لگا۔ "کبھی کبھی کھانا تھا ہمیں شکر کرتا؟ میں  
نے تو ساری زندگی اس گھر میں ہر کسی کو روٹے ہی  
دیکھا۔ پیٹ بھرا ہوتا تھا تب بھی وہی دوا دیا کہ ہائے  
ہم تو بھوکے مر گئے۔"

"اس لڑکی نے نا کر دی تو تپ ہم پر کیوں نکل رہا

ہے۔ تجھے رہا کیا لکھایا۔ نعمان کے منہ میں نوالہ  
ڈالنے سے پہلے تیرے منہ میں ڈالا۔ اچھی سے اچھی  
چیز تیرے لیے رکھی۔ اب یہ صلوے کا نہیں؟"  
حیدہ کو کچھ صدمہ ہوا۔ اپنی ساری اولادوں میں  
سے وہی سب سے پیارا تھا۔ اس کی خاطر ساری اولاد  
سے نا انصافی کر جاتیں۔ آج وہی طعنے ڈے رہا تھا۔

"تو کیا زلا کر دیا۔ سارے ماں باپ کرتے ہیں۔"

اب کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ بو جھل دل  
کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔

"ٹھیک کہا۔ سارے ہی کرتے ہیں۔ پر ساری  
اولادیں وہ نہیں کرتیں جو ہماری اولاد کر رہی ہے۔"

"اپنا بوا بیاں سامنے آتا ہے اہ! وہ بڑا ہلکا۔"

"پڑا رہے حجرے میں۔ پڑا رہے۔ پر کسی لڑکی  
کے پیچھے زندگی نہیں برباد کی جاتی۔ تیری نوکری ہے اور  
۔۔۔"

"وہ نوکری بھی تو اسی کی دین تھی۔ چھوڑ آیا  
ہوں۔"

"تو نے نوکری بھی چھوڑ دی۔" حیدہ کو تو چکر ہی  
آگئے۔

"ہاں۔" اس نے ہاتھ روم میں جا کر دوا دھاڑ  
سے بند کر دیا۔

حیدہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھ گئیں۔  
"یا اللہ! یہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"



مریم نے کھڑکی کا ڈر اس اپٹ کھول کر جھانکا۔  
نعمان نمائے کی تیاری میں تھا۔ اس نے اپنا کرتا

اتار کر تار پر ڈالا اور تولیہ اتار کر ہاتھ روم میں گھس گیا۔  
مریم کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کے پاس کی پانچ دس  
منٹ تھے۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر آئی۔

باورچی خانہ سے سالاد بھونکنے کی خوشبو آرہی تھی۔  
وہ دے پاؤں تار تک آئی۔ نعمان کا کرتا اٹھا کر اس کی  
جبین نٹوٹے لگی۔ اس کے ہاتھ ہی نہیں پورا وجود



کتاب رہا تھا۔  
کوئی بھی آج اتنا یہ آخری رستہ بھی بند ہو جاتا تھا۔  
تب ہی گوہر مقصود ہاتھ آگیا۔  
اس نے کرنا تار پر پھینکا اور تیزی سے کمرے میں آ  
گھسی۔

کاپتے لرزتے ہاتھوں سے نعمان کے سیل پر فدا کا  
نمبر لایا۔  
یہ نمبر وہ اس کی صفحہ پر لکھا تھا۔  
وہ سری سیل پر کل ریسرو کر لی تھی۔  
”ہیلو۔“

”فدا۔ میں مریم بات کر رہی ہوں۔“ وہ تیزی  
سے مگر گوشی میں بولی۔  
”مریم! اہل غائب ہو؟ تمہارا نمبر کیوں بند ہے؟“  
”میرا موبائل ان لوگوں نے توڑ دیا ہے۔“  
”تو گھر والوں کو بتا چل گیا کہ ہم۔“  
”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے فدا! گھر والوں  
نے میری شادی طے کر دی ہے مجھ کو نکاح ہے۔“  
”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”پلین مجھ کر لو۔ میرے پاس تم سے رابطے کا یہی  
آخری موقع ہے۔“ وہ رو پڑی۔  
”تو ٹھیک ہے! تم کسی طرح گھر سے نکل آؤ۔  
آگے میں سنبھال لوں گا۔ اگر گھر والے سیدھے  
طریقے سے ہماری بات نہیں مانتے تو یہی سسی۔ اب  
ہمیں یہ قدم اٹھانا ہی ہو گا۔“

”میں تیار ہوں۔“ مریم کے پاس سوچنے سمجھنے کا  
وقت نہیں تھا۔  
”تو پھر برسوں شام کو چار بجے کسی بھی طرح نکل  
آنا۔ میں تمہیں اس پارک میں اسی جگہ ملوں گا۔“  
”ٹھیک ہے! اب بند کرتی ہوں۔ کسی کو بتانہ چل  
جائے۔“  
”آئی لو۔“

مریم کے پاس جوبل دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس  
نے فون تیزی سے بند کر کے نمبر ڈیٹ کر دیا۔  
موبائل والہ اس کمرے میں ڈال کر واپس آکر پانک پر گر

گئی۔  
اسے لگا کہ بہت لمبا سفر طے کر چکی ہے۔  
اسے ابھی بہت لمبا سفر طے کرنا تھا۔

عرشہ کارڈور میں کھڑی برستے میز میں  
سبز زیتون ڈھونڈ رہی تھی۔ بارش اتنی شدید تھی کہ  
کی چادر لان کا سارا منظر چھپا لیتی۔ عتبہ میں بیٹھی  
باتوں کی آواز کے ساتھ برتنوں کی ٹھٹھکیاٹ بھی سنائی  
ہو گئی۔ گویا فاطمہ سب کے لیے چائے آئی تھی۔  
”تو تمہارا طویل سفر تمام ہونے کو ہے۔“ فخر  
نے پوچھا۔

”اے شاہ! اللہ بہت جلد۔“ ابراہار کی دھیمی آواز  
اور مضبوط لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔  
”ماں کو کب لاؤ گے؟“ محسن نے دریافت کیا۔  
”بہت بے تاب ہوں۔ بس اپنے ایک اچھا  
گھر ڈھونڈ کر سیٹ کر لوں۔“ اس نے مطمئن آواز  
میں بتایا۔ پھر فاطمہ سے پوچھنے لگا۔  
”آپ ابھی تک بیٹھیں ہیں؟“

”کیا مطلب۔“ چائے بناتی فاطمہ نے الجھ کر  
دیکھا۔  
”برکت ساموں ملے تھے۔ بتا رہے تھے، بچے کو مرنے  
کا نکل ہے۔“  
فاطمہ کی نگاہ نبیلہ سے ٹکرائی۔

”ہاں۔ بہت سادگی سے کر رہے ہیں۔ محسن  
کل فاطمہ کو چھوڑ آتا۔“ نبیلہ نے بات سنبھالی۔  
”اور آپ۔؟“ محسن نے پوچھا۔  
”میں عین نکاح کے وقت جاؤں گی۔“  
فاطمہ نے مشکور نگاہوں سے نبیلہ کو دیکھا۔ یہ تو  
بھی جانتی تھی کہ نبیلہ کا یوں جانا محض دنیا کے دکھاوے  
کے لیے ہے، ورنہ وہ کبھی اس گھر میں قدم بھی نہیں  
رکھنا چاہتیں۔  
”تم اب بھی برکت بھائی سے ملے ہو؟“ نبیلہ نے  
پوچھا۔

”سردار مل جائیں تو رک جاتا ہوں۔ میں نے  
خدا پر چھوڑ رکھا ہے۔“ ابراہار نے مضبوط لہجے  
میں کہا۔ نبیلہ نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھا۔  
”اسی لیے اتنے پرسکون ہو۔“

محسن نے الجھ کر ابراہار اور نبیلہ کو دیکھا۔  
فاطمہ نے عرشہ کے لیے چائے نکالی تھی۔ ابراہار  
نے بارش کے پس منظر میں کھڑی عرشہ کو دیکھا۔ وہ  
اتنی کم تھی کہ احساس بھی نہ ہو ابراہار اسے بھگور دی  
تھی۔  
ابراہار نے لاشعوری طور پر اس کا کپ اٹھایا اور اس  
کے قریب چلا آیا۔

فاطمہ نے ٹھٹھک کر محسن کو دیکھا۔ محسن نے نبیلہ کو۔  
نبیلہ دھیرے سے مسکرائیں۔  
”چائے۔“

عرشہ جو یک کر مڑی۔ ”میں لے لیتی۔“  
”کوئی بات نہیں میں لے آیا ہوں۔“ اس نے  
مریم کے لیے چائے نکالی۔ ”اس کے  
لئے ہاتھوں کو چائے کی گرمائش سکون دینے لگی۔  
”مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی زندگی کی ترجیحات  
طے کر لی ہیں۔“  
”ہائیں! شاید یہ خود کو مصروف رکھنے کا بہانہ ہے۔“

”جو بھی ہے اچھا ہے۔ ہمیں زندگی اس لیے  
میں ملی کہ وہ سروں کی خاطر مضامین کی جائے یا ماضی کی  
ذراستوں کی نذر کر دی جائے۔“  
”تمہیں وعظ کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔“  
عرشہ کا لہجہ بہت زیادہ تلخ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ براہ من  
کر گیا۔  
”میں ہر کسی کو نصیحتیں نہیں کرتا۔“ وہ جا کر اپنی  
بیک پر بیٹھ گیا۔  
عرشہ نے ذرا سا رخ موڑ کر دیکھا۔ سب لوگ  
وہاں میں مصروف تھے اور وہ آسانی سے ان میں شامل  
ہو گیا تھا۔

وہ خاموشی سے شاخوں میں چھپے سبز زیتون تلاش  
کرتی۔



بانو نے حمید کو صاف منع کر دیا تھا کہ ”گھر سے نکلنے  
کی ضرورت نہیں۔ مجھے پیسے دے دینا۔ جو کچھ  
خریدنا ہوا۔ خود ہی خرید لوں گی۔“ تو اس گھر میں وہ کر  
اس پر نظر رکھ۔ ”سو وہ وہ وقت گھر میں موجود رہیں۔  
مریم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان حالات میں وہ  
گھر سے کیسے نکل پائے گی۔ حمید کو مانا بھی ہوتا تو چھپے  
سے دروازے کی چٹختی باہر سے چڑھاتی اس نے  
اپنے چھوٹے سے بیک میں وہ جوڑے اور چند سو  
روپے جو اس کے پاس رکھے تھے سنبھال کر رکھ  
لیے۔ اب اسے ایک ذرا سے موقع کی تلاش تھی۔  
گھڑی کی سوئیاں چار پر جا رکیں۔ مریم نے بے چین  
ہو کر کمرے سے باہر چھانکا۔ حمید بہت بے دلی سے  
ایک دو بے پرکرن ٹانگ رہی تھیں۔

”اب کیا کروں؟“ اہل کو کیسے یہاں سے ہٹاؤں؟“  
اس نے انگلیاں پچکاتے ہوئے سوچا۔ اس کا ذہن پھر کی  
کی طرح گھوم رہا تھا۔ یہی ایک ٹھنڈے تھا۔ پھر تو برکت  
حسین نے بھی مسجد سے واپس آکر بیٹھک سنبھال لینی  
تھی۔ تب ٹکنا بالکل ہی ناممکن تھا۔ تب ہی دماغ میں  
اک جھمکا ہوا۔

تھوڑی دیر میں اس کی کراہیں کمرے میں گونجنے  
لگیں۔  
”کیا ہوا؟“ حمید دروازے میں آگھڑی ہوئیں۔  
”اہا! اپنیٹ میں بہت درد ہے۔“ وہ ہنگ پر دہری  
ہو کر ایک ہاتھ سے پیٹ دیا۔ کراہ رہی تھی۔  
”ایسے کیسے اچانک درد ہونے لگا؟“ حمید نے  
ناگوارا سے پوچھا۔  
”مج سے ہی تھا۔“  
”آجائے تیرا باپ تو۔ گولی منگوادی جی ہوں۔“  
”مجھ سے برواشت نہیں ہو رہا۔“



"نہیں ہو رہا تو نہ ہو۔" وہ بے رخی سے بولیں۔  
 "اے! میں مر جاؤں گی۔ مجھے بہت درد ہے۔"  
 مریم رو پڑی۔ حمیدہ کتنی بھی سنگدل ہوئی، یہیں تو ماں۔  
 "اچھا! تیرے لیے پودے اور سونف دلی چائے بنا  
 دیتی ہوں۔"  
 "اے! اس سے کیا ہو گا۔ ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا تو  
 یہ ساتھ والوں کی ثریا سے درد کی گولی ہی ملا دیں۔"  
 مریم نے پیٹ میں مکیاں مارتے ہوئے کہا۔  
 حمیدہ سوچ میں پڑ گئیں۔ ثریا کا گھر کون سا دور تھا۔ یہ  
 دروازے سے دروازہ ملا تھا۔ وہ ایک ہی منٹ میں جا  
 کر واپس بھی آ جاتیں۔ یہ سارے محلے کو پتا تھا کہ  
 ثریا کے گھر میں معمولی درد و بخار کی دوا موجود ہوتی  
 تھی۔

"اچھا! میں لاتی ہوں۔"

"آپ لے کر آئیں۔ میں ہاتھ روم میں ہوں۔"  
 وہ کراہتی ہوئی انھی اور حمیدہ کی نظروں کے سامنے  
 ہاتھ روم میں چلی گئی تو حمیدہ مطمئن ہوتی باہر نکلیں۔  
 مریم نے صرف ہاتھ روم کا تال کھولا۔ جیسے ہی  
 بیرونی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ وہ لپک کر کمرے میں گئی۔  
 چادر اوٹھ کر بیک بٹن میں دبائے باہر نکلنے میں اسے  
 صرف چند لمحوں کے تھے۔ حمیدہ کے سلام دعا کے بعد  
 گولی لے کر آنے کے عرصے میں وہ کئی عبور کر کے مین  
 سڑک پر پہنچ گئی تھی۔

حمیدہ نے ہاتھ روم کے بند دروازے کے دوسری  
 طرف گرتے پانی کی آواز سنی۔

"یہ گولی رکھ رہی ہوں۔ نکل کر کھالیتا۔ میں چائے  
 بناتی ہوں۔" حمیدہ نے بلند آواز میں کہا اور گولی رکھ کر  
 خود باورچی خانہ میں چلی گئیں۔ ایک کپ چائے بنا کر  
 کمرے میں آئیں تو مریم ابھی تک ہاتھ روم میں  
 تھیں۔ حمیدہ نے کپ رکھ کر تھوڑی انتظار کیا۔ پھر  
 تشویش کے ساتھ جا کر دروازہ دھڑ دھڑایا۔ دوسری  
 طرف صرف گرتے پانی کی آواز تھی۔

"میں نے کہا سوئی ہے یا مر گئی ہے؟"

حمیدہ کے ہاتھ کے زور سے دروازہ کھٹکا چلا گیا۔

حمیدہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔  
 خالی ہاتھ روم میں تل پورا کھلا تھا۔ شب بھر  
 پانی تو اتارے نیچے بہ رہا تھا۔  
 "مریم۔" حمیدہ نے نپاگوں کی طرح اسے پوچھا۔  
 گھر میں ڈھونڈا۔ جیسے وہ کوئی چھوٹی سی پٹی ہے۔  
 شرارت کر کے پتنگ کے نیچے جا چھپی ہو۔ پتنگ کے  
 نیچے بھی دیکھ لیا۔ اپنے بھاری بھر کم وجود کے ساتھ  
 جھٹکتے ہوئے کٹی میں دیکھا۔  
 پوری کٹی سنسان تھی۔

حمیدہ کا دل غ سانس سانس کرنے لگا۔

وہ محسن میں کھڑی ہو کر دھاڑیں مار مار روئے  
 لگیں۔

"کیا ہو گیا حمیدہ! تجھے! اگل ہو گئی۔" برکت  
 حسین نے نماز والی ٹوپی اتار کر ہاتھ میں لیتے ہوئے  
 حیرت اور گھبراہٹ سے پوچھا۔

حمیدہ اپنا سر نیچے لگیں۔

"تیرا دل غ ٹھیک ہے؟ کون مر گیا ہے؟"

"مریم مر گئی ہے۔"

"کیا؟" برکت حسین نے نا سمجھی سے حمیدہ کو  
 دیکھا۔

"حمیدہ مر گئی ہے۔ برکت حسین مر گیا ہے۔ ہم  
 سارے مر گئے ہیں۔ برکت حسین! مریم! ہم سب  
 مار گئی ہے۔"

برکت حسین کے ہاتھ سے ٹوپی چھوٹ کر پلے  
 گری۔ انہیں ایک ہی پل میں معالے کی جگہ کی  
 احساس ہو گیا تھا۔ ان کی رگت خطرناک حد تک زرد  
 پڑ گئی۔

پھر وہ پورے قد سے گرے تھے۔ حمیدہ کے لیٹ  
 سے عجیب نکل گئیں۔

\*\*\*

فد بے چینی سے کمرے میں ٹٹل رہا تھا۔  
 عاصم اندر آیا۔ وہ اس کا بہترین دوست تھا۔ اس کی  
 گاڑی فد کو استعمال کرنی تھی اور اسی کے گھر میں ایک



دودن غصہ رہا تھا۔  
 "یار! تو نے کتنی دیر لگا دی ہے۔ وقت دیکھا ہے؟ گاڑی لایا ہے؟" فدا خود بھی گھبرایا ہوا تھا سو ایک سی سانس میں سوال پر سوال کرتا رہا۔  
 "ہاں! لایا ہوں۔" عاصم صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گیا۔  
 "تو بیٹھ کیوں رہا ہے۔ ہمارے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے۔"  
 "فدا! میری بات سن۔ میں نے بہت غور کیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔"  
 عاصم نے سنجیدگی سے کہا تو فتح مراد فدا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔  
 "کیا ٹھیک نہیں کر رہے؟ ہم دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو منانے کی پوری کوشش کی۔ مگر وہ نہیں مانے۔ ہمارے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔"  
 "ٹھیک ہے تم لوگوں نے کوشش کی۔ گھر والے نہیں مانے تو سمجھو کہ تمہارے نصیب میں ہی نہیں تھا۔ مگر اس طرح گھر سے بھاگنا غلط ہے۔"  
 فدا کی مٹھی پیچ گئی۔ اس کا دل چاہا وہ مکا عاصم کے منہ پر دے مارے۔  
 "اب جبکہ وہ گھر سے نکل گئی ہوگی۔ اب تجھے لگ رہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تو مجھے پہلے بتانا میں کوئی اور بندوبست کر لیتا۔"  
 "فدا! میں پورے غلوں سے تمہاری مدد کرنے جا رہا تھا۔ مگر عین وقت پر میرا جو صلہ پست ہو گیا۔" عاصم نے بے بسی سے کہا۔ "ذرا سوچ! اس کے بھائی جی تو نہیں بیٹھیں گے۔ سب سے پہلے میری گاڑی ٹریفک ہوگی۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کرو۔ تمہارا گھر ہے مکمل اور ہمیشہ ہیں۔ کل کو پولیس انہیں پکڑنے ہوئے لے جائے گی تو تو کیا کرے گا؟ اپنی محبت پانے کے لیے تو اپنی ماں بنوں کو تھامے پکڑی کا منہ دھکائے گا۔؟ کل کو تیری بہنوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ لوگ کسے ایسے شخص کی بہن سے رشتہ جوڑیں گے جو کسی کی بہن کو بھگالے لیا گیا ہو؟ بات صرف تمہاری زندگیوں

کی تو نہیں ہے۔ تم دونوں سے وابستہ اور لوگ اور رشتے بھی ہیں فدا۔"  
 فدا ساکت سا عاصم کا منہ دیکھنے لگا۔  
 عاصم نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر لگائے۔  
 "میں نہ تمہارا دشمن ہوں نہ مریم کا۔ جوش میں آ کر تمہارا ساتھ دینے کو تیار بھی ہو گیا تھا۔ مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ میں غلط تھا۔ میرا گھر ہے گھر والے ہیں۔ میری جاب ہے۔ میں اس سب کو رسک میں نہیں ڈال سکتا۔ ایسی باتیں بھی بھیجی نہیں رہتیں۔ سامنے آجاتی ہیں۔ جوش سے نہیں جوش سے کام لے یاؤ۔"  
 فدا مگر گھر اس کی شکل دیکھنے لگا۔  
 "آج تیرے گھر والے اور کل کو تیری اولاد مشکلات کا سامنا کرے گی۔ گھر سے بھائی عورت کی اولاد محاشرے میں کبھی بھی سر اٹھا کر نہیں جی سکتی۔"  
 "میں اس سے محبت کرتا ہوں عاصم! فدا کا لہجہ بے بس سا تھا۔  
 "اس محبت کی خاطر دیر کی ٹھوکریں کھالے گا؟ اپنے گھر والوں کو معصیت میں ڈال سکے گا؟؟ تھامے پکڑی کے پکڑ لگالے گا؟ خود کو اچھی طرح جج کر لے۔"  
 فدا نے سر جھکا لیا۔  
 "دوہاں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"  
 "کچھ دیر انتظار کرے گی۔ پھر بائوس ہو کر چلی جائے گی۔"  
 "اور اس کے گھر والے؟" اس نے سر اٹھایا۔  
 "تمہاری دیر مار بیٹ اس خوراری سے بہتر ہے جو تم دونوں اٹھانے جا رہے تھے۔" عاصم نے اطمینان سے کہا۔ وہ گویا گھر سے فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ فدا کو اس کے ارادے سے ہر صورت روک کر رہے گا۔  
 فدا کا وجود بخور میں چھٹی کشتی کی طرح ہچکولے کھانے لگا۔

مریم نے بے قراری سے پارک کے داخلی راستے کی

طرف دیکھا۔  
 سارے رستے سنسان تھے۔  
 کل کی بارش کا پانی ابھی بھی ان راستوں پر جمع تھا۔  
 مریم کے پاس ٹھہری نہیں تھی کہ وقت کا اندازہ کر سکتی۔ مگر گھری ہوئی شام اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔ اس کے پاس فون بھی نہ تھا کہ فدا کے ساتھ رابطہ کر سکتی۔  
 اس وقت گھر میں کیا ہو رہا ہو گا؟ اس تصور کے ساتھ ہی اس کے رونے لگے ہوئے ہو گئے۔  
 موسم خوشگوار تھا مگر اسے سینے آ رہے تھے۔  
 "اگر وہ نہ آیا تو۔" اس کے ہاتھ پاؤں سن ہوئے۔  
 لگے ایک بار تو جی میں آئی، واپس پلٹ جائے مگر واپسی کا مطلب تھا منہ پریشانی کی جدائی۔  
 "نہیں! وہ آجائے گا۔ کیسے پھنس گیا ہو گا۔" اس نے سینے سے چپکتی ہتھیلیاں کالی چادر سے رکڑتے ہوئے خود کو تسلی دی۔ شام کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس کے اوپر سے برندوں کی قطاریں گھروں کو لوٹنے لگیں۔  
 وہ شام ڈھلے گھونسل چھوڑنے والے برندے کی طرح متوش اور ڈری ہوئی تھی۔ تب ہی کوئی آہستگی سے بچ کے دوسرے کنارے پر آ بیٹھا۔  
 مریم نے چونک کر پوچھی اس کے ساتھ گردن گھمائی۔ پھر تیزی سے چادر کھینچ کر یو ایس میں ڈھالیا۔  
 "آئی ایم سوری مس! لیکن کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" وہ جو کوئی بھی تھا بہت شائستہ لب و لہجے میں پوچھ رہا تھا۔  
 مریم بغیر جواب دے تیزی سے کھڑی ہو گئی۔  
 "میں بہت دیر سے آپ کو یہاں پریشان بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔" وہ بھی گھبرا ہوا گیا۔ پلٹے اندھیرے میں دوڑ پٹیاں جلتے لگیں۔ مریم کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔  
 "فدا نہیں آیا تھا۔ فدا نے اسے دھوکا دیا تھا۔" بڑھتی قلت جی جیج کر کہہ رہی تھی۔  
 وہ ڈولتے قدموں سے پارک کے گیٹ کی طرف دوڑنے لگی۔

خواتین ڈائجسٹ 173 اگست 2012



خواتین ڈائجسٹ 174 اگست 2012

کو دیکھا اور میت کے گرد بیٹھے لوگوں نے اسے پھر ایک طرف سے نعمان چھپنا دوسری طرف سے بانو۔

”مار ڈالا ہمارے باپ کو“ اب کیا لینے آئی ہے۔ وہیں مرکب جاتی۔ ”اسے وجود پر پڑتی ضربات کا احساس نہیں تھا۔ وہ سپید چادر کے نیچے چھپے چہرے کو کھینچ رہی تھی۔ تب ہی حمیدہ نے چادر مٹا دی۔ ”دیکھ لے۔ تیری وی ہوئی زلت سے باپ کا سیاہ پڑا چہرہ۔ تب ہی تو وہ چہرہ ہی چھپا گیا۔ تو نے ہم سب کو مار دیا مریم۔“

عورتوں نے بانو کو مرووں نے نعمان کو کھینچ لیا۔ مریم باپ کے مردہ پیروں میں گر گئی۔



”خدا کے لیے نبیلہ! اسے یہاں سے لے جانا۔ یہاں رہی تو نعمان اسے مار مار کر ماری دے گا۔ جہاں سامنے آتی ہے وہیں بیٹنا شروع کر دیتا ہے۔“ حمیدہ نے نبیلہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

نبیلہ نے تاسف سے ٹوٹی ہنکری حمیدہ کو دیکھا۔ کل تک جس شوہر کو درخور اعتناء نہ جانا، آج اسی کے جانے پر یوں بیٹھی تھیں گویا زندگی میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔ مریم نے انہیں پوری طرح توڑ کر رکھ دیا تھا۔

”فاطمہ! مریم کی تیاری کرو، ہمارے ساتھ جاری ہے۔“ انہوں نے ایک طویل سانس لے کر فیصلہ سنایا۔

محسن نے ذرا ناگواری سے سب کو دیکھا۔ شاید وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ مگر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ مریم نہیں گویا اک بے جان بت تھا جو ان کے ساتھ آیا تھا۔



”یہ کھانا کھا لینا۔“ فاطمہ نے بہت بے زاری سے ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

مریم نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر ٹرے کو دیکھا۔

”اور میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں۔“ تو تم نے کھانا لا کر سامنے رکھوں بیاتھ پاؤں سلامت ہیں کے لے لیا کرو۔“ کیسا اجنبی اور روکھا سا انداز تھا۔ چند گھنٹوں نے اس کی پوری زندگی الٹ کر رکھ دی تھی۔

”فاطمہ آئی۔“ ”مت کو مجھے آئی۔“ وہ غرائی۔

”آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“ مریم تھا کرے میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔ عریضہ تک اس کے پاس نہ آئی۔

”نہیں بہت خوش ہوں۔ تم نے اتنا بڑا کارنامہ کیا ہے کہ مجھے تو تمہیں پھولوں کے باڑی بنانے چاہئیں۔ پہلے گھر والوں کے کرتوتوں نے مجھے ہر کسی کے سامنے شرمندہ کیے رکھا اور اب تم نے۔ تم نے تو مجھے کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ تم نے اپنی زندگی تو جاہ کی ہی تھی میری زندگی بھی ایجن کر دی ہے۔ میرا کیا تصور ہے میں کس بات کی سزا بھگت رہی ہوں؟ شرم آتی ہے مجھے یہ سوچ کر کہ میں اس گھر میں پیدا ہوئی، جہاں کا ہر بندہ اپنی غرض کا غلام ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سب سے۔ میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی جس نے میرے باپ کو مار ڈالا۔“

مریم کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ فاطمہ ہنسیک ہو رہی تھی۔ اس کی بلند ہوتی آواز پر محسن اور نبیلہ آگئے۔

”فاطمہ آئی۔“ مریم نے اٹھ کر اسے پکڑنا چاہا۔ ”دور رہو مجھ سے۔“ فاطمہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا۔ مریم بیلہ پر مگری اور وہیں کھٹکی۔ محسن فاطمہ کو سنبھال کر باہر چلا گیا۔ نبیلہ نے تاسف سے مریم کو دیکھا۔

”اب روئے کا قاتلہ مریم۔ گھر سے قدم نکالنے سے پہلے ایک بار تو سوچا ہوتا۔“



”کیا ہو گیا ہے فاطمہ! خود کو سنبھالو۔ اپنی حالت



دیکھو۔ اس حالت میں اتنی سنسن نہ تمہارے لیے ٹھیک ہے نہ بچے کے لیے۔ "محسن نے پانی کا گلاس فاطمہ کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے رمان سے سمجھایا۔

"میں کیا کروں محسن! میں جب بھی مریم کو دیکھتی ہوں۔ میری نظروں کے سامنے لبا کی بند آنکھیں آ جاتی ہیں۔"

"نیکم اس طرح کرنے سے وہ واپس تو نہیں آجائیں گے۔"

"آپ سوچ نہیں سکتے محسن! کہ میں اپنے گھر والوں کی وجہ سے کتنی شرمندہ ہوں۔"

"تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو؟"

"کاش! آپ نے مجھ سے شادی نہ کی ہوتی تو ساری ٹینشن سے دور رہتے۔ پہلے گھر والوں کی حرکتوں کی وجہ سے عریضہ اور اب اپنے گرتوں کی وجہ سے مریم۔"

"تم جب بھی گری گری ہو تے فاطمہ! نیلہ نے کمرے میں آکر رمان سے کہا۔ محسن نے اٹھ کر بال کو جگہ دی۔

"کیونکہ وہ کوئی غیر نہیں میرے بھائی کا گھر ہے۔ میں خود کو اس گھر کے مسائل سے دور نہیں رکھ سکتی۔"

"پھوپھو! یہ تو آپ کا طرف ہے۔ ورنہ کون اتنا کرتا ہے خواہ اپنے ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ بھی اتنی بدنامی اور ذلت۔"

"یہ مکافات عمل ہے فاطمہ۔ کانٹے بو کر یہ توقع رکھنا کہ پھول کھلیں گے، بے وقوفی ہی ہوگی۔ بھابی نے ہیشہ دوسروں کے رستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ خود بولہ لہان کیسے نہ ہوتیں۔ لیکن اس سب کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ تم بہت پیاری بیٹی ہو اور ہو بھی۔ انہوں نے شفقت سے فاطمہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میں مریم کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ بہت بدنامی ہوئی ہے۔ اب اس کا کیا ہے گا۔"

نیلہ ہلکا سا مسکرائیں۔ بہن تھی۔ تمام تر

ناراضی اور نفرت کے باوجود گھر اپنی جگہ موجود تھا۔ "ان شاء اللہ! کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی زندگی کے سارے دروازے بند نہیں کرتا۔" محسن نے کہیں گوی نہ کوئی روزن کھلائی ہوتا ہے۔ میں اسی لیے مریم کو یہاں لے آئی تھی۔ اللہ بڑھ کرے گا۔"

"ای! اس سے کہیں پلیز ٹینشن مت لیا کرے۔" محسن نے کہا۔

"ہاں بالکل۔ مجھے اپنا اپنی پوتا بالکل صحت مند چاہیے تمہارے سمیت۔ میں ملازمہ سے کہتی ہوں تمہارے لیے فریش جوس نکال دے۔"

وہ کہہ کر چلی گئی۔

"اب ہو گئی تسلی۔" محسن نے شرارت سے کہا تو فاطمہ مسکرا دی۔ اس کے دل میں نیلہ کی قدر کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ ورنہ کوئی اور ساس ہوتی تو طعنے مار مار کر جان ہی نکال دیتی۔

\*\*\*

عریضہ میٹ سے اندر آئی تو لان میں گرم صبح بھی مریم پر نظر پڑی۔ وہ ماحول سے بالکل بیگانہ ہو کر بیٹھی تھی۔ عریضہ کو اس میں اپنا آب دکھائی دیا۔ دونوں نے محبت کے نام پر بہت بڑی چوٹ کھائی تھی۔

"مریم! وہ اس کے قریب آئی۔ عریضہ کی آواز پر مریم بڑی طرح چوکی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔"

"کچھ سوچنے کے لیے بچا ہی کیا ہے۔ بس کچھ بتاؤ۔ میں۔ جنہیں روز بیٹھ کر کتنا شروع کر دیتی ہوں۔ اس نے لٹھنی آدھری۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چچا دادوں کی آگ کبھی نہیں بجھتی۔ خواہ اسے دل میں دفن کر دو۔ یہ تب بھی سٹپتی رہتی ہے۔"

"ابا زندہ ہوتے تو میں پھر کڑ کر معافی مانگ لیتی۔"

سک۔

عریضہ دھک سے رہ گئی۔

یہی تو وہ سوچا کرتی تھی۔ "میں زندہ ہوتی تو معافی مانگ لیتی۔"

"اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا عریضہ؟ محبت کی اتنی بڑی سزا۔" بھاننا نہیں تھا تو مجھے اس مقام تک کیوں لایا۔؟ مجھے کیوں بدنامی کے اندھے کوئیں میں دھکیل گیا؟ وہ ایک بار مرے سامنے آجائے میں اس کا کریاں پکڑ کر پوچھوں تو۔" وہ جھپٹنے لگی۔ عریضہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ان سوالوں کے جواب تو میں بھی دھونڈتی ہوں مریم۔ مجھے ملیں تو تمہیں بتاؤں؟" عریضہ کے لب کپکپاتے مریم نے دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ دونوں کے چہرے پر ایک ہی دکھ رقم تھا۔

دونوں کی آنکھوں میں ایک سے بچتا ہوا تھے عریضہ نے چاہا کہ وہ نہ روئے۔ مگر مریم کا اس کے گلے لگ گئی۔

ہم پرندے ہیں نہ مقتول ہوا میں پھر بھی آگئی روز کسی دکھ پر آنکھیں روئیں

\*\*\*

حمیدہ بیٹھک کے پانگ پر بیٹھی تھیں۔ وہی پانگ جو کبھی برکت حسین کے وجود سے آباد ہوا تھا۔ جن کی گونج دار آواز پورے گھر میں سنائی دیتی۔ آج اسی گھر کے دروازے پر اس دن کوچر نے والی خاموشی سرایت کر لی تھی۔ وہ جب گھر کے سامنے سے تنگ آجائیں تو بیس آکر گھنٹوں بیٹھی رہیں۔ ٹوبان اور نعمان گھر پر آئی نہ ہوتے۔ ٹوبان نئی ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ نعمان سنا تھا اب دکان پر بھی نہیں بیٹھ سکی کو گھر ہی نہ تھی کہ گھر میں کوئی راشن ہے یا نہیں۔ حمیدہ کس حال میں ہیں۔ ہر کوئی بس منہ چپائے پھر آتا تھا۔

حمیدہ بیٹھک میں آکر کھلی والی کھڑکی کھول کر سنسان کئی کوئیں رہیں۔ کبھی دعا کی رو بیٹھک ہی جاتی۔

یوں لگتا ابھی ابھی دینی رکی ہے۔ عریضہ اور مریم کانٹ سے گھر آگئی ہیں۔ وہ چوما جلا کر بلا وجہ روئیاں

ہمیں سوچا کرتی تھی۔

عریضہ دھک سے رہ گئی۔

عریضہ دھک سے رہ گئی۔

بنائے لکٹیں۔ اور انہیں دونوں کے گلے سے گلے کر کے ملی کو ڈالتے ہوئے روئی جاتیں۔ کبھی آتے جاتے نمازیوں میں برکت حسین کو کھوجتے لکٹیں۔

کبھی یاد آتا ٹوبان اور بھوکا بیٹھا ہے۔ تو اپنے بھاری بھر کم وجود کے ساتھ میز چھایا چڑھ جاتیں۔ اور خالی کمرے میں دھاڑیں مار مار کر روئیں۔

کبھی بغیر سوچے سمجھے اسٹور کا نمبر ملا کر سوئے گھونٹ لکٹیں۔ حالانکہ دوسری طرف کوئی بھی فون نہ اٹھا تھا۔

اس دن نعمان اور ٹوبان اتفاقاً "اکٹھے ہی گھر آ گئے تھے۔

"خدا کے لیے گھر آجایا کرو۔ میں تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"تو کڑی دھونڈ رہا ہوں مل! گھر بیٹھ کر کیا کروں؟"

ٹوبان نے جو اتنا مار کر رو پھینکا۔

"اور اسے تم گھر کتنی ہو مل! لڑھکتی ہوئی ہے اس کی دیواروں سے۔" نعمان نے منہ پر پانی کے چھپکے مارتے ہوئے سختی سے کہا۔

"پھر مجھے بھی کہیں جھوٹا آؤ۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں۔ یہ اکیلا پین تو مجھے مار ڈالے گا۔"

"مل! آپ یہ ڈرامے بازیاں مت کریں۔ کچھ کھانے کو ہے تو دے دیں۔" ٹوبان نے بے زاری سے کہا۔

"گھر میں کوئی راشن نہیں تھا۔ میں کیا پکاتی۔" ٹوبان نے نعمان کو دیکھا۔ برسوں سے گھر میں راشن ڈھونڈنے کی ذمہ داری اسی پر تھی۔

"تو اسٹور پر کیوں نہیں جاتا؟" حمیدہ نے نعمان سے پوچھا۔

"آپ کیوں نہیں جاتیں، محلے میں اپنی سیلیوں کے پاس؟" نعمان نے توجہ مار سے کھینچے ہوئے بے حد طنز لہجے میں کہا۔

حمیدہ چپ کیب رہ گئی۔

"وہ تو ایک بار کالک مل کر گئی ہے۔ لوگ بار بار



ہم نے یہ سنا ہے۔ ہمارے سواں کرتے ہیں۔  
میرا تو دل کرتا ہے آگ لگا دوں ہر چیز کو۔ "وہ بھڑکا۔  
"مجھے تو کرسی نہیں ملی تو ہوں؟" حیدر نے بات ہی بدل دی۔  
"تو کرسی کوئی حلوائی کی دکان پر بڑے لٹو نہیں ہیں جو میں جا کر اٹھاؤں۔" وہ غصے سے بولا۔  
"تو کما کس نے تھا پہلی تو کرسی کو لات مارو یا برداشت نہیں ہو کہ جس کپنی کا لک بننے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ وہاں ملازمین کر کام کر دے۔"  
"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" تو بان سے نعمان کا طنز برداشت نہیں ہوا۔ "نہ تم میرے اور عرشہ کے درمیان آتے نہ یہ سب ہو گا۔ مگر تمہیں تو دکان اور مکان چاہیے تھا۔ لو اب لے لو۔"  
"میرے منہ نہ لگتا اور نہ منہ توڑ دوں گا۔" دونوں اپنی اپنی فرسٹریشن ایک دوسرے پر نکالنے لگے۔  
حیدر نے دونوں کو لڑتے دیکھا اور جا کر بیٹھک میں بیٹھ کر کہنے لگا۔  
"پاکوؤں کی طرح لڑ رہے ہیں دونوں۔ سیلا تو میرا تھا۔ میں نعمان کی شادی اس استانی سے کراؤنی تو یہ سب نہ ہوتا۔"

\*\*\*

"تم واپس اسکول جوائن کر لو۔" نبیلہ نے مریم کو مشورہ دیا۔  
"میں۔ میں وہاں کیسے جا سکتی ہوں۔" مریم ڈر گئی۔ محلے میں موجود سماجی چچرہ کی بدولت یہ قصہ بہت دور تک پھیل گیا تھا۔  
"اب لوگوں کو میں تو گرتی ہی پڑے گا۔ یوں بیٹھ کر زندگی تو نہیں گزرے گی۔ ایک پارا اچھی خاصی ٹھوکر لگ گئی ہے۔ امید ہے عقل آہی گئی ہوگی۔" نہ چاہتے ہوئے ان کے گھر میں تین ہی اتر آئی۔  
مریم سر جھکا کر لب چبانے لگی۔  
"محسن سے کہتی ہوں۔ کسی اور اسکول میں تمہارے تباہی کی کوشش کرے۔ جب تک کسی

وہنگی ہوگی۔"  
مریم نے چونک کر سر اٹھایا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولنے ہی تھے کہ نبیلہ بول اٹھیں۔  
"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں شادی نہیں کرنی۔ کیونکہ میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔ بتایا ہے۔ مریم نے دوبارہ سے سر جھکا لیا۔  
\*\*\*  
"السلام علیکم۔" ابراہار کی ندر وار آواز پر ناشتے کی میز پر بیٹھے افراد چونک گئے۔  
"گوا میں بہت وقت پر آیا ہوں۔ ابھی ناشتا شروع ہوا ہے۔" گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس گھر میں ابراہار کی بے تکلفی خاصی بڑھ گئی تھی۔ ایک روز کے بعد وہ قاسم تھا اور ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھا رہا تھا۔  
"خالد! آپ کو پوتے کی بہت بہت مبارک ہو۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ نبیلہ مسکرائیں۔  
"تمہیں بھی۔" آخر اتمی تو اس کے چاچو ہو۔  
رات ہی فاطمہ کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ مریم اور حیدر ہسپتال میں اس کے پاس گئیں۔ نبیلہ اور عرشہ کو بہتر لے کر جانا تھا۔  
"ہسپتال کون کون جانے گا؟ محسن بھائی نے گاڑی دے کر بھیجا ہے۔" وہ عرشہ پر اک سرسری نگاہ ڈال کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عرشہ نے پوری توجہ اندر سے کی طرف مبذول کر لی۔  
"سب ہی چلیں گے، پہلے تم ناشتا کرو۔"  
"نئی اور پوچھ پوچھ۔ اور عرشہ بی بی اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"  
"ابھی کچھ سوچا نہیں۔" عرشہ نے آہستگی سے کہا۔  
"جلدی سوچیں، بوقت تو رست کی طرح ہاتھوں سے پھسل جاتا ہے۔" وہ تو سر پر کمین لگانے لگا۔  
"میں پھر شپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" عرشہ نے تذبذب سے کہا۔

قانون اب امتحان سوچیں، عمل کر لیں۔ میری مدد کی ضرورت ہوئی تو حاضر ہوں۔"  
"تم کیا نیکی کے فرشتے ہو؟" عرشہ ہنسی۔  
"تمہاری جیسی اتنی بری تو نہیں پھر مکرانے میں مختلف کیوں کرتی ہو۔" ابراہار کے اچانک کہنے پر مریم نے پشیمان کرنا شروع کر دیا۔  
"ابناک سے چائے پیئے لگیں۔"  
"میں سلمان بیک کر لوں۔" عرشہ اٹھ گئی۔  
"کیا بے ہوشی تھی؟" عرشہ کے جانے کے بعد نبیلہ نے حوروں۔  
"میں نے تو صرف تعریف کی تھی۔" ابراہار نے معصومیت سے کہا۔  
"پرائی لڑکیوں کی تعریف کرتے شرم نہیں آتی؟"  
انہوں نے معصوم غلطی سے کہا۔  
"مجھے تو وہ کبھی بھی پرائی نہیں لگی۔" ابراہار کا لہجہ دھم دھم کیا۔  
نبیلہ نے اسے غور سے دیکھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا اسٹیل پیٹ میں رکھ دیا۔  
"خالد! آپ سے کیا پوچھ؟ شروع ہی سے ہر بات آپ سے شیر کرنا آ رہا ہوں۔ جب بھی لاگت پارنر کے بارے میں سوچا ایک اسی کا خیال آتا تھا۔" وہ سادہ مزاج تھا۔ سادگی سے اظہار کر گیا۔  
عرشہ کچن کے دروازے میں ہی رک گئی۔  
"سب کچھ جانتے ہو جیسے؟" نبیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔  
"وہ اتنی اہم باتیں نہیں ہیں کہ میں انہیں یاد رکھوں۔" ابراہار نے لاپرواہی سے کہا کہ سلاکس اٹھا لیا۔  
"اور اگر عرشہ کو اعتراض ہوا؟"  
"اسے پورا حق حاصل ہے۔ آپ سے اس لیے پتہ کر رہا ہوں کہ زندگی میں جب بھی اس کے بارے میں سوچیں مجھے ضرور ذہن میں رہیں۔ کیونکہ یہ ایک کم کو کشش کرتا ہے۔ باقی میں نصیب پر چھوڑ دیا کرتا ہوں۔"

"اسی لیے اتنے مطمئن اور پرسکون رہتے ہو۔"  
"جی اور ذرا دیکھ لیں، جتنی کہ میں جا کر سو تو نہیں گئیں۔ وہاں ناشتے کے لیے لوگ بے تاب بیٹھے ہوں گے۔"  
"دیکھتی ہوں۔" نبیلہ کہہ کر اٹھ گئیں۔ عرشہ مڑ کر سلمان بیک میں رکھنے لگی۔  
\*\*\*  
مریم کو خشک سا تھا کہ وہ اسکول میں تباہ ہو کر آنے والی سینئر پڑھ کو جاتی ہے۔ جاتی نہیں تو کم از کم دیکھا ضرور ہے۔ تب ہی بریک ٹائم میں ان کے پاس جا بیٹھی۔  
"جب سے آپ سے ملی ہوں ہی ابھرنے میں ہوں کہ آپ کو کمال دیکھا ہے؟"  
"ہم لوگ پہلے اسی شرم میں رہتے تھے، اس لیے آتے جاتے ملاقات ہو گئی ہوگی۔ ابابہڈ ماسٹر تھے۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد آپاں شرم چلے گئے تھے۔" تو واپسی کیسے ہوئی؟  
"ابا کی وفات کے بعد رشتے وادوں کی آنکھیں ہی بدل گئیں تو سوچا اگر تمہارا کرائے کے گھر میں ہی رہنا ہے تو اس شرم میں کیوں نہیں۔ چل ساری زندگی گزری ہے۔ اس کی آنکھیں اداس اور مسکراہٹ خوب صورت تھی۔  
"شادی نہیں کی؟" مریم جب سے اس اسکول میں آئی تھی اس نے کسی سے بھی دوستی نہیں کی تھی مگر اس لڑکی میں ایسی کشش تھی کہ وہ بے اختیار چھٹی چلی گئی۔  
"چھوڑ دیا۔ اس ملک میں اچھے رشتوں کا خلاصا کل ہے۔" اس نے فٹس کر بات ٹال دی۔  
"آپ کا نام کیا ہے؟"  
"ماشا۔"  
"میں مریم ہوں۔"  
عائشہ بھی تنہا تھی اور مریم بھی۔ دونوں میں چپکے سے اس دوستی کا آغاز ہو گیا جس نے آگے چل کر



زندگی کی بہت سی گریں سلجھائی تھیں۔



"کب آئے گا؟" ماسٹر الیاس کی میٹھک کی پرانی سی دوری پر بیٹھی پرانے ٹی وی پر نظریں جمائے آنکھیں پتھر لے گئی تھیں۔ جیلہ نے بے تلی سے پہلو بدلا۔  
"بس آنے والا ہے۔" ماسٹری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دی۔

"خیر پاکستان میں آج ہم آپ کی ملاقات کر رہے ہیں۔" CA کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے اور یونیورسٹی کا بیس سالہ ریکارڈ توڑنے والے نوجوان ابرار علی سے۔ جن کا تعلق پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے ہے مگر انہوں نے بہت اور حوصلے سے ناسمجھ حالات کو نہ صرف اپنے حق میں ہموار کیا بلکہ۔۔۔ کمپیوٹر نچلے کیا کیا کہہ رہا تھا۔  
جیلہ ٹپکس چھپکا بھول گئی۔

ابرار علی اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔  
"اس ویلے آوارہ کو کوئی کم ہے جو گھر واپسی کی جلدی ہو۔" صبح صبح دوپراٹھے ڈاکر کے بستے لٹکا کر چلتا ہوا ہے۔ تو تو شرمیج گئے بے فکر ہو جاتی ہے کہ پٹر کالج جا رہا ہے۔ اب وہاں نہ جانے کیا کیا مگل کھلا رہا ہو گا۔"  
ابرار علی کمپیوٹر سے ہاتھ ملا رہا تھا۔  
"انتہا نام بھی اچھا نہیں جیلہ! جب کوئی دھیلا کما کے تیرے ہاتھ پر رکھے گا تب اچھلتا۔ ابھی تو کلام کا نہ کالج کا دشمن اتان کلا۔"

ابرار علی کرسی پر بیٹھ رہا ہے۔  
"چل! اب دیکھ لیں گے۔ چاچے کے بغیر کون سا تیر مارے گا۔ چار دن میں دھکے کھا کر واپس نہ آیا تو میرا نام بھی کبریٰ نہیں۔"  
"ایسے ہی نوجوان ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں خیر کریں۔"

کمپیوٹر کہہ رہا تھا۔  
جیلہ دھواں بھار روئے گئی۔  
اس کے بیٹے کی مشکلوں کا سفر تمام ہو گیا تھا۔  
اس نے اپنی منزل پالی تھی۔

"میں اس سب کا گریڈ ٹ اپنی ماں کو دتا ہوں بہتر کی بہت اور دعاؤں نے راستے میں چراغ جلائے رکھے۔" ابرار علی کہہ رہا تھا۔  
"ہلو۔" میرا بلو۔ "دو فیس دی تھی نووری تھی ماسٹری نے اسے ساتھ لگا لیا۔  
"اب تو آنسو پونچھ لے جیلہ۔ اب تو تیرے ابو دن آئے ہیں۔" ماسٹر الیاس نے صاف سے آنکھیں صاف کیں۔



"آئی ایم براؤڈ آف یو۔" محسن نے ابرار کو بھیج لیا۔ ابرار کی آنکھیں غم اور سرخ تھیں۔ کل اسے جوائن کرنا تھا۔  
اور اس نے پوری رات ایک پل کے لیے بھی سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا۔ یہ سجدہ شکر اس پر واجب تھا۔ جس نے مشکلیں دی تھیں۔ اسی نے بہت اور حوصلہ بھی دیا تھا۔ ان مشکلوں سے نکلنے کا رستہ بھی دکھایا تھا۔

"یہ سب آپ لوگوں کے تعاون سے ہوا ہے محسن بھائی! اس نے غلوں دل سے کہا۔  
"نہیں! یہ تمہاری اپنی کاوش ہے ابرار۔"  
"اب میں تو بھی لے آؤ بیٹا۔" جیلہ نے کہا۔  
"جی! اس بویک اینڈر جا رہا ہوں۔"  
"گھر کا لارنچ ہو گیا؟" محسن نے پوچھا۔  
"جی! ہو گیا۔"

"لیکن پہلے تم جیلہ کو لے کر میں آؤ گے۔" جیلہ نے پابندی لگائی۔

"انہیں یہاں تو لانا ہی ہے۔ کیونکہ اصل بات تو وہی کریں گی۔" جیلہ مسکرا دیں۔ محسن نے اچھ کر کہا۔  
"کوئی کھا۔"

"اچھا خالہ! محسن بھائی! اب میں چلتا ہوں بہت کام رہتے ہیں۔" ابرار خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔  
"یہ کیا کہہ رہا تھا۔ کون سی اصل بات؟"  
"عزیز سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

”واضحیٰ؟ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔“  
 ”براہمیسے لوگ بہت نایاب ہوتے ہیں محسن! ان کی نگاہیں تو آسمان چھوتی ہیں۔ مگر قدم مغبوطی کے ساتھ زمین پر رہتے ہیں۔ آکساری ان کا وصف اور حوصلے ان کا امتیازی نشان ہوتے ہیں۔“  
 ”ٹھیک کہتی ہیں۔ میں نے اسے ہر کامیابی کے بعد پہلے سے زیادہ جھلکتے دیکھا ہے۔“  
 ”پھل وارد درخت ہمیشہ زمین کی طرف جھکتا ہے۔ شاید خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے۔“ نیلہ نے کہا تھا۔

\*\*\*

”اس کی بہت بری حالت ہے کبرا۔ دیکھ کے کچھ منہ کو آتا ہے۔ اس کی حالت تمہیں ہے گھر پر کیس کروانے والی۔ آبریشن ہو گا۔ شرے لے جانا پڑے گا۔“ گلوں کی والی بیٹھی کہہ رہی تھی۔ اصغر اور کبری سر جھکائے بیٹھے تھے۔

”دونوں سے بڑی تکلیف میں ہے۔ کسی بھیس کی طرح ڈر رہی ہے۔ جیسے جان نکل رہی ہو۔“ کبری نے تڑپ کر اصغر کو دیکھا۔

”تو کیوں چپ کر کے بیٹھا ہے جااے لے کے آئے۔ ہائے امیری! کو اکدمی۔ کن غالموں کے پنے پڑ گئی۔“ وہ سینہ کوٹنے لگی۔ ”وہ مر جائے گی۔“  
 حوصلہ رکھ کبرا۔ ”بھیلہ نے تسلی دینا چاہی۔“  
 ”کیسے حوصلہ کروں؟ میری دھی مر رہی ہے جیل۔“

”بھیا! اصغر! ایسے کیوں بیٹھا ہے؟ جا کر بات تو کر۔ ان کے پاس کوئی روپے پیسے کی کمی ہے۔ شرکیوں نہیں لے جا رہے۔ نہیں لے جاسکتے ناں! ہم لے جاتے ہیں۔“

”میں مٹی ناں، مجھے میری بشری سے نہیں ملنے دیا چوہدرائش نے۔ کچھ کر لے اصغر۔ میں تے بٹھا دونا سپرے گا۔“

”دیکھتا ہوں۔“ اصغر صاف اٹھا کر جھکے جھکے انداز میں اٹھ گیا۔

”وہ دھلائے لوگ ہیں بروہمی ناں ہماری ہے نا۔“  
 ”اللہ بستر کرے گا۔ کبرا! احوصلہ بچڑ۔“ جیلہ نے سب کچھ بھلا کر اسے ساتھ لگا لیا۔

\*\*\*

”اوئے اصغر! میری گل سن لے کن کھول کے۔“  
 چوہدری یاسین نے بڑے کو فر سے ہٹنے کی کوشش لگاتے ہوئے کہا۔ اصغر اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔  
 ”بیٹیاں! اس طرح نہیں بیٹیں۔ دوسرے تیسرے دن بھی تو آجائے، بھی تیری زنتی۔“  
 ”چوہدری صاحب! اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے میرے ساتھ بھیج دو۔ میں شرکے ہسپتال لے جاؤں گا۔“

”ناں! تجھے یہ زنتیاں والی باتیں کون بتاتا ہے۔ شرم کر شرم۔ پہلے ہماری زنتیاں شرعاً کے بچے پہنچی رہی ہیں؟ ایک تو پہلے ہی اپنی دھی کو کوئی عقل مت نہیں دی۔ اوپر سے یہ غریب۔“ وہ کرجے۔

”چوہدری یاسین! رحم کر۔ رحم۔“ اصغر نے بہت مجبور ہو کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

”جل ٹھیک ہے! بجالے جافہ۔ پرواپس نہ چھڑن آئیں۔“

”ایمانی۔“ بشری کا شوہر اندر سے خود بھی شرے جانے کا حامی تھا۔ مگر کتنے کی بہت نہ تھی۔

”ارے! چپ کر اوئے۔ ناں بھی لڑس فر۔ ٹھیک ہے! ہمارے پتر کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔“

اور وہ جانے کی آواز میں دو جاوہا کر دیں گا۔

چوہدری یاسین نے اصغر کی بولتی ہی ہنڈ کر دی تھی

\*\*\*

اصغر کو اندر آنا دیکھ کر کبری لپک کر قریب آئی۔ جیلہ نے اصغر کے عقب میں دیکھا۔

”لے آیا بشری کو؟ کہاں ہے؟“ اصغر نے صاف آواز کر چاہائی پر پچھل۔ ”نہیں آنے دیا چوہدریوں نے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے لے جاؤ۔ پتر کا دو جاوہا

کر دیں۔“ وہ خود ہی ڈھکے لیا۔  
 ”ہائے! میں مر گئی۔ اے کس طراں ہو سکدا اے۔“ کبری نے دہل کر کیچے پر ہاتھ رکھا۔  
 ”چھوڑ آیا میں۔“

”چھوڑ آیا۔؟ کیوں چھوڑ آیا؟؟ تو لڑ بھڑ کے اسے لے آگ۔“

”کیسے لے آتا؟ میں کا (کیا)؟ وہ اتنے سارے کیسے لے آتا میں۔“ اصغر سر پر ہاتھ رکھ کے رونے لگا۔ ”ملاقا کن کھلانے سے بہتر ہے وہ مر جائے۔“  
 ”اللہ نہ کرے۔“

”نہیں پتا ہے میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ میں کا تمام کا میں کا ہوں۔ ہائے ریا۔ مجھے بھی پتہ چلا ہوتا۔ آج میری ہانہ پھڑکے کھڑا ہوتا تو ان کی جرات تھی۔ پر میرا تو کوئی وی نہیں۔ میں تے کلا رکھ (کیا) اور دشت کو۔“

”کس نے کہا کہ تیرا کوئی نہیں ہے؟“ جیلہ نے جلی کی طرح آنکھوں سے پلویٹایا۔

”بلو۔“ اصغر نے برستے آنسوؤں میں بھیجے کو دیکھا۔ جس کی شان اور اٹھان ہی اور تھی۔ اس کے عقب میں ملے دو رازے سے سفید گاڑی جھانک رہی تھی۔

”میں ہوں باتیر۔“ جیٹھا جیٹھا، بیٹھا بیٹھا۔“  
 اصغر نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر اپرا رنے اسے مغبوط یا زدن میں سنبھال لیا۔

کبری کی اپنا رونا بھول گئی تھی۔

”کو بیٹھی کو لے کر آتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں لو لوگ کیسے نہیں آنے دیتے۔“

کبری رو دتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ چاچا، چاچی کو چپ کراتے ہوئے اس نے ہل کود دیکھا۔

وہ آنسوؤں میں مسکرا رہی تھی۔ جیلہ نے میرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا بیٹے کی اعلا تلی کی بولادی

جی۔

\*\*\*

”بلو! اب میں اس گھر میں رہوں گی؟“ جیلہ نے

حضرت واسطیوں سے گھر لی ایک چیز کو دیکھا۔  
 ”ہاں۔“ وہ آسوی سے مسکرایا۔  
 ”دیکھ تو! ایسے چکنے چکنے فرش ہیں۔ میں نے تو یہاں سے ضروری کر جانا ہے۔“

”نہیں کرتیں میں ہوں نا۔“ امیر ارنا۔  
 ”ہاں! تو تو جیسے سارا دان میرے کوڑے سے لگ کر بیٹھا رہے گا۔“ جیلہ نے ناراضی سے دیکھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہن میں لے آیا۔

”ہائے ریا! یہ پاور جی خانہ ہے۔“ جیلہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ ”کھانچے کے برتن، کیس کے چولے، نہ پتر نہ یہ سارا ج میرے بس کی گل نہیں ہے۔“  
 ”عد ہو گئی! اہ! اتھماری خاطر تو سارا کچھ کر رہا ہوں۔“

”وے پاگا! تیری ماں نے ساری حیاتی مٹی لب کے چولہا جلایا ہے وہ کیا جانے ان کیس کے چولہوں کو۔“

”اس کا مطلب ہے سب بے کار گیا۔“ امیر ارناے مایوسی سے سر ہلایا۔

”بے کار کیوں؟ کسی اچھی سی شہری لڑکی سے شادی کر لے۔ سب کام میں آجائے گا۔“

”اور اگر اس لڑکی نے کہا کہ میری ماں سینڈو ہے۔ مٹی لب کر چولہا جلانے والی۔ مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا تو پھر؟“ امیر ارناے چھیڑا۔

ایک لمحے کو جیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ پھر وہ جلال میں آئی۔

”گت سے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیں گی۔“  
 ”لیکن ایک مسئلہ ہے نا۔ شرکی لڑکیوں کی گت نہیں ہوتی۔“ دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ جیلہ نے ہنار اور آسوی سے بیٹے کا چوہ دیکھا۔

”تو نے اچھا کیا جو اپنے چاچا، چاچی کو معاف کر دیا۔“

”اہ! میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا۔ بلکہ میں تو ان کا احسان مند ہوں۔ وہ مجھے اس طرح نہ



دھکارتے۔ گھر سے نہ نکلتے تو شاید میں اس مقام تک بھی نہ پہنچتا۔

اس دن وہ لوگ بشری کو لے کر فوراً "شرینچے" تھے اور بڑی مشکلوں سے بشری اور اس کے بچے کی جان بچی تھی۔ ابرار نے چوہدری صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ پولیس کیس ہے۔ لیکن کیونکہ اس کی رشتہ داری بھی ہے اور بشری کی جان بھی بچ گئی سو وہ یہ قدم نہیں اٹھا رہا۔ کیونکہ یہ تو ابرار بھی جانتا تھا کہ ان زین داروں کے لیے مقدمے بازی کسی کھیل سے زیادہ نہیں ہوتی۔ مگر ابرار کی بات چیت اور پوتے کی خوشی نے انہیں خاصا نرم کر دیا تھا۔

امرو اور کبریٰ اس سے آنکھیں نہیں ملتا رہے تھے مگر ابرار نے اپنے کسی دوست سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس کے اندر کوئی نگہ شکوہ بھی ہے۔ امرو کو بے تحاشا شرمندگی کے ساتھ ساتھ بے پناہ تقویت کا احساس ہوا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں، میں چائے بناتا ہوں۔" ابرار نے جیلہ کو کرسی پر بٹھایا۔

"حق بابا۔ اب میں فیر کرسی پر بیٹھ کر چائے پیوں گی۔" جیلہ کو خود ہی شرم آگئی۔

ابرار کا ہاتھ بے ساختہ تھا۔



"عائشہ! آپ نے کبھی محبت کی ہے؟" اسٹاف روم میں صرف وہ دونوں تھیں، جب مریم نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔ عائشہ نے چونک کر کاپی سے نظریں اٹھائیں۔

"ہائیں! عائشہ! مریم کے لہجہ میں اداسی تھی۔" محبت تو نہیں کہہ سکتی۔ ہاں! محبت کے احساس کو ضرور چھوا تھا۔

"پھر؟"

"پھر کیا؟ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے گھر والے غالباً راضی نہیں تھے۔ ایک دن ای ان کے گھر تحریک کے لیے گئیں اور۔" وہ دیر سے

دیر سے سب کچھ بتائی مئی اور مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"آپ کس جگہ رہتی تھیں؟" مریم نے منہ بھر کر پوچھا۔

عائشہ نے جگہ بتائی اور مریم کو یاد آگیا اس نے عائشہ کو کہاں دیکھا تھا۔ وہ مکے میں ٹکٹے کی عمارت تھی اور عائشہ بھی اسکول اور گھر کے علاوہ کہیں نہیں جاتی تھی۔ مگر ایک ہی مکے میں رہنے کی وجہ سے کہیں نہ کہیں دیکھا تو تھا۔

"اور تم؟" عائشہ نے اپنی بات مکمل کر کے پوچھا۔

"میں نے تو محبت بھی کی اور دھوکا بھی کھالیا۔" وہ تنہی سے بولی۔

"کون تھا؟"

"مجھے چھوڑیں۔ تو آپ کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ آپ کی امی نے یوں ہی کہہ دیا تھا۔" مریم نے تلا۔

"ہاں! عزت بچانے کا یہی طریقہ تھا۔"

"اور آپ نے محبت کی قرینہ دے دی؟"

"ظاہر ہے! محبت عزت سے بڑھ کر تو نہیں ہوتی۔" عائشہ نے رمان سے کہا تو مریم نظریں چرا گئی۔

"نجانے وہ کون لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جو اپنی محبت کی خاطر گھر والوں کو زندہ دھوکہ دے دیتی ہیں۔" مریم کا چہرہ پیکا پڑ گیا۔

"محبت پر بس کہاں چلتا ہے۔"

"محبت پر نہیں، لیکن بڑے قدموں پر تو بس ہوتا چلتا ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ یا تو انسان اپنی محبت کی خاطر لڑے۔ اگر لڑ نہیں سکتا تو ہتھیار ڈال دے۔ لیکن مجھ سے محبت کرنا تھا۔ میرے لیے بہت آسان تھا اس کی محبت کو بغاوت بنا دیتی۔ لیکن میری نظروں کے سامنے میرے بوڑھے ماں باپ کے چہرے تھے۔ زمانے کے طے تو ایک طرف۔ وہ تو میری طرف اٹھی انگلی دیکھ کر ہی مرجاتے۔ سو میں نے پہلی ہی مرحلے پر ہتھیار ڈال دیے۔"

عائشہ کو اندازہ ہی نہ تھا کہ اس کے منہ سے نکلے

مریم کی دلچسپ برکوز سے برسا رہے ہیں اور وہ لب لباب اپنے اندر اچھی چیزوں کو روکنے کی سعی کر رہی تھی۔ جب ہی بات کرتے کرتے عائشہ کی نگاہ اس پر پڑی۔

"مریم کھڑی ہو گئی۔" آپ جانتی ہیں میں کون ہوں؟"

عائشہ نے استغماہیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"میں نعمان کی بہن ہوں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

عائشہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ابرار میٹ سے اندر آیا۔ لان میں بیٹھی عرشہ کو دیکھ کر ایسی طرف آگیا۔ وہ فرصت سے بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔

"السلام علیکم! ابرار کی آواز پر اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔

"وعلیکم السلام۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"تعلبا! سے اخبار کتے ہیں۔"

"یقیناً۔" وہ سامنے بیٹھ گیا۔ عرشہ کچھ گھبرا سی تھی۔ فوراً اٹھنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ عرشہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے؟" ابرار نے بیچیدگی سے کہا۔

"کیسی بات؟" وہ چھٹی۔

"کچھ خاص نہیں، بس میں چاہتا تھا کہ ای کو لانے سے پہلے تم سے بات کر لوں۔ دراصل میری امی بہت بددی سادی ہیں اور مجھے تو وہ شہزادہ جھپتی ہیں۔ تو اس بات کو دیکھ لو گا اگر تم نے ان کے سامنے مجھے بھینک کر دیا۔ سو میں نے سوچا پہلے خود ہی کسفرم کر لوں کہ۔" اس نے ذرا رک کر کان بھجایا۔

"ایسا تم مجھ سے شادی کو کی؟"

عرشہ بھونچکی رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ

ابرار سے یوں براہ راست پروپوز کرے گا۔

"مجھے اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟" وہ بہت پر تنک کچھ نہ بولی تو ابرار کو کہنا پڑا۔

"تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو۔"

عرشہ نے نظریں چرا گئیں۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" ابرار نے کندھے اچکائے۔

"میرا ماضی اتنا بھی شفاف نہیں کہ یوں کندھے اچکا کر نظر انداز کر دیا جائے۔" عرشہ کو غصہ آگیا۔

"تو کس طرح کرنا چاہیے؟" ابرار نے سادگی سے پوچھا۔

"تم کس مٹی کے بنے ہو؟" عرشہ جھنجھلائی۔

"میری نظر سامنے دیکھتی ہے۔ پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھتا مجھے وقت کا زیاں لگتا ہے۔ آپ سے غلطیاں ہو گئیں۔ آپ نے ان سے سبق بھی سیکھ لیا۔ آپ نے غور کر کھائی۔ آپ منہ بھر بھی مکے۔ دیش اٹ۔ اب ان غلطیوں کو لے کر روتے ہی رہیں؟"

"وہ غلطیاں نہیں! کتنا تھے۔" عرشہ کی نگاہ جم گئی۔

"یہ خدا کا معاملہ ہے۔ میں نہیں جانتا۔" اس نے آرام سے ہاتھ بھاڑے۔ عرشہ نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

ابرار نے اسے غور سے دیکھا اور اپنے مخصوص دھجے انداز میں مسکراتے ہوئے زرا آگے ہوا۔

"ایک دن میں بتا رہا تھا۔ اک مہینہ پری نے چائے بنا کر دی تھی اور وہ ابھی۔ میں نے بہت دل سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس مہینہ پری کو سیدھا رستہ دکھانا۔ اس کے ساتھ وہی کرنا جو اس کے لیے بہتر ہو۔ میں نے تو یوں کے اندر رتی بھر بھی اختلاف نہیں پایا تھا۔ وہ اپنی غرض کا بندہ تھا۔ مجھے نہیں پتا میرا دل تمہارے لیے کیوں دکھتا تھا۔ اپنی لف ترین رو میں تمہارے لیے کیوں سوچتا تھا۔ مجھے نہیں پتا میں ہر نماز میں تمہارے لیے دعا کیوں کرتا تھا۔" اس کے لہجے کا جذب سادگی اور گہرائی۔

میریسی اچھوں میں اسو اے۔  
کیا خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی تھی۔

یاماں کی دعائیں اب بھی اسے اپنے حصار میں لے ہوئے تھیں۔

”مجھے تمہارے جواب کی جلدی نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سوچ لو، سمجھ لو۔ ستر بے کسی سیانے سے مشورہ بھی کر لو۔“ ابرار کے لہجے میں ہلکی سی شرارت جھلکی۔ ”لیکن پلیز! یہ فیصلہ ماضی کو سامنے رکھ کر نہیں اپنے جمل اور مستقبل کو سامنے رکھ کر کرو۔ میں جواب لینے پھر آ جاؤں گا۔“ وہ کھڑا ہوا۔

”ابرار! تمہیں تو کوئی بھی اچھی لڑکی مل جائے گی۔“

”بڑی بھوک لگی تھی۔“  
”آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا؟“

”خود تو باہر سے کھا لی آتے ہیں۔ اور گھر میں لینے کو کوئی چیز نہیں۔“

فاطمہ تھیلا اٹھا کر کچن میں رکھنے لگی تو دل دکھنے لگا۔ گندے سندے کچن میں واقعی کچھ نہ فرج بھی خالی۔ وہ تھیلا اندر رکھ کر خاموشی میں کپاس بیٹھ گئی۔

”تھک جاتی ہوں اکیلے رہتے رہتے۔“

آپ نے فرید کو بھی ماموں کے پاس بھجوا دیا۔  
ہو تا تو۔

”کیا کرتی؟ اسکول سے آتا تھا تو سارا دن گھر میں سیدھی باتیں سنتا تھا۔ اس کا دل غراب ہو رہا تھا۔ لیے بھجوا دیا۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں، مریم کو کی۔ آؤں۔“

”مریم کو وہیں رہنے دیں۔ پھپھو نے ایک رشتہ دکھا ہے اس کے لیے لڑکے والے پسند کرتے ہیں۔ اب لڑکے کو دیکھنے جانا ہے۔ دعا کریں، یہ رشتہ ہو جائے۔ مریم یہاں آئی تو کوئی نہ کوئی بات لڑکے والوں کے کانوں میں بڑ جائے گی۔“

”مریم یہاں گئی ہے؟“

”اب بھی نہ مانتی۔“ فاطمہ نے تپنی سے کہا۔  
”کھینچی کیسی کھے ڈالی تھی سر میں۔ باپ کو بھی مار ڈالا۔“

”ابنا کیا ہی آگے آتا ہے! اہاں!“ فاطمہ نے آہستہ سے کہا۔ حمید نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔  
”ہاں! اب بیٹھ کر میرا قصور ہی نکال۔“

”مریم کا دل غراب اسی گھر سے خراب ہوا تھا! اب نے عریضہ کو کبھی کسی بات کے لیے نہیں روکا تو کافور بھلے ان دونوں کی شادی ہوتا تھی۔ پھر بھی کچھ حد ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے مرٹھے، ہرچہ لالہ اور تھپتھپ میں قربانی دینے کے سبق مریم نے بچپن سے پڑھے تھے اور یہ بھی کہ اپنی محبت کی خاطر

”پھر تمہیں اچھا لڑکا کہاں سے ملے گا۔“ ابرار نے بے چارگی سے کہا۔ عریضہ جزیرہ ہو کر لب چبانے لگی۔ وہ کرسی پر ہاتھ رکھ کر تھکا۔

”میں نے اچھی لڑکی دھونڈ کر ہی اس کے سامنے یہ پردہ پونل رکھا ہے۔ اللہ حافظ۔“ عریضہ نے آنسوؤں کی دھند میں اسے گیٹ سے نکلتے دیکھا۔

اور ٹیس پر کھڑی نیلہ کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھرنی۔



فاطمہ کو دیکھ کر حمید کھل سی گئیں۔

”شکر ہے فاطمہ! تو نے چکر تو لگایا۔ پہلے تو بانو ہر ہفتے آ جاتی تھی۔ اب تو وہ بھی نہیں آتی۔ سارا دن ان دیواروں کو گھور گھور کر تنگ آ جاتی ہوں۔ لڑکے ہیں تو وہ بھی گھر میں نہیں نکلتے۔ چھوٹے ہی کو لے آئیں۔“ وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”مریم اور عریضہ کے پاس تھا۔ میں ڈرائیور کے ساتھ بازار تک گئی تھی تو اوھر آ گئی۔“ فاطمہ نے پھلوں کا تھیلا ان کے قریب رکھا۔

”اللہ تیرا بھلا کرے۔“ کتنے دن ہو گئے پھل کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ ”حمید تیزی سے سیب نکال کر کھانے لگیں۔“



رشتوں کو دھو کر دیکھا تھا۔ اس لیے۔ یاد ہے۔ آپ نے عرشہ کو کیسے استعمال کیا تھا؟  
”بس کر جانا۔ عرشہ کی آواز بے بسی سے گھٹ کر رہ گئی۔“  
”اور مریم کو چھوڑیں۔ آپ نے نعمان کے ساتھ کیا کیا؟“ قاطرہ کا لہجہ لاشعوری طور پر تیز ہو گیا۔  
”میں نے کیا کیا ہے؟“ انہوں نے نظریں چراغیں

”کیا ہر جہاں تھا اگر اس کی شادی باشر صاحب کی بیٹی عائشہ سے ہو جاتی؟“  
”میں نے تو تم لوگوں کی خاطر کیا۔ بھائیوں کی شادی ہو جائے تو بہنوں کو پوچھتے تک نہیں۔“ حمیدہ نے صفائی دینے کی کوشش کی۔  
”اس کا مطلب تھا کہ آپ بیٹیوں کی خاطر بیٹے کے دل کی خوشی چین لیں؟“ اس نے ہر کسی کو اس کے نصیب کا ملنا ہوتا ہے۔ میں بھی حیران تھی کہ ٹھیک ہے، نعمان بھائی شروع ہی سے غصے والے تھے۔ مگر اتنے بے حس تو نہیں تھے۔ ہر کسی کا خیال رکھتے تھے۔ پھر ایک دم سے اتنے دل کیسے گئے۔ اب سمجھ میں آتا ہے وہ یہ سب انتقام؟“ گڑبڑ ہے۔ کیونکہ معاف کرنے کا ظرف تو ہم میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔“ وہ بس بولتی چلی گئی۔ جیسے یہاں صرف اپنی بھڑاس نکالنے آئی ہو۔

”تجھے یہ سب کس نے بتایا؟“  
”عائشہ مریم کے ساتھ بڑھاتی ہے اور اہم بات یہ کہ اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔“  
”اچھا۔“ حمیدہ چپ سی ہو گئیں۔  
”ابا! قاطرہ نے ان کا ہاتھ تھاما۔“ نعمان بھائی کو ان کے دل کی خوشی دے دیں۔ ورنہ اس گھر کی دیواریں سے یہ خاموشی اور وحشت ساری زندگی لپٹی رہے گی۔ سب کچھ بدل گیا ہے۔ اب آپ بھی بدل جائیں۔ یہ گھر گھر نہیں لٹا آگ ویران سرانے بن گئے رہ گیا ہے۔ مہمکہ کیسا بھی ہو، لڑکی کا لہجہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی سرال میں بھی بے چین رہتی ہے مگر اس

کے سنے والے تکلیف میں ہیں۔ ابا! ابو! سب کے جوئیہ کیا ہے اسے سنبھال لیں ورنہ سب کو ہوجائے گا۔“  
قاطرہ روتے ہوئے اٹھ گئی۔ حمیدہ اندر چلا ہوئے۔  
تکدہ ہیں گم مسمی بیٹھی رہ گئیں۔

گھر بھی اچھا تھا اور گھر والے بھی خاصے سلیقے ہوئے تھے۔ لڑکے کی دونوں بیٹیاں بہت ہنس کھنکھاتی تھیں۔ عرشہ کے ساتھ فوراً ہی گھر مل گئیں۔  
”یا اللہ! یہاں مریم کی بات بن جائے۔“ عرشہ نے دل ہی دل میں دعا کی۔  
”برخوردار گھر پر نہیں ہیں۔“ چائے کے لوازمات سجائے جانے لگے تو خیال نے پوچھا۔  
”وہ گھر پر ہی ہے۔ جاؤ فضلہ! لڑا کر لاؤ۔“ مل نے لڑکی تو لڑکی فوراً اٹھ گئی۔ دوسری بہن سب کو چائے پیش کرنے لگی۔  
جس وقت اس نے عرشہ کو کپ تھامایا حسین اس وقت لڑکے نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا۔ عرشہ کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا۔ چائے نے اسے کمال کہاں چلایا۔ اسے خیر نہ تھی۔ سب لوگ ہنسا کر اس کی طرف لپکے۔  
اور عرشہ تنگی ہاتھ سے فند کو اور وہ عرشہ کو دیکھ رہا تھا۔

”فند! تم۔“  
”عرشہ۔“  
سب تھک کر دونوں کو دیکھنے لگے۔  
”تو اس کا مطلب ہے کہ جس مریم کو گھر والے۔“  
”ابا۔“ عرشہ کے ہاتھ سے وردی کی سیس لپٹنے لگی تھی۔ جہاں چائے گری تھی۔  
”تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟“ فند کے والد نے سنبھال کر پوچھا۔

”جی انکل یہ میرے کالج فلور ہے ہیں۔ ہم نے بی بی اے کیسے کیا تھا۔“ عرشہ بیٹھ گئی۔  
”اچھا۔ اچھا۔“ انہوں نے گہرا کر یکدم کو دیکھا۔  
”انا قصہ نہ تھا، جب فند اپنے کالج کی لڑکی کے پاس آئی تو وہاں تھا۔ بلکہ اب تک وہیں اٹکا ہوا تھا۔“  
”جی جی! یہی مسئلہ کے بعد مہمانوں کے سامنے آنے لگا۔“  
”ابو! جس مریم کو آپ میرے لیے پسند کر کے کہتے ہیں۔“ فند باپ کی طرف مڑا۔ ”وہی لڑکی ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا تھا۔“  
سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

نعمان نے اسٹور سے سارا اسٹوا بھجوا دیا تھا۔  
”وہ آج اسٹور پر بیٹھا ہے؟“ حمیدہ نے خوش ہو کر پوچھا۔  
”جی! بہت دنوں بعد اسٹور پر خود بیٹھے ہیں۔ ورنہ ستنے دنوں سے میں اکیلا ہی دیکھ رہا تھا۔“ سلمان لانے والے لڑکے نے جواب دیا۔ حمیدہ خوشی خوشی سلمان سنبھالنے لگیں وہ نہیں جانتی تھیں کہ قاطرہ نے نعمان کو قتل کیا تھا۔ وہ بڑا بھائی تھا مگر قاطرہ نے اسے خوب مارا تھا۔  
”تب وہ دنوں یہ کیوں بھول گئے کہ جو عورت اس گھر میں بیٹھی ہے۔ جیسی بھی ہے۔“ آپ کی ماں ہے۔“  
”ابا! انہوں نے بہت غلطیاں کیں۔ مگر اولاد ہونے کے ہاتے آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ انہیں ان کی غلطیوں کی سزا بھی دیں۔“ آپ کو اگر عائشہ نہیں ملی تو اس میں آپ کا نصیب۔ لیکن یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ وہ بھوکی پیاسی گھر میں بیٹھی رہیں۔ رب کو منہ دکھانا ہے یا نہیں۔“ قاطرہ بس ڈرا دیر کو سانس لینے لگی۔  
”دوسری بات محسن اور چھوچھو نے فیصلہ کیا ہے کہ اسٹور آپ کے پاس رہے گا۔ بس مارکیٹ کے حساب سے جو کر لیں بنائے۔“ عرشہ کے اکاؤنٹ میں ڈالوا دیا

”جی! نعمان کے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ ورنہ قاطرہ کی باتوں کا اثر تھا۔ اس نے سارا راشن بعد سبزی گوشت وغیرہ بھجوا دیا تھا۔  
حمیدہ نے ہری مرچیں اور خوب ٹماٹر ڈال کر گوشت بھونٹا۔ تازہ تازہ پھلکے بنائے۔ مگر جب کھانے بیٹھیں تو ایک نوالہ نہ لیا گیا۔ ان کے کانوں میں برکت حسین کی آواز گونجنے لگی۔  
”سارے میر کو روٹی کھلاؤ گی۔ میرے لیے روٹی ڈالتے ہاتھ لٹوئے ہیں۔“  
حمیدہ نے بے بسی سے نوالے کو دیکھا۔  
”ڈکار لے۔ سارے کباب اکیلے اکیلے ڈکار لے۔“

حمیدہ نے نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا۔  
”یا اللہ! مجھے اٹھ لے! اس عورت کو۔“  
”ہائے ہائے۔“ صرف اپنی بات کو۔ مجھے تو ابھی زندگی میں بہت کچھ دیکھنا ہے۔“  
”ابا! تیری تو یہی خواہش ہے کہ میں کسی دن سوتے سے ہی نہ اٹھوں۔“  
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔  
”میں تو ابیری دل سے کتنی بھی برکت حسین! تم نے اتنی جلدی گروی۔“  
”ابا! نعمان کی آواز پر انہوں نے پہلے پلو سے چھو صاف کیا پھر اس کی طرف دیکھا۔  
”کیا ہوا؟“  
”کچھ نہیں! تیرا ابا یاد آیا تھا۔“  
”کھانا بن گیا ہو تو دے دو۔“ وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔  
حمیدہ نے دو پھلکے ڈالے اور ٹرے میں رکھ کر لے گئیں۔ نعمان ہاتھ سر کی پشت تلے رکھے چپ لپٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اٹھ گیا۔  
”یہ تو ابان آج کل کہہ رہا ہے؟“ بہت عرصے

”نہو کمری مل گئی ہے سو ہیں جاتا ہے۔“

عروشہ کی سسکتی آواز ہر وقت اس کے کانوں میں  
گونجتی رہتی۔

یہاں علی کے نوکر کے ساتھ مرحوم کا رشتہ مانگنے

خواتین ڈائجسٹ 192 اگست 2012



194 خاتمه: ۱۴۰۲ هـ - ۱۴۰۱ هـ